آخری ملاقات

محمّد مُزّمل حق

۱۴ر نومبر ۱۹۷۱ء کو گورنمنٹ کے ایک حکم کے تحت تمام بنگالیوں کو پاکستان نیوی کے جہازوں سے رخصت کرکے مختلف کیمپوں میں محصور کردیا بندہ بھی پاکستان نیوی میں ملازم تھا اور فیملی کے ساتھ رہ رہا تھا۔ فیملی پرسنل کے لئے حکم یہ تھا کہ وہ اپنے اپنے کوارٹروں میں تا حکم ثانی رہیں۔ میرے کوارٹر پر حلقے کے ساتھی جمع ہوجاتے اور مجلس ذکر منعقد ہوتی زیادہ تر وقت اذکار میں گزرتا تھا۔ حالات ایسے تھے کہ محسوس ہورہا تھا کہ ہم اب مشرقی پاکستان کسی وقت بھی واپس بھیجے جاسکتے ہیں اس لئے ہم چھ ساتھیوں نے باہم مشورہ کیا کہ حضرت شیخ المکرم رح سے آخری ملاقات کے لئے چکڑالہ حاضر ہوا جائے شائد زندگی میں دوبارہ زیارت ممکن نہ ہو۔ ساتھیوں کے نام یہ ہیں۔ سید احمد صاحب، محمد طاہر، محمد مزمل، مشرف حسین اور محمد صدیق صاحبان۔ کمانڈنگ آفیسر کارساز آر گل صاحب کو ہم نے پنجاب جانے کے لئے چند یوم کی رخصت کی درخواستیں دے دیں دونوں طرف کے ماحول میں کافی کشیدگی تھی اس لئے پورے پاکستان میں سفر کے لئے نکلنا خطرے سے خالی نہ تھا۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا ہمیں ایک ہفتہ کی چھٹی آسانی سے مل گئی ہم کراچی سے روانہ ہوئے جہلم پہنچے وہاں سے بذریعہ بس چکڑالہ پہنچے حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضری دی حضرت جیؒ بہت خوش ہوئے۔ ایک دن صبح کے وقت حضرت جیؒ کے پاس مسجد کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے۔ بات چیت ہو رہی تھی حضرت جیؒ نے فرمایا کہ مجیب اور بھٹو دونوں ذلت کی موت مریں گے تمام بنگالیوں کو اس وقت تو مجیب کے ساتھ جذباتی تعلق تھا اس لئے فوراً ذہن میں آیا کہ بھٹو نے مجیب کو اکثریت کے باوجود حکومت نہیں دی اس میں مجیب کا کیا قصور ہے اس وقت یہ چیز ذہن میں بھی نہ تھی۔ مگر حضرت جیؒ نے جو کچھ فرمایا اس پر ۱۰۰ فیصد یقین بھی تھا کہ یہ بات انشاءاللہ صحیح ثابت ہوگی۔ ۱۹۷۳ء میں ہم پاکستان چھوڑ کر بنگلہ دیش چلے گئے اور وہاں نیوی میں سروس کرتے رہے اور منتظر رہے کہ کب حضرت جیؒ

کی پیش گوئی پوری ہوتی ہے۔ حالات پُر سکون تھے مجیب کے مرنے کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ تقریباً دو سال کا عرصہ گزرنے کے بعد ۱۵ اگست ۱۹۷۵ء کی صبح جب ہم حسب معمول اپنی ڈیوٹی پر گئے تو نیوی میں چٹاگانگ میں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ ... شیخ مجیب الرحمٰن اور اس کے کئی رشتہ دار اور ساتھیوں کو قتل کر دیا گیا ہے اس واقعہ میں شیخ مجیب الرحمٰن کے خاندان کی صرف دو لڑکیاں جو باہر تھیں بچ سکیں باقی سب ٹینک کی توپوں کے ذریعے اڑا دیئے گئے۔ استاد المکرمؒ کی بات یاد آئی اور ان کی یہ پیشگوئی پوری ہوگئی اس واقعے سے شیخ المکرم سے قلبی تعلق کو کافی تقویت ملی۔ اس کے بعد بھٹو صاحب کے مستقبل کا انتظار کرنے لگ گئے آخر ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو بھٹو حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا اور کچھ عرصہ بعد زبردست اندرونی اور بیرونی دباؤ کے باوجود بھٹو کو پھانسی دے دی گئی اور حضرت جیؒ کی یہ پیش گوئی بھی پوری ہوئی۔

جب چکڑالہ سے ہم چھ ساتھی رخصت ہوئے حضرت جیؒ نے الوداع فرمایا جدائی کے صدمہ اور پھر ساری عمر کا صدمہ کی وجہ سے آنکھوں سے آنسو تھم نہیں رہے تھے حضرت جیؒ نے فرمایا واپسی منارہ سے ہو کر جانا اور "اکرم" کو ضرور مل کر جانا۔

حضرت جیؒ سے فارغ ہو کر منارہ پہنچے حضرت مولانا محمد اکرم صاحب مدظلہ کے گھر پہنچ کر معلوم ہوا کہ آپ گھر پر نہیں ہیں ہم مسجد چلے گئے۔ رات کو جب حضرت مولانا محمد اکرم صاحب گھر تشریف لائے ہماری آمد کی خبر پاکر مسجد تشریف لائے بہت خوش ہوئے بڑے خلوص اور شفقت اور محبت سے ملے ہماری خیریت دریافت کی ہمارے ساتھ سید احمد صاحب بھی تھے جن کو حضرت صاحب بہت پسند کرتے تھے اور حضرت استاد المکرمؒ ان کو فرمایا کرتے تھے۔ ہم کیونکہ بنگالی تھے حضرت جی مدظلہ نے ہمارے لئے خصوصاً چاولوں کا بندوبست فرمایا۔ رات حضرت جی کے ساتھ ذکر کیا اور رات قیام کے بعد صبح واپسی کی تیاری کی۔

حضرت جیؒ مدظلہ خود پیدل ہمارے ساتھ بس سٹاپ تک تشریف لائے اور الوداع کہا۔ بنگلہ دیش سے حضرت جیؒ سے خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا پھر کافی عرصہ خط و کتابت بھی نہ رہی بنگلہ دیش نیوی سے فارغ ہو کر کویت نیوی میں سروس اختیار کی یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ حضرت شیخ المکرمؒ اس دنیا فانی سے رخصت ہو چکے ہیں۔ حلقے کے کسی ساتھی سے ملنے کی شدید تڑپ پیدا ہوئی مختلف ساتھیوں سے دریافت کرتا رہا تاکہ معلوم کر سکوں کہ اس عظیم سانحہ کے بعد جماعت کس حالت میں ہے چنانچہ عبدالغفور صاحب سے کویت میں ملاقات ہوگئی۔ دریافت کرنے پر انہوں نے بتایا ہے کہ حضرت شیخ المکرمؒ کی رحلت کے بعد حضرت مولانا محمد اکرم صاحب کو متفقہ طور پر حضرت جیؒ کا روحانی جانشین مقرر کیا گیا ہے اور حضرت جیؒ نے اپنی حیات میں بھی ان کو ہی اپنا جانشین مقرر فرمایا تھا دل کو تسلی ہوئی۔ اور معمولات میں باقاعدگی ہوگئی حلقہ ذکر میں باقاعدگی سے شمولیت اختیار کرنا شروع کر دی۔ اس کے بعد بات سمجھ میں آئی کہ حضرت جیؒ نے رخصتی کے وقت ہمیں منارہ جانے کی کیوں تاکید فرمائی تھی کیونکہ حضرت جیؒ کے بعد حضرت مولانا محمد اکرم صاحب کو اس مقدس جماعت کو سنبھالنے کی اہم ذمہ داری سونپی جانے والی تھی۔ چنانچہ حضرت جیؒ نے آخری ملاقات کے وقت جو باتیں فرمائیں سو فیصد درست ثابت ہوئیں۔ اب بنگلہ دیش میں جماعت کے ساتھی حضرت جیؒ مدظلہ کے دورہ بنگلہ دیش پر گہرے روحانی اثرات مرتب ہوں گے اور بنگلہ دیش میں انشاء اللہ بہت بڑی جماعت بنے گی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

ڈسکہ والے محمد امین صاحب کے بہنوئی حافظ محمد فضل ربانی صاحب ۲۳ دسمبر کی شب کو وفات پا گئے ہیں۔ جماعت کے تمام ساتھیوں سے ان کیلئے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

سلسلہ عالیہ کے ایک دیرینہ و مخلص ساتھی محمد اکرم صاحب کی والدہ محترمہ یکم جنوری ۱۹۹۰ء کو بروز سوموار وفات پا گئی ہیں۔ تمام ساتھیوں سے مغفرت کی درخواست کی جاتی ہے۔

یادیں اُن کی

میجر غلام محمد

یہ فروری ۱۹۷۰ء کی بات ہے۔ میں رسالپور میں تھا۔ کچھ دنوں کے بعد محمد احسن بیگ کی رسالپور آمد ہوئی۔ تو بہت باتیں سننے کو ملیں۔ چند احباب کے علاوہ سب احسن بیگ سے متنفر تھے میری جو ایک دو ملاقاتیں ان سے ہوئیں ان میں انہوں نے اپنے استاد المکرم حضرت مولانا اللہ یار خان کا تذکرہ کیا۔ حضرت جی کا شمار پاکستان کے چوٹی کے علماء میں تھا۔ وہ اہلِ تشیع کے خلاف بلند پایہ مناظر تھے۔ ان کے جلسوں اور تقریروں کے بڑے بڑے پوسٹر دیواروں پر دیکھ چکا تھا مگر تاحال ملاقات نہیں ہوئی تھی ایک دن میں احسن بیگ کے پاس پینٹ لینے گیا۔ میری یونٹ کی سالانہ ٹیکنیکل انسپکشن تھی۔ اور رسالپور میں ان کے بغیر اور کسی کے پاس پینٹ نہ تھا۔ احسن بیگ نے مجھے اگلے روز پینٹ دینے کا وعدہ کیا اور ساتھ ہی بتایا کہ حضرت مولانا اللہ یار خان صاحب ان کے پاس آئے ہوئے ہیں۔ رات کو محفلِ ذکر ہوگی۔ شمولیت کے لیے ضرور آنا۔ میرا تعلق خانقاہ سراجیہ کندیاں سے تھا اور تقریباً گیارہ سال سے حضرت مولانا خان محمد سے منسلک تھا۔ میں سوچ میں پڑ گیا جاؤں یا نہ جاؤں۔ شام کلب میں فلم دیکھنے کا پروگرام بھی تھا۔ چنانچہ شام سے پہلے ہی دو تین کاریں میرے گھر پہنچ گئیں تاکہ مجھے اپنے ساتھ کلب لے جائیں۔ میں سخت تذبذب میں تھا اگر احسن بیگ کے گھر نہیں جاتا تو وہ ناراض ہو کر پینٹ دینے سے انکار کر سکتا تھا۔ اس طرح میری ٹیکنیکل انسپکشن کا بیڑہ غرق ہو سکتا تھا۔ لہذا میں نے پینٹ کو مدِ نظر رکھ کر کلب جانے سے انکار کر دیا۔ اور شلوار قمیض پہن کر احسن بیگ کے گھر چلا گیا۔ جیسے ہی میں ڈرائنگ روم میں داخل ہوا حضرت المکرم وضو فرما کر باہر نکلے تھے۔ احسن بیگ نے میرا تعارف کرایا۔ میں نے مصافحے کے لیے ہاتھ آگے بڑھائے مگر حضرت المکرم میرا ہاتھ نظر انداز کر کے آگے بڑھ گئے اور مجھے پہلی بار محسوس ہوا کہ شاید میں اس قابل بھی نہیں کہ مجھ سے کوئی اہل اللہ مصافحہ کرے۔

میں ان کے پیچھے چل پڑا۔ سڑک عبور کر کے حضرت جی کنٹونمنٹ بورڈ کی ایک چھوٹی سی مسجد میں نماز پڑھانے تشریف لے گئے، میں بھی وضو کر کے جماعت میں شریک ہو گیا جیسے ہی حضرت جی نے قرات شروع کی مجھ پر عجیب رقت طاری ہو گئی اور نماز کے دوران بے ساختہ روتا رہا۔

نماز اور نوافل سے فارغ ہو کر سب لوگ احسن بیگ کے گھر جمع ہو گئے تو میں بھی باقی افسروں (جن میں کیپٹن (بریگیڈیئر) محمد حنیف، کیپٹن (میجر) عمر حیات، کیپٹن زین العابدین، فلائیٹ لیفٹیننٹ ہادی حسین شاہ موجود تھے) کے ساتھ اگلی قطار میں بیٹھ گیا۔ ایک لمبا سا آدمی کھڑا ہو گیا اور بتانے لگا کہ ہمارا سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ ہے۔ ہم پاس انفاس سے ذکر کرتے ہیں، ذکر کرتے وقت قبلہ رُخ قطاروں میں شیخ کے بائیں بیٹھ کر آنکھیں اور منہ بند رکھ کر اندھیرے میں وصول الی اللہ کے لیے لطائف پر اللہ ھُو کی ضربیں لگاتے ہیں۔ ہمیں روحانی فیض شیخ کے توسط سے براہِ راست محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اویسی طریقہ پر ملتا ہے۔ جب وہ اپنی بات ختم کر چکا تو میرے بارے میں حضرت جی سے پوچھا کہ کیا یہ محفلِ ذکر میں بیٹھا رہے

حضرت جی نے فرمایا کہ اس علاقے کی مٹی میں اخذِ فیض کی صلاحیت نہیں انہوں نے اپنے بڑوں سے اولیاء اللہ کی مخالفت ہی سیکھی ہے۔ یہ کیا ذکر کرے گا۔ اس پر اُس لمبے آدمی نے سختی کے ساتھ مجھے حکم دیا کہ میں یہاں سے اُٹھ جاؤں۔ میں وہاں سے اُٹھ تو گیا مگر شاید مجھ میں اس قدر ذلیل و خوار ہو کر نکلنے کی ہمت نہیں تھی۔ میں سب سے پیچھے جوتیوں میں بیٹھ گیا۔ اس دوران لائٹ بند ہو چکی تھی۔ اور حضرت جی نے سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ الا اللہ واللہ اکبر ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہ اللہ اللہ ھو۔ چلو پہلا لطیفہ قلب کہہ کر ذکر شروع کرایا۔ پندرہ بیس منٹ کے بعد مجھے ایسا لگا جیسے کمرے میں روشنی ہو۔ میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو واقعی کمرے میں روشنی تھی۔ میں نے فوراً آنکھیں بند کر لیں۔ کچھ دیر کے بعد میں نے بہت زیادہ روشنی کی موجودگی میں جب آنکھیں کھول کے دیکھا تو آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ انوارات تجلیات کی شکل میں حضرت جیؒ کے سینہ مبارک سے نکل کر دیگر احباب کی طرف لپک رہے تھے۔ اور انہی انوارات نے تمام کمرے کو بے حد منور کیا ہوا تھا۔ مجھ پر سکتہ طاری ہو گیا۔ یا اللہ یہ کیسا شخص ہے۔ ایسے آدمی تو کتابوں میں پڑھے تھے۔ اس دور میں کیسے پیدا ہو گئے جب ذکر ختم ہوا تو میں پوری طرح حضرت جیؒ کی روحانی عظمت کا قائل ہو گیا تھا اور فیصلہ کر چکا تھا کہ ایسے شخص کا دامن ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔ چاہے وہ مجھے اپنے قابل سمجھتا ہے یا نہیں۔ جیسے ہی لائٹ آن ہوئی میں اُٹھا اور جا کر حضرت جیؒ کے پاؤں پر گر گیا۔ میں بے اختیار گڑگڑا کر روتا رہا جب رو رو کر میرے دل کا غبار ہلکا ہو گیا تو حضرت جیؒ نے میرے سر پر ہاتھ رکھا اور کہا کہ بیٹا احساس زیاں آدمی کے پاس بڑی متاع ہے آدمی کو گناہ کا احساس جب بھی ہو جائے تو وہ واپس آسکتا ہے۔ اور اگر احساس ہی مر جائے تو پھر یہ زندگی بے کار ہے زندگی کا جو وقت باقی رہ گیا ہے۔ اس کو اللہ کی یاد میں صرف کرو۔ اہل اللہ میں شامل ہو جاؤ۔ نماز کی پابندی کرو۔ حرام سے فرق کو پہچانو۔ پھر بڑی دیر تک مجلس میں دین کی باتیں ہوتی رہیں۔ میں جب رات کو دیر سے گھر پہنچا تو بہت بھوک لگی ہوئی تھی۔ کھانا مانگا تو بیوی نے کہا کہ جن کے پاس گئے تھے۔ کھانا بھی انہی سے مانگو۔ چنانچہ اس رات کو بھوکا ہی سونا پڑا۔ اگلے دو دن گھریلو ناچاقی کی وجہ سے حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکا۔ تیسرے دن حضرت جیؒ تانگے میں بیٹھ کر ائیر فورس کے ایک ساتھی سارجنٹ محمد اشرف کے گھر تشریف لے جا رہے تھے۔ میں اپنے لان میں بیٹھا پھول کی کیاریوں کی گوڈی کر رہا تھا کہ مجھے احسن بیگ نے کہا کہ حضرت جیؒ کے پیچھے پیچھے آجاؤ۔ میں سائیکل پکڑ کر حضرت جیؒ کے پیچھے پیچھے سارجنٹ محمد اشرف کے گھر پہنچ گیا۔ یہ میرا حضرت جیؒ کے ساتھ دوسرا ذکر تھا۔

اویسیہ سلسلے سے منسلک ہونے کے بعد میرے دونوں بڑے بھائی بھی میرے ساتھ شامل ہو گئے میرے چچا حکیم محمد حسین کے تین بیٹے، میرے سُسر اور خاندان کے دوسرے چند افراد کے سلسلے میں آجانے کے بعد واں بھچراں میں جماعت کی صورت پیدا ہو گئی۔ چچا محمد حسین جب بھی ملتے مجھے لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ پڑھنے کی ہدایت کرتے۔ انہیں یقین تھا کہ میں کسی شیطانی چکر میں پڑ گیا ہوں۔ ایک سال تک انہوں نے ہمیں بغور دیکھا۔ ایک دن وہ مجھے کہنے لگے کہ سمجھ میں نہیں آتا تم لوگ صحیح ہو یا غلط مگر میں نے دیکھا ہے کہ حضرت مولانا اللہ یار خان کے ساتھ لگ کر میرے بیٹے نیک ہو گئے ہیں۔ پہلے تو اُن کو نماز کی توفیق بھی نہیں ہوتی تھی۔ اب انہوں نے داڑھیاں رکھ لی ہیں۔ بُرے کام چھوڑ دیے ہیں۔ اور تہجد گذار ہو گئے ہیں۔ کہنے لگے مجھے بھی تم لطائف کراؤ۔ میں نے دو تین دن ان کو لطائف کرائے اس کے کچھ دنوں بعد مفتی غلام صمدانی واں بھچراں آئے اور حکیم چچا کو مسجد تک منازل کرا گئے۔ میرے بڑے بھائی غلام حسین نے مجھے لکھا کہ غضب ہو گیا۔ چچا تو ابھی متذبذب تھے۔ اور مفتی غلام صمدانی ان کو مسجد تک منازل کرا گئے ہیں۔ میں نے ان کو لکھا کہ ان کے کرائے ہوئے منازل میں شک مت کرو۔ تم ان کا مسجد تک خیال رکھا کرو۔ حضرت جیؒ نے چچا حکیم کو لکھا کہ وہ منارہ کے دورہ پر ضرور آئیں۔ وہ حضرت جیؒ کے حکم کے مطابق باول نخواستہ منارہ تو چلے گئے۔ مگر سوچتے بھی رہتے تھے کہ معلوم نہیں ان کو منازل بھی ہوئے ہیں یا نہیں۔ ایک دن مولوی محمد سلیمان جماعت کو معمول کرا رہے تھے۔ یہ جب سیر کعبہ پر پہنچے تو ان پر رقت طاری ہو گئی۔ روتے رہے اور غلاف کعبہ کو پکڑ کر دُعا کرتے رہے۔ جماعت تو مسجد نبوی تک پہنچ چکی تھی۔ مولوی محمد سلیمان نے مفتی غلام صمدانی سے پوچھا کہ کیا تم نے کبھی مقبول دُعا دیکھی ہے اگر دیکھنا ہے تو حکیم محمد حسین کی طرف دیکھو جو ابھی تک غلاف کعبہ کو پکڑ کر رو رو کر دُعا کر رہے تھے اور ان کی دُعا عرش

معلاً سے ٹکرا رہی تھی ۔ چچا نے مجھے بتایا کہ جب میں نے اپنی حالت کے متعلق مولوی محمد سلیمان کی زبانی سنا تو حیران رہ گیا کہ ان کو کیسے پتہ چل گیا ۔ حالانکہ ساری جماعت تو مسجد نبوی پہنچ ہوئی تھی ۔ اس کے بعد چچا کا دل بھی مطمئن ہو گیا ۔ اور وہ مکمل یقین کے ساتھ حضرت جیؒ کے ساتھ وابستہ ہو گئے ۔

میں خود شروع شروع میں کبھی حضرت جیؒ کی روحانی قوت کے متعلق سوچ میں پڑ جاتا تھا ۔ اس بارے میں میں نے سابقہ شیخ حضرت مولانا خان محمد (سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ کندیاں) کی خدمت میں خط ارسال کیا ۔ جس میں دلائل السلوک کے چند اقتباسات اور حضرت جیؒ کے کچھ حالات و واقعات جو میری نظر سے گذر چکے تھے ۔ ان کی خدمت میں لکھے ۔ انہوں نے جواب میں مجھے لکھا کہ :۔

"عزیزم ! مولانا اللہ یار خان سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے شیخ ہیں ان کے متعلق کوئی اویسیہ سلسلے کا آدمی ہی کلام کر سکتا ہے تم بہر حال ہمارے بتائے ہوئے وظائف باقاعدگی سے کرتے رہو۔"

اپریل ۱۹۷۰ء کے آواخر میں حضرت جیؒ کے ساتھ شریک سفر ہوا ۔ یہ سفر میں نے راولپنڈی سے کراچی تک کیا ۔ محمد یوسف اور بشیر حضرت جیؒ کے ساتھ رہے تھے ۔ خدمت کی ڈیوٹی میرے ذمہ تھی ۔

عصر کی نماز کے لیے وضو کرنے کی غرض سے حضرت جیؒ گاڑی کی لیٹرین میں گئے تو میں یوسف صاحب کے پاس آ بیٹھا اور ان سے پوچھا کہ میرے والدین فوت ہو چکے ہیں ۔ آپ مجھے ان کے برزخ کے حالات سے آگاہ کریں ۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ ماں تو نجات میں ہے مگر باپ گرفت میں ہے ۔ مجھے یقین نہیں آیا کیونکہ والد صاحب بہت ہی نیک شخص تھے ۔ پھر میں اُٹھ کر لیٹرین کی طرف چلا گیا ۔ حضرت جی جب باہر نکلے تو مجھے بتایا کہ جیسے ہی وہ اندر داخل ہوئے شیطان لعین نے پیچھے سے گندا گوشت کا ٹکڑا ان پر پھینک دیا ۔ جس سے قمیض ناپاک ہو گئی ۔ دھونے کی کوشش تو بہت کی ہے مگر داغ نہیں گیا ۔ نماز سے فارغ ہو کر جب حضرت جیؒ واپس اپنی سیٹ پر آ بیٹھے تو میں نے اپنے والدین کی برزخی حالت کے متعلق سوال کیا ۔ حضرت جیؒ کھڑکی سے باہر تھوڑی دیر کے لیے ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے رہے ۔ پھر فرمانے لگے کہ ماں تو ٹھیک ہے مگر والد عذاب میں ہے ۔ اب میرے لیے مان لینے سے چارہ نہیں تھا ۔ محمد یوسف نے حضرت جیؒ سے درخواست کی کہ دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ ان کے والد کا عذاب دور فرمائے ۔ حضرت جیؒ نے دعا فرمائی اور میرے والد کا قبر کا عذاب ختم ہو گیا ۔ اس کی تصدیق کچھ دنوں بعد رسالپور میں کیپٹن زین العابدین نے کی ۔ وہ میرے گھر میں بیٹھے تھے میں نے ان سے درخواست کی کہ وہ میرے والد کی برزخی حالت کے متعلق مجھے بتائے ۔ وہ کشف کی باتیں بتانے سے اکثر احتراز کرتے تھے ۔ بڑی مشکل سے ان کو راضی کیا ۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ چونکہ میرے والد کی قبر سے واقف نہیں تھے لہذا میں ان کی رہنمائی کروں ۔ چنانچہ میں نے ان کو کہا کہ چلو میرے والد کی قبر پر ۔ میں اس کا امتحان لینے کے لیے گھنڈی (کندیاں) کے قبرستان میں ایک قبر پر خیال کر کے بیٹھ گیا ۔ اس نے جب صاحب قبر کو دیکھا تو آنکھیں کھول دیں کہ صاحب قبر تو کہتا ہے کہ میں اس کا والد نہیں ۔ میں نے اس کا حلیہ پوچھا تو انہوں نے صحیح بتایا ۔ پھر میں نے اس سے پوچھا کہ دیکھو اس قبرستان میں کوئی پانچ لطائف والا آدمی ہے تو اُس نے مجھے بتایا کہ ہاں ایک معمر بزرگ ہے جس کے پانچ لطائف ہیں ۔ (یہ مولانا احمد خانؒ خانقاہ سراجیہ کندیاں کا مرید تھا) میں نے کہا کہ اس سے پوچھو کیا یہ مجھے جانتا ہے ۔ اس کے جواب میں اس بزرگ نے میری بغل پر ہاتھ لگایا ۔

زین العابدین کہنے لگے ۔ مجھے سمجھ نہیں آئی کہ یہ ایسا کیوں کر ہوا ہے ۔ میں نے اسے بتایا کہ میں سات سال کا تھا کہ مجھے میری اماں اس بزرگ کے پاس دم کرانے لے آئی تھی ۔ اس نے کچھ پڑھ کر میری بغل میں ہاتھ پھیرا تھا ۔ اس کے بعد وہ فوت ہو گیا ۔ یہی اس کی مجھ سے پہلی اور آخری ملاقات تھی ۔ اس واقعہ سے حضرت جیؒ کی یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ صاحب قبر کی کسی کے ساتھ ایک ملاقات بھی ہوئی ہو تو وہ اس کو یاد رکھتا ہے ۔ پھر میں نے زین العابدین سے پوچھا کہ کیا کوئی قلب والے بھی ادھر ہیں تو وہ کہنے لگے کہ سات شخص ایک قطار میں کھڑے ہو گئے ہیں ۔ آخری آدمی نے اپنا منہ ڈھانپا ہوا ہے ۔ میں نے اس کو بتایا کہ یہ علاؤ کا قریشی خاندان ہے ۔ اس آخری آدمی کو میں جانتا ہوں ۔ یہ گھنڈ والا مولوی مشہور تھا ۔ مسجد کے علاوہ کسی جگہ اپنا گھنڈ نہیں کھولتا تھا اور میں بچپن میں اس کے پیچھے نماز پڑھ چکا ہوں ۔ اس کے بعد میں اس کو اپنے والد کی قبر (اوچھالہ ۔ وان بھچراں) پر لے گیا ۔ وہ مجھے کہنے لگا کہ یہاں تو تمہاری ماں کی قبر بھی ہے ۔ میں نے پوچھا

کہ تھیں کیسے معلوم ہو گیا۔ وہ کہنے لگا کہ مَیں نے آپ کے ماں باپ کو ایک ساتھ دیکھا ہے تو تمھارے والد نے مجھے بتایا کہ یہ غلام محمد کی ماں ہے۔ میں حیران ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے کیسا زبردست کشفِ قبور اس شخص کو عطا کیا ہے۔ سینکڑوں میل دور بیٹھ کر سب کچھ صحیح بتا رہا ہے۔ پھر مَیں زین العابدین کو مولانا حسین علیؒ کی قبر پر لے آیا اور ان سے پوچھا کہ حضرت آپ کیسے شاگرد اور مجھے جانشین پیچھے چھوڑ آئے ہیں؟ زین العابدین نے مجھے بتایا کہ مولانا حسین علیؒ نے اس سوال پر گردن جھکا لی ہے۔ پھر مَیں زین العابدین کو خانقاہ سراجیہ حضرت مولانا احمد خانؒ کے پاس لے گیا زین العابدین نے مجھے بتایا کہ یہ شخص فنا فی الرسول ہے۔ مولانا عبداللہ کے منازل ان سے نیچے ہیں۔ مولانا عبداللہ نے زین العابدین کو کہا کہ اپنے شیخ المکرم کو کہو کہ ہمارے جانشین خان محمد کو بھی سلوک طے کرائیں۔

اکتوبر ۱۹۷۰ء میں حضرت جیؒ میرے ہاں رسالپور تشریف لائے آتے وقت راستے میں زین العابدین کی کار کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ جس میں حضرت جی زخمی ہو گئے۔ اسی وجہ سے دس کی بجائے سولہ روز قیام کیا۔ وضو نہیں فرما سکتے تھے۔ تیمم کرتے رہے۔ جن اینٹوں سے تیمم فرماتے وہ میرے پاس محفوظ ہیں۔ اور مَیں نے وصیت کی ہے کہ یہ اینٹیں میری قبر میں لگائی جائیں) اس قیام کے دوران ایک روز مفتی غلام صمدانی بشیر کے ساتھ رسالپور سے نوشہرہ گئے۔ جب واپس آئے تو بشیر نے حضرت جیؒ سے درخواست کی کہ دوران سفر مفتی غلام صمدانی نے اس زور سے چیخ ماری کہ سب لوگ ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اب بتاتے نہیں کہ بات کیا ہے۔ حضرت جیؒ نے مفتی غلام صمدانی سے کہا کہ آپ ان کو تمام واقعہ بتا دیں۔ مفتی غلام صمدانی نے بتایا کہ جب وہ بس میں سوار ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ بس میں سب سے آگے جو گول گول قسم کی چیز ہوتی ہے جس کے پیچھے ڈرائیور بیٹھتا ہے اس کے ساتھ ایک بندر چمٹا ہوا ہے۔ کبھی اس کو دائیں گھماتا ہے اور کبھی بائیں۔ ڈرائیور کی یہ روحانی شکل دیکھ کر میری چیخ نکل گئی۔ حضرت جیؒ کی اس مجلس میں پروفیسر محمد اسلم بھی موجود تھے۔ پروفیسر محمد اسلم کورآف انجینئر کے مانے ہوئے ریاضی کے استاد تھے۔ اور ان کی THIRD DIMENSION تھیوری بہت مشہور تھی جس سے وہ اللہ کی ہستی اور فرشتوں کے وجود کو ثابت کیا کرتے تھے انہوں نے حضرت جیؒ سے سوال کیا کہ کیا یہ سچ ہے کہ نیل آرمسٹرانگ چاند پر پہنچ گیا ہے؟ حضرت جیؒ نے فرمایا کہ چلو اسی آدمی سے پوچھ لیتے ہیں۔ جو سٹیرنگ کو گول گول کہتا ہے۔ پھر حضرت جیؒ نے مفتی غلام صمدانی سے کہا کہ وہ ان کے قلب پر خیال کرے۔ اور انوار جس جگہ جا رہے ہیں اس جگہ کی تفصیل بتانا شروع کر دے۔ مفتی غلام صمدانی نے نیل آرمسٹرانگ کا پورا سفر اور وہ جگہ جہاں وہ پہنچے تھے پوری تفصیل سے دیکھ کر بتائے۔ پروفیسر محمد اسلم حیران تھے کہ ایک کم تعلیم یافتہ آدمی ایسی ایسی تفصیلات بتا رہا تھا جو خلا باز نے خود بھی واپس آ کر بیان نہیں کی تھیں!

> اسلامی عقائد، فقہی جزئیات اعمال، اخلاق اور عبادات اسلام کا قالب ہیں۔ مگر اس کا قلب اور روح اخلاص و احسان یعنی تصوف ہے۔

اس واقعہ کے بعد پروفیسر محمد اسلم حضرت جیؒ کا اتنا گرویدہ ہوا کہ وہ ہم سب کو اپنے گھر لے گیا اور اپنے سب بچوں کو حضرت جیؒ کی خدمت میں لے آیا۔ کہ آپ ان کو بیعت کریں حضرت جیؒ نے ان کو بتایا کہ میں روایتی پیر نہیں ہوں۔ میں ایک روحانی معلم ہوں ظاہری بیعت پر یقین نہیں رکھتا۔ اپنے شاگردوں کی روحانی تربیت کر کے دربارِ نبوی میں روحانی بیعت کے لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر بیعت کراتا ہوں پھر جب چائے آئی تو اس کے ساتھ کھانے کی کچھ چیزیں بھی تھیں حضرت جیؒ نے صرف ایک چیز کھائی اور فرمایا کہ باقی بازار سے لائی گئی ہیں لہٰذا میں نہیں کھاتا۔ پروفیسر محمد اسلم نے عرض کی کہ یہ چیز میری بیٹی نے بنائی ہے جو پابند صلوٰۃ ہے۔ باقی چیزیں واقعی بازار سے منگائی گئی ہیں۔

رسالپور میں حضرت جیؒ کے اسی قیام کے دوران ایک عجیب بات واضح ہوئی۔ ایک روز مَیں مولوی محمد سلیمان کے ساتھ کھڑا تھا۔ وہ وضو کر رہے تھے۔ گھر کی پچھلی جانب آٹھ سرونٹ کوارٹر تھے۔ ان میں سے دو کوارٹرز میں نے ایک غریب ٹانگے والے بوڑھے کوچوان کو دے رکھے تھے۔ اس کی بیوی اور بیٹی میرے گھر میں کام کرتی

تھیں۔ مولوی محمد سلیمان کی نظر جب غیر آباد کوارٹروں پر پڑی تو کہنے لگے "دُر دُر۔ یہ کیا بلائیں پال رکھی ہیں"، کہنے لگے کہ ایک جن کھڑکی میں سے سر نکال کر ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر یہ بھاگ کر کوچوان کی گھوڑی میں گھس گیا۔ وہ لیٹ گئی۔ میرا بیٹا بین محمد ذاکر ہمارے ساتھ کھڑا تھا۔ وہ کہنے لگا عجب سے حضرت جیؒ یہاں تشریف لائے ہیں۔ کوارٹر میں موجود تمام افراد اور گھوڑی گرفت میں ہیں۔ مولوی محمد سلیمان نے ہمیں بتایا کہ حضرت جیؒ کے قلب کے انوارات پورے محلے کو منور کر دیتے ہیں۔ زمین، مکانات، درخت وغیرہ سب بے حد منور ہو جاتے ہیں۔ جہاں جنات کے لیے رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا یہ جاندار اشیاء یعنی انسانوں اور حیوانوں میں پناہ لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کے جنات نے آپ کے کوارٹروں کے بے دین افراد اور گھوڑی میں پناہ لے رکھی ہے۔ پھر جیسے ہی حضرت جی میرے گھر سے تشریف لے گئے وہ سب تندرست ہو گئے۔

حضرت جیؒ جب پہلی بار حج کے لیے تشریف لے گئے تو

میں بھی کراچی تک ساتھ گیا۔ جب حضرت جیؒ حج کر کے واپس لوٹے تو تمام اکابر ساتھی کراچی میں موجود تھے۔ ایئرپورٹ سے جب حضرت جیؒ باہر آئے تو آپ کے بدن پر رنگدار کھدر کے کپڑے تھے۔ میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ اگر حضرت جیؒ یہ خلعت مجھے عطا کریں گے تو میرا کام بن جائے گا۔ مسجد طوبیٰ کے قریب نیوی کوارٹرز میں حضرت جی کا قیام تھا۔ تمام اکابر ساتھیوں نے ان کپڑوں کی خواہش حضرت جیؒ کے سامنے ظاہر کی مگر وہ خاموش رہے۔ رومال بھی بدل لیا۔ تسبیح بھی دے دی مگر کپڑے کسی کو نہیں دیے۔ مجھے اپنی خواہش ظاہر کرنے کی ہمت ہی نہیں پڑی کیونکہ میں بالکل مبتدی تھا۔ واپسی پر چکوال کے ساتھیوں نے حضرت جیؒ کے کپڑے غائب کر دیے کہ کہیں حضرت جی اپنے یہ کپڑے بدل کر کسی اور کو نہ دے دیں۔ جب جہلم کے ریلوے سٹیشن پر اُترے تو حافظ غلام قادری نے ایک قریبی مسجد میں عارضی قیام وطعام کا بندوبست کیا ہوا تھا۔ سامان وغیرہ رکھ کر جب ساتھی باہر نکلے تو مسجد میں صرف حضرت جیؒ اور میں رہ گئے۔ حضرت جیؒ نے مجھے فرمایا کہ کوئی دھوتی لے آؤ۔ میں کسی ساتھی کی دھوتی اُٹھا کر لے آیا اور حضرت جی کو دے دی۔ حضرت جی نے دھوتی باندھ لی اور شلوار قمیص اتار کر مجھے دے دی اور فرمایا کہ ان کی خواہش سب سے پہلے ایئرپورٹ پر تم نے کی تھی۔ لہٰذا یہ میں تمہیں دیتا ہوں۔ ساتھی جب تھوڑی دیر بعد واپس آئے تو دیکھا کہ حضرت جیؒ صرف دھوتی باندھ کر تشریف فرما ہیں۔ فوراً کہیں سے نکال کر حضرت جی کے کپڑے لے آئے۔ (حضرت جیؒ کے یہ کپڑے میرے پاس محفوظ ہیں اور مجھے اپنے شیخ المکرم کی عطا اور کشفِ قلوب کی یاد دلاتے رہتے ہیں)۔

سلامت پورہ گلی نمبر ۶ مکان نمبر ۴ مولانا فضل حسین کے گھر کا پتہ تھا۔ مولانا فضل حسین کے پاس حضرت مولانا فضل علی قریشیؒ کا خرقہ تھا۔ مولانا فضل علی قریشیؒ، مولانا حسین علیؒ (واں بھچراں) اور مولانا احمد خانؒ (خانقاہ سراجیہ کندیاں کے بانی شیخ المکرم) کو ایک ساتھ خرقہ ملا تھا۔ ان تینوں اصحاب کا تعلق نقشبندیہ مجددیہ سلسلے سے تھا۔ مولانا فضل حسین لاہور کے مستند پیر تھے ان کے مریدین کی تعداد ہزاروں میں تھی۔ نہایت خوشحال تھے۔ گاڑی تھی، مکان تھا۔ ٹرانسپورٹ چلتی تھی۔ مولانا فضل حسین نے حضرت جی کو خط لکھا کہ ان کے شیخ نے ان کو حقیقت صلوٰۃ تک منازل کرائے تھے۔ اب وہ حیات نہیں لہٰذا مزید سلوک طے کرنے کے لیے آپ کی رہنمائی چاہتا ہوں۔ حضرت جیؒ نے ان کو لکھا کہ وہ کراچی جانے کے لیے لاہور آئیں گے تو آپ مجھے مل لیں۔ مولانا فضل حسین اپنے تمام مریدین کے ساتھ لاہور ریلوے سٹیشن پر پہنچے اور حضرت جیؒ کو اپنے گھر سلامت پورہ لے گئے۔ حضرت کے ساتھ گفتگو کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ انہوں نے تو مخلوق کو اب تک دھوکے میں رکھا۔ ان کی تو روحانی بیعت ہی نہیں لہٰذا انہوں نے برسرِ عام اعلان کیا کہ اب تک وہ خود کامل صوفی نہیں تھے اور جو لوگ ان کے ساتھ رہے وہ بھی دھوکے میں رہے۔ لہٰذا آج کے بعد حضرت مولانا اللہ یار خان ان کے پیر و مرشد ہیں جس کا جی چاہے ہمارے ساتھ رہے جس کا جی چاہے چھوڑ کر چلا جائے۔ یہ اعلان سننے کے بعد مریدین کی اکثریت چھوڑ کر چلی گئی۔ ۱۹۷۱ء کی جنگ کے دوران میں واہگہ سیکٹر میں تعینات تھا۔ ہر ہفتے باقاعدہ مولانا فضل حسین کے پاس ذکر کے لیے حاضری دیتا۔ میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ جب جنگ ۱۹۷۱ء کے فوراً بعد حاضر ہوا تو شام کو مولانا فضل حسین سائیکل پر گھر واپس آئے۔ مغرب کے بعد ذکر کرایا اور عشاء کے بعد کچھ دیر بات چیت کرنے کے بعد لیٹ گئے کھانے وغیرہ کا کچھ نہیں پوچھا۔ علی الصبح اُٹھ کر نوافل کے بعد ذکر کرایا اور فجر کی نماز سے جب فارغ ہوئے تو مجھے کہنے لگے کہ افسوس ہے کہ میں آپ لوگوں کی کچھ خدمت نہیں کر سکا۔ حقیقت یہ ہے کہ گھر میں دو دن سے فاقہ ہے اور کھانے کو کچھ نہیں۔ پھر انہوں نے

سارا واقعہ اولیسیہ سلسلے میں آنے کا اور یہاں تک ان کی حالت پہنچنے کا مجھے سنایا۔ اب ان کی حالت یہ تھی کہ ایک ورکشاپ میں جو سلامت پورہ سے تیرہ میل دُور تھی ملازمت کرتے تھے۔ سائیکل پر تیرہ میل جاتے اور سائیکل پر واپس آتے۔ یہ حالت سُن کر میں حیران رہ گیا۔ میں سیدھا یونٹ پہنچا۔ گاڑی میں خورد و نوش کی چیزیں رکھوائیں اور واپس سلامت پورہ آ گیا۔ مجھے دیکھ کر مولانا فضل حسین خوش نہیں ہوئے۔ کہنے لگے میں نے اپنے حالات آپ کو اس لیے تو نہیں بتلائے تھے۔ میں نے کہا کہ حضرت اس دفعہ قبول کر لیں آئندہ ایسا نہیں ہو گا۔ اس کے بعد جب میں نے مولانا فضل حسین کے یہ حالات حضرت جیؒ کو بتائے تو وہ فرمانے لگے کہ ایسا مخلص شخص پیروں میں میں نہیں دیکھا۔ اس شخص نے اپنا سب کچھ مجھ پر قربان کر دیا۔ پھر مارچ ۱۹۷۲ء میں ڈاکٹر ریاض کے ہاں گلبرگ میں حضرت جی کا قیام تھا۔ مولانا فضل حسین آ کر ملے تو حضرت جی نے خیر خیریت دریافت کی تو مولانا فضل حسین رو پڑے۔ کہنے لگے اور تو کسی چیز کے جانے کا دکھ نہیں مگر ڈر لگتا ہے کہ کہیں آپ کا تعلق ہاتھ سے نہ جاتا رہے۔ حضرت جی نے تسلّی دی کہ حالات ہمیشہ ایک جیسے نہیں رہتے۔ جس کی جتنی ہمت ہوتی ہے اسی قدر اس پر اللہ تعالیٰ بوجھ ڈالتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے دن بدلے وہ ابوظبی چلے گئے۔ بچوں کو بھی وہیں بلا لیا۔ جب آخری دنوں میں بیمار پڑے تو کمپنی نے پیش کش کی ان کا علاج جس ملک سے وہ چاہیں کرایا جا سکتا ہے۔ مولانا فضل حسین نے پاکستان آنے کو ترجیح دی۔ اور اپنے شیخ المکرم کے قدموں میں اپنی جان اللہ کے سپرد کر دی۔

۲۹ دسمبر ۱۹۷۲ء کو عشاء کے بعد مولانا شمس الحق افغانی کے پاس بہاولپور میں ان کی رہائش گاہ پر حاضر ہوا۔ میں وردی میں تھا۔ چولستان سے ڈیڑھ سو میل کا سفر کر کے ان کے پاس حاضر ہوا تھا پہلے تو انہوں نے دیکھا تو کہنے لگے کہ جنرل اقبال کا گھر ساتھ والا ہے۔ میں نے کہا کہ حضرت میں ان کو نہیں آپ کو ملنے آیا ہوں انہوں نے مجھے بٹھایا اور وجہ پوچھی۔ میں نے ان کی خدمت میں عرض کی کہ میں تو ان کی خدمت میں سلوک سیکھنے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں۔ چاروں سلاسل کے مشائخ کی کتابیں میں پڑھ چکا ہوں۔ منازل سلوک کا مطالعہ کیا ہے۔ راہ سلوک پر چلانے والے کی تلاش میں سرگردان پھر رہا ہوں۔ آپ کے پاس بڑی امید سے کر حاضر ہوا ہوں۔ آپ حضرت ضرور میری رہنمائی فرمائیں۔ مولانا افغانی نے کچھ دیر کے توقف کے بعد فرمایا کہ آپ چالیس دن مسلسل دو ہزار مرتبہ استغفار، دو ہزار مرتبہ درود شریف اور تین ہزار مرتبہ نفی اثبات کا وظیفہ کریں۔ اگر کسی دن ناغہ ہو جائے تو اس کے بعد سے چالیس دن کا شمار کریں۔ چالیس دن کے بعد مجھے بذریعہ خط یا خود حاضر ہو کر قلبی کیفیت بیان کریں، اگلا سبق اس کے بعد شروع ہو گا۔ میں نے واپس آ کر حضرت کو سارا واقعہ بتایا۔ حضرت جی فرمانے لگے کہ انہوں نے آپ کو ٹالا ہے۔ یہ وظائف تو انہوں نے اپنا بھرم قائم رکھنے کے لیے بتائے۔ وہ جانتے ہیں کہ ہر روز یہ وظیفہ کرنے کے لیے پانچ گھنٹے چاہئیں۔ اور وردی والے آدمی کو پانچ گھنٹے فرصت کب مل سکتی ہے تم ایک دن وظیفہ کرو گے دو دن کرو گے۔ پھر ناغہ ہو جائے گا۔ پھر سوچنے رہو گے کہ یہ معمولی سا عام وظیفہ میں نہیں کر سکا۔ شرمندگی کی وجہ سے اول تو ان کے پاس جاؤ گے نہیں اور چلے بھی گئے تو دوبارہ سلوک کا نام نہیں لو گے۔ ان کی شخصیت بھی قائم رہے گی۔ اور سلوک بھی سکھانا نہیں پڑے۔ کس کے پاس وظائف کے لیے وقت ہے اسی لیے جو آتا ہے ہم تو لطائف سے ہی شروع کرا دیتے ہیں۔ اگر استعداد ہوئی تو چل پڑے گا نہیں تو خود بخود چھوڑ جائے گا۔

میرا ایک دوست بچپن سے نیکوکار آدمی تھا۔ اس نے جنرل اکرم کی لکھی ہوئی کتاب "سیف اللہ" (SWORD OF ALLAH) پڑھی۔ اس کے بعد وہ زنا کی طرف راغب ہو گیا۔ میں حضرت جی کے ساتھ کراچی میں تھا تو میں نے یہ کتاب بازار سے خریدی۔ میں اس الجھن میں تھا کہ مصنف نے اس موضوع کا انتخاب کیوں کیا۔ حالانکہ وہ شیعہ مسلک کا آدمی ہے اور اس کے نزدیک تو ذوالفقار حضرت علیؓ ہیں۔ پھر حضرت خالدؓ کو اللہ کی تلوار کے طور پر موضوع بنا کر کیوں کتاب لکھی۔ کتاب پڑھی تو معلوم ہوا کہ یہ بدنیتی پر مبنی ہے۔ کتاب میں حضرت خالدؓ اور حضرت عمرؓ کی جا بجا کردار کشی کی گئی ہے اور ہم سُنیوں کو بتایا گیا ہے کہ یہ ہیں تمہارے ہیروز کے اصلی رُوپ۔ ایک جنگ و جدل کا ہیرو۔ اور دوسرا عدل کا۔ میں نے جب حضرت جیؒ کو اس کتاب کے متعلق بتایا تو انہوں نے فرمایا کہ اس کتاب کا تفصیل سے مطالعہ کرو۔ اور قابلِ اعتراض صفحات کی نشاندہی کرو۔ اس کا رد لکھیں گے۔ ان کے حکم کی تعمیل میں میں کوئٹہ میں قاری یار محمد کی مسجد میں بیٹھا یہ کتاب پڑھ رہا تھا۔ حجرے میں حضرت جیؒ تشریف رکھتے تھے۔ یہ کوئی اشراق

کے بعد کا وقت تھا۔ ایک صاحب مسجد میں داخل ہوئے جب میرے پاس آئے اور مجھے انگریزی کی کتاب پڑھتے دیکھا، تو آگ بگولا ہو گئے۔ کہنے لگے تم مولویوں کو کیا ہو گیا ہے۔ لوگوں کو قرآن کا وعظ کرتے ہو اور خود مسجدوں میں انگریزیاں پڑھتے ہو۔ بند کرو یہ ناٹک میں نے کتاب پڑھنا بند کر دی اور وہ جا کر حضرت جیؒ کی مجلس میں بیٹھ۔ کچھ دیر بعد جب میں اندر پہنچا تو اُس نے حضرت جی سے شکایت کی کہ یہ مولوی مسجد میں انگریزی کتابوں کا مطالعہ کرتا ہے حضرت جی نے ان کو میرا تعارف کرایا اور ساری بات بتائی تو وہ مطمئن ہو گئے۔

۱۹۷۴ء کے جن دنوں میں منارہ کا سالانہ اجتماع تھا میں اس وقت کوئٹہ انفنٹری سکول میں کمپنی کمانڈر کورس کر رہا۔ چھٹی نہ ملنے کی وجہ سے اجتماع میں شامل نہ ہو سکا۔ اجتماع کے آخری ایام میں میں نے حضرت جی کو ایک عریضہ تحریر کیا جس میں میں نے اپنی محرومی کا اظہار کیا اور دُعا اور توجہ خاص کی درخواست کی جواب میں حضرت جیؒ نے بہت ہی حیران کُن خبر سنا دی کہ تمہیں سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے نو منتخب مجازوں میں جگہ مل گئی ہے اب تم صاحب مجاز ہو اور صاحب منصب بھی۔ پھر جب میں تعمیل حکم میں خرقہ لینے کے لیے چکڑالہ حاضر ہوا تو حضرت جی نے بہت شفقت فرمائی اور بتایا کہ مجازوں ابتدائی فہرست جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش ہوئی۔ اس میں تمہارا نام نہیں تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فہرست میں سے کچھ نام کاٹ دیے اور تمہارا نام لکھ دیا۔ اس کے بعد سے حضرت جی قبلہ عالم مجھ سے بہت پیار کرتے تھے۔

ملتان غوث بہاؤالدین ذکریاؒ کے نام کی وجہ سے مشہور ہے۔ حضرت غوث بہاء الدین سہروردی سلسلہ کے بزرگ ہیں اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے شاگرد ہیں۔ ہم نے بھی اپنا جمعرات کا معمول ان کے ہاں رکھا۔ اس کے علاوہ بھی اکثر و بیشتر میں اور حاجی محمد اسلم کنبوہ حضرت غوث صاحب کے مزار پر حاضری دیتے۔ اوائل ۱۹۷۶ء تک حضرت جیؒ نے ملتان کے ریلوے سٹیشن سے گزر جانے پر ہی اکتفا کیا۔ مجھے ملتان پہنچے ایک سال ہو گیا تھا جب بھی حضرت غوث صاحب کے ہاں حاضری ہوتی وہ حضرت جیؒ کے ملتان آنے کا مطالبہ کرتے رہیں تے دبے لفظوں میں حضرت جیؒ کی خدمت میں درخواست پیش کی تو انہوں نے قبول کر لی اور فرمایا کہ واقعی ان کا شکوہ صحیح ہے۔ پھر حضرت جیؒ ملتان تشریف لے آئے۔ حضرت مولانا محمد اکرم بھی ساتھ تھے۔ حضرت جیؒ نے غوث بہاءالدین ذکریاؒ کے مزار پر حاضری کا پروگرام بنایا۔ وہاں پر موجود جماعت بھی ساتھ گئی۔ غوث بہاءالدین ذکریاؒ کو بالا منازل کرائے گئے۔ اس کے بعد جب حضرت جیؒ واپس ہو رہے تھے تو کسی ساتھی نے حضرت جی سے کہا کہ حضرت رکن عالم بھی ملاقات کی درخواست کر رہے ہیں۔ حضرت جیؒ مسکرا دیے اور کہا کہ چلو۔ پھر کچھ دیر وہاں مراقبہ فرمایا۔

۱۹۷۱ء کی جنگی قیدیوں کی واپسی کے بعد جماعت میں بہت اضافہ ہو گیا۔ مولوی محمد سلیمان نے معمولات میں دو چیزوں کا اپنی طرف سے اضافہ کر دیا۔ عصر کے بعد ذکر جہر اور مراقبہ استحضار۔ چونکہ حضرت جیؒ نے کبھی یہ نہیں کرائے تھے۔ اس لیے مجھے بہت کوفت ہوتی تھی۔ مگر میں ان کے گروہ میں بیٹھا تو رہتا مگر کڑھتا رہتا۔ مولوی محمد سلیمان نے قریب قریب سب ذکر کرنے والوں کو ہدایت کر رکھی تھی کہ وہ عصر کے وقت ذکر جہر کرایا کریں۔ ملتان میں میں یہ ذکر نہیں کراتا تھا۔ اس بات کا علم جب مولوی محمد سلیمان کو ہوا تو وہ اور بشیر ایک دن منارے کے اجتماع کے دوران مجھے ایک طرف لے گئے۔ اور سختی سے ڈانٹا۔ کہنے لگے۔ تم اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہو۔ تمہاری مجازیت ہم ایک منٹ میں ختم کرا سکتے ہیں۔ لہٰذا آج کے بعد ترقی منازل کے لیے عصر کے وقت کا ذکر جہر اور مراقبہ استحضار باقاعدگی سے کیا کرو۔ میں خاموش ہو گیا۔ دو سال تک مولوی محمد سلیمان مجھ سے ناراض رہے۔ مجھے ان کی طرف سے ڈر لگا رہتا تھا۔ کہ کہیں واقعی حضرت جیؒ کو کہہ کر مجھے جماعت سے نہ نکلوا دیں۔ حضرت جیؒ حاجی الطاف کے گھر قیام پذیر تھے۔ کھانا کھانے کے لیے جب سب لوگ باہر چلے گئے تو میں نے حضرت جیؒ کے پاؤں پکڑ لیے اور رونے لگا۔ حضرت جی نے مجھ سے پوچھا کیا بات ہے۔ جواب میں میں نے مولوی سلیمان کا سارا واقعہ بتایا اور عرض کی کہ وہ مجھے جماعت سے نکلوانے پر تلے ہوئے ہیں۔ میں نے حضرت جیؒ سے درخواست کی کہ وہ حجت کے طور پہ ایک دفعہ ذکر جہر اور مراقبہ استحضار کرا دیں۔ پھر ہم اس کو اپنے معمولات کا حصہ بنا لیں گے حضرت جیؒ نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تم نے یہ اذکار آج تک نہیں کیے میں نے جواب دیا میرے شیخ نے جو اذکار نہ کرائے ہوں میں دوسروں کے کہنے سے کیسے کر سکتا ہوں۔ حضرت جیؒ بہت خوش ہوئے، فرمانے لگے۔ وہ تم کو کیا نکالے گا۔ وہ تو خود جماعت سے نکل گیا ہے۔ پھر

انہوں نے اپنے سرہانے کے نیچے سے کتاب نکال کر مجھے دی اور کہا کہ اس نے تو دلائل السلوک کے مقابلے میں کتاب بھی لکھ دی ہے حیرانی ہے ایسے شخص کی عقل پر۔

مارچ ۱۹۸۱ء میں حضرت جیؒ جب ملتان تشریف لائے تو ڈنر کے لیے بریگیڈیر خادم حسین اور چائے کے لیے میجر جنرل حمزہ کی دعوت کو بھی قبول فرمایا۔ یہ دونوں افسر آرمی میں اپنی شرافت اور نیکی کی وجہ سے منفرد مقام رکھتے تھے۔ ۸۲ء میں میری پوسٹنگ ناردرن ایریا میں ہوگئی تو جنرل حمزہ نے وہاں کے کمانڈر میجر جنرل کو میرے بارے میں خط لکھا۔ مئی ۱۹۸۲ء کے تیسرے ہفتے میں حضرت جیؒ کا گلگت کا دورہ تھا۔ ۱۷ مئی کو رات ڈھاسو میں تھی اور ۱۸ مئی کو دن کا کھانا میرے ہاں جگلوٹ میں تھا۔ مگر خلافِ توقع حضرت جیؒ ڈھاسو کو نظر انداز کر کے شام ۱۷ مئی کو ہی میرے ہاں جگلوٹ پہنچ گئے۔ سفر سے کافی نڈھال نظر آتے تھے میں نے فوراً رسول میر کو اطلاع کی اور پھر ہم دونوں نے مل کر حضرت جی کے مختصر سے قافلے کا رات کا رہائش کا بندوبست سے کیا۔ اگلے روز صبح دس بجے ۹۰ لائٹ کی جیپ مجھے لینے آ گئی۔ کہ جنرل صاحب اُدھر آئے ہوئے ہیں اور چائے پر تمہیں بلایا ہے ہیں۔ میں نے اپنے کرنل کو بتایا کہ میں جنرل صاحب سے ملنے نہیں جا سکتا۔ کیونکہ میرے شیخ المکرم اِدھر تشریف رکھتے ہیں ان کو چھوڑ کر میں کسی کے پاس نہیں جا سکتا۔ میرے کرنل نے مجھے کہا کہ خدا کے لیے میری نوکری خراب مت کرو۔ تمہاری غیر موجودگی میں تمہارے مرشد کے پاس بیٹھتا ہوں اور وہ اپنے بوٹ اتار کر حضرت جیؒ کے پاس آ بیٹھا۔ مگر میں نے نہ جانا تھا نہ گیا۔

جب خالی جیپ واپس وہاں پہنچی تو جنرل صاحب نے اس کا بُرا منایا۔ جو بعد میں مجھے وہاں پر موجود دیگر افسران کی زبانی معلوم ہوا۔ بعد ازاں حضرت جیؒ نے مجھے بتایا کہ تمہارے کرنل کے اندر خلوص نظر نہیں آیا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت وہ عقیدت کی وجہ سے آپ کی خدمت میں نہیں آیا تھا وہ تو محض مجھے جنرل وڑائچ کے پاس بھیجنے کی خاطر میری جگہ پُر کرنے کے لیے آیا تھا۔ حصولِ فیض میں وہ یقین ہی نہیں رکھتا۔

۱۹۸۳ء کا سالانہ اجتماع منارہ ۲۵ جولائی سے لے کر ۲ ستمبر تک تھا۔ اس دفعہ میں نے دو ماہ کی رخصت لی اور شروع ہفتے میں دارالعرفان پہنچ گیا۔ حضرت جی اپنے بیٹے اور بھائی کی وجہ سے بہت پریشان تھے۔ آئے دن گھر سے قاصد دارالعرفان جا کر حضرت جی کی پریشانی میں اضافہ کر رہے تھے۔ ایک روز حضرت جیؒ نے مجھے طلب کیا اور فرمایا کہ تم چکڑالہ چلے جاؤ اور وہاں کے دفاع کی ڈیوٹی سنبھال لو اور اپنے ساتھ چھ سات آدمی بھی لے جاؤ اور ان کو ایک ہفتے کے بعد واپس بھیج دینا۔ میں یہ آدمی لے کر چکڑالہ پہنچ گیا اور مرشد آباد والی زمین پر مورچہ سنبھال لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری مدد کی اور کسی کو زمین پر قبضہ کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ ہر ہفتے دارالعرفان سے مجھے نئی کمک پہنچتی رہی۔ جب منارہ کا اجتماع ختم ہو گیا تو حضرت جیؒ واپس چکڑالہ تشریف لے آئے اور مجھے بدستور اسی جگہ رہنے کا حکم سنایا۔ عیدالضحیٰ سے دو روز قبل حضرت جیؒ نے مجھے جانے کی اجازت فرمائی۔ میں رخصت ہونے کے لیے حضرت جی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت جی گھر سے باہر دیوار کے سائے میں تشریف فرما تھے سری لنکا کا رضا قریش میرے ساتھ تھا۔ ہم دونوں حضرت جیؒ کے پاس نیچے بیٹھ گئے۔ حضرت جی نے پوچھا جا رہے ہو۔ میں نے عرض کیا جی۔ اسی طرح بیٹھے بیٹھے گھنٹے گزر گئے یہاں تک کہ دیوار کا سایہ ختم ہونے لگا۔ اور حضرت جیؒ کی چارپائی پر آدھی دھوپ آگئی تھی۔ گرمی کی وجہ سے تھوڑا تھوڑا پسینہ بھی آنے لگا۔ اب حضرت جی نے مجھے جانے کی اجازت فرمائی اور وہ چارپائی سے اُٹھ کھڑے ہوئے میں حضرت سے ملا اور حضرت کے پاؤں پر گر پڑا۔ میں نے حضرت جی کے دونوں پاؤں پکڑ کر عرض کیا کہ حضرت زندگی کا پتہ نہیں کہ پھر ملاقات ہو کہ نہ ہو۔ مجھ سے کوئی کوتاہی ہوئی ہو تو آپ مجھے معاف فرما دیں۔ حضرت جیؒ آپ مجھ سے راضی رہنا۔ حضرت جی نے مجھے پکڑ کر اُوپر اُٹھایا اور فرمانے لگے کہ تم جماعت کے ان آدمیوں میں سے ہو جن سے میرا قلبی تعلق ہے۔ میں تم سے کیسے ناراض ہو سکتا ہوں۔ اس کے بعد میں رُخصت ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ کی شان دیکھو کہ حضرت جیؒ سے میری یہی آخری ملاقات تھی۔ مجھے جگلوٹ میں ٹیلیفون پر راولپنڈی سے حضرت جیؒ کے انتقال پُرملال کی اطلاع ملی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ جب میں چکڑالہ پہنچا تو حضرت جی کو اپنی آخری آرام گاہ مل چکی تھی۔ اپنی گلگت کی جماعت کے ساتھ قبر پر حاضر ہوا اور معمول کیا۔ وہی انوارات وہی تجلیات جو پہلے تھیں اب بھی ہیں۔ حضرت جی فرماتے تھے میرے مرنے کے بعد مجھ سے زیادہ فیض ملے گا بشرطیکہ رابطہ رہا۔ اللہ تعالیٰ شیخ المکرمؒ سے رابطہ قائم رکھے اور ان کا فیض تا قیامت جاری رہے۔ آمین!

وہ ہستیاں

ابو محمّد عُمیر

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ ایک جید عالم دین بھی تھے اور ایک عظیم مناظر بھی۔ حصول دین کے لیے جو صعوبتیں اور تکالیف انہوں نے اٹھائیں وہ انہی کا حوصلہ اور ظرف تھا۔ وہ جب رب کے حضور میں کھڑے ہوتے تو ایک پرکاہ تھے۔ یہ ان کی خشیت الٰہی کا عالم تھا۔ لیکن جب رزم حق و باطل میں غنیم کے مقابل میں آتے تو ایک کوہ گراں تھے۔ یہ ان کی دینی حمیت کی دلیل تھی ان کی للکار سے کفر کے امام بارڈے لرزہ براندام رہتے تھے۔ صحابہ کرامؓ کی محبت ان کے جسم وجاں کے ریشے ریشے میں ایسے سما گئی تھی جس طرح شاخِ گل میں بادِ سحرگاہی کا نم۔ دینِ حق کی جو فصیل صحابہ کرامؓ نے اپنے خون کے گارے اور جسم وجاں کی اینٹوں سے تعمیر کی تھی اس کی حفاظت کے لئے اُن کی آنکھیں تمام عمر جاگتی رہیں۔ صحابہؓ سے اُن کی کمالِ محبت سے یوں لگتا تھا جیسے قسامِ ازل نے اُن کے وجود کا خمیر صحابہؓ کے قدموں کی دھول سے اٹھایا ہے۔ وہ ایک دانا حکیم بھی تھے اور ایک عظیم صوفی بھی۔ اگر عظیم صوفی نہ بنتے تو یقیناً حکمت میں اپنے وقت کے لقمان کہلاتے۔ لیکن اُس مردِ حق نے رب کی رضا کی خاطر دنیا کو تج دیا۔ پھر رب کریم نے روحانیت میں انہیں وہ کچھ عطا فرمایا کہ وہی ان کی شخصیت کی پہچان بن گیا۔ یہ صلہ تھا ان کی چالیس سال تک ایک عظیم مناظر کی حیثیت سے ناموس صحابہ کی حفاظت کا۔ وہ امام الاولیا بھی تھے اور اللہ کے یار بھی۔ لیکن کسرِ نفسی کا یہ عالم تھا کہ کبھی زندگی میں پیر یا مرشد بھی کہلوانا پسند نہ کیا۔ بلکہ اپنے لئے "استاد" کا لفظ زیادہ پسند فرمایا۔ اُن کے سینے میں اتنا جذب تھا کہ جس نے چودہ صدیوں کے فاصلوں کو پاٹ کر آج کے گئے گزرے انسان کو براہ راست حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر روحانی بیعت سے مشرف کرایا۔ یہ اُن کی زندگی کی سب سے بڑی کرامت تھی۔ بڑے بڑے اولعزم اولیائے کرام اس دنیا میں آئے اور اپنے ساتھ ڈھیر ساری کرامتیں بھی لائے لیکن جب اس دارِ فانی سے گئے تو اپنی کرامتیں بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ لیکن یہ کیسا ولی تھا کہ خود تو منوں مٹی تلے چلا گیا مگر اپنی کرامت کو زمین کے سینے پہ زندہ چھوڑ گیا اور یہی زندہ کرامت ہی تو کسوٹی ہے حق کی اور یہی فرق ہے استدراج اور حقیقت کی پہچان میں صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے۔ وہ مجددِ طریقت بھی تھے اور صدیقِ دوراں بھی۔ آسمان تصوف پہ اُن کی ہستی روشنی کی وہ لکیر تھی جو خدا بیزار معاشرے کی تاریک رات کی ظلمتوں کے سینے کو چیر کر برگشتۂ یزداں انسان کو صراطِ مستقیم کی نوید سحر سناتی ہے۔ یہ اُس ہستی کی ژرف نگاہی تھی کہ اُس نے اُس فاصلے کی بنا ڈالی جس کے میر کارواں نسلوں بعد حضرت مہدی علیہ السلام ہوں گے وہ ہستی کہ قلزم فیوضات تھی جو بھی اُس کی محفل میں قلب سلیم لے کے آیا نامراد

نہیں لوٹا۔ وہ ہستی کیسی ہستی تھی کہ جس کے ذکر پہ آج بھی نہ صرف اُس کے چاہنے والوں کے دل مغموم ہو جاتے ہیں بلکہ اُن کی آنکھوں سے آنسو بھی چھلک پڑتے ہیں یہ اُن کا کیسا محبوب تھا کہ جدا ہوکے بھی اُن کے دلوں میں زندہ ہے نہ صرف دلوں میں زندہ ہے بلکہ اُن کی آنکھوں میں بھی بستا ہے۔

وہ اشک بن کے مری چشم تر میں رہتا ہے
عجیب شخص ہے پانی کے گھر میں رہتا ہے

حضرت جیؒ کی ہستی گو اب ہم میں موجود نہیں مگر آج بھی جسے اُن کی دعائے نیم شبی کو مجسم حالت میں دیکھنا ہو وہ آئے اور اُن کے خلف الرشید کو دیکھے جن کی شخصیت جمال و جلال کا ایک حسین پیکر ہے اور جن کی خطابت مردہ دلوں کو اس طرح تازگی دیتی ہے جس طرح کھل کے برسنے والا بادل بنجر زمین کو نمو عطا کرتا ہے یہ کیسا جوہر شناس تھا کہ خود ہی اُسے رب سے مانگا اور خود ہی اپنے حسنِ انتخاب پہ بے اختیار پکار اُٹھا کہ "قرآن کی تشریح اکرم پہ ختم ہے۔" اور جسے اُن کی دعا کو نا مقبول پلٹتے دیکھنا ہو تو وہ اُن کی اُس لجاجت اور آہ وزاری کو دیکھے جب انہوں نے ربِ کریم کے حضور میں دستِ دعا اُٹھایا اور فرمایا کہ "اے اللہ تو قیامت برپا ہونے سے پہلے پہلے ایک اللہ یار اور پیدا کر دینا" دعا کے بعد کتنی خاموشی تھی اُن کے لبوں پر۔

حضرت جیؒ ایک کردار ساز انسان تھے۔ اُن کی محنت کا مرکز انسانی قلوب تھے اور قلب ہی تو جسم میں گوشت کا وہ چھوٹا سا لوتھڑا ہے جس کی اصلاح پہ پورے جسم کی اصلاح کا دارومدار ہے۔ جب انہوں نے دردِ دل عام کیا تو یہ نہیں تھا کہ ذکر کرنے اور کرانے والے اس دھرتی پہ موجود نہیں تھے۔ تھے مگر اُن کی مثال ایسے تھی جیسے رات کے اندھیرے میں کوئی ٹمٹماتا ہُوا دیا۔ کوئی آفتاب جہاں تاب نہیں تھا۔ اللہ کا نام لوگوں کی زبانوں پہ تو تھا لیکن دل۔ اکثر دل۔ اُس کی یاد سے خالی تھے۔ جیسے بقول شاعر

؎ نام خدا ہماری زبانوں پہ چڑھ گیا
اتنا کہ اُس کی یاد دلوں سے اُتر گئی

انسانی قلوب جو معصیتوں اور گناہوں کی ظلمتوں کے سبب پتھر کے سے ہو گئے تھے حضرت جیؒ نے انہی پتھروں کو منتخب کیا۔ اُن پہ محنت کی انہیں اللہ کے ذکر سے صیقل کیا اور حضور کی سنت کا سراپا عطا کیا طریقت جو بدعتوں اور رسم ورواج کے مکروہ لبادے میں ملفوف تھی اُسے شریعت کا روشن اور اُجلا جامہ پہنایا۔ کشف جو نام نہاد پیروں کی دستارِ پندار کی زینت تھا اور جو طبلے کی تھاپ سے شروع ہو کر تعویذ گنڈوں اور جھاڑ پھونک پہ ختم ہوتا تھا اُسے تقویٰ و ورع، خشیت الٰہی اور سنت کی پیروی سے مربوط کیا۔ داڑھی جو حرفِ مکرر کی طرح مٹ رہی تھی اُسے روحانی بیعت کے لئے شرط قرار دیا۔ نماز و سجود جو بے حضوری اور بے یقینی کی کیفیت کا شکار رہتے تھے انہیں یقین و وجدان کی حضوری عطا کی۔ وہی دل جو پہلے پتھر تھے جب بحرِ رحمت میں اترے تو زندگی سے بھرپور اور اللہ کے ذکر سے معمور ہو کے چلے۔

پھر بابِ کشف کا ورق ورق سالکین پہ یوں اترا کہ وہ جمادات و نباتات سے لے کر دربارِ نبویؐ اور ذات باری تک سے ہم کلام ہونے کا شرف پا گئے۔ خدا سے روٹھے ہوئے بندے پھر خدا سے ہم کلام ہو گئے۔ انہیں درجۂ احسان حاصل ہو گیا پھر انہی میں سے کوئی لعل بنا اور کوئی گوہر۔ انہی لعلوں میں کئی ایسے لعل بھی تھے جو اپنی منزلِ مراد کو پا گئے اور اس دارِ ابتلا سے کامیاب و کامران گذر گئے۔ ان کے تذکرے ان کی یادیں اور اُن کے نام گاہے بہ گاہے المرشد کے صفحات کی زینت بنے ہیں اور آئندہ بھی بنتے رہیں گے۔ حضرت جیؒ کے انہی لعلوں میں ایک لعل حاجی محمد افضل خاں رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔

ذرا سمندِ خیال عہدِ نبوی کی طرف لے جائیں اور سوچیں کہ اگر ان ہستیوں کا یہ حال تھا تو پھر صحابہ کرامؓ کن کمالات کا مجموعہ ہوں گے جن سے یہ سب فیض کے سلسلے چلے۔ جن کا معلم خود رسولؐ تھا اور جو بحرِ علوم نبوت کے شناور تھے سچ تو یہ ہے کہ جس دل میں صحابہؓ کی محبت نہ ہو وہ دل کسی مسلمان کے سینے میں رہنے کے قابل ہی نہیں حقیقت یہ ہے کہ آج تک جس قدر خوبیاں اور کمالات عطا فرمائے ہیں اُن سب کا منبع و مصدر ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس اور

؎ مدعیہ خواجۂ ہر دو سرا اور اپنا دماغ
محیطِ بحر بگیرائی حباب نہیں

ایک ہی ملاقات

عبدُ الاوّل جلال آبادی

۱۹۸۱ء میں دارالافتاء جامعہ فاروقیہ میں داخلہ لیا۔ فتویٰ نویسی کے دوران مجھے ایک فتویٰ موصول ہُوا جس میں مسئلہ دریافت کیا گیا تھا کہ پنجاب میں ایک بزرگ ہیں علمائے دیوبند میں سے ہیں اور وہ اپنے مریدوں کو روحانی طور پر حضور علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کراتے ہیں۔ کیا اس طرح روحانی طور بیعت شریعت میں جائز ہے کہ نہیں؟ اتفاقاً حضرت مفتی صاحب چھٹی پر گئے ہُوئے تھے اور جواب مجھے ہی لکھنا تھا۔ میں نے اس سوال کو دیگر سوالات کے ساتھ ملائے بغیر الگ رکھ دیا کہ آئندہ پہلی فرصت پر غور کروں گا۔ اور اسی وقت اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ پروردگار تو قادر ہے مجھے اس بزرگ سے ملاقات کرا دے کیونکہ سائل نے ان کا پتہ تحریر نہیں کیا تھا اس کے بعد میں اپنے کام میں لگا رہا۔ یہاں تک کہ میں نیو مظفر آباد لانڈھی چلا گیا۔ ایک جمعہ کو بعد نماز جمعہ دو آدمی ملنے آئے ان میں سے ایک کا نام سردار علی اور دوسرے کا نام فضل امین تھا۔ بھائی سردار علی نے مجھے مطالعہ کے لئے دلائل السلوک دیا۔ میں نے اُسی وقت کتاب کے شروع سے دو تین صفحے اور درمیان و آخر سے دیکھ کر کہہ دیا کہ کتاب اچھی ہے اور اُسی وقت واپس کر دی۔ اس لئے کہ تصوف و سلوک کی بے شمار کتب کا میں نے مطالعہ کر رکھا تھا مجھے معلوم تھا کہ ان کتابوں میں کوئی کمال نہیں۔ کمال تو آدمی میں ہوتا ہے۔ اور مجھے کسی کامل کی ضرورت ہے۔ چنانچہ سردار علی اور فضل آمین چلے گئے۔ فضل آمین نے میرے پاس آنے جانے کا سلسلہ جاری رکھا ایک دن اُنہوں نے اپنے پیر و مرشد کے متعلق گفتگو کی کہ وہ بہت بڑے بزرگ ہیں۔ میں نے پوچھا انہوں نے کوئی کتاب لکھی ہے؟ فضل آمین نے کہا "ہاں" اور دلائل السلوک لاکر دی کہ اس کا آپ مطالعہ کریں۔ چنانچہ ان کے کہنے پر میں نے اس کتاب کا مطالعہ شروع کیا۔ دوران مطالعہ وہ جگہ میری نظر سے گذری جس میں روحانی بیعت کا ذکر تھا مجھے اُس وقت یاد آیا کہ ایک دفعہ کسی سائل نے یہ مسئلہ مجھ سے پوچھا تھا لیکن بزرگ کا پتہ نہیں بتایا تھا۔ میں نے سوچا شائد یہی وہ بزرگ ہوں گے۔ میں نے فوراً اس کتاب کے مصنف کے نام خط لکھ دیا جس کا جواب مجھے بہت جلدی ملا اور جواب

جناب پروفیسر حافظ عبدالرزاق صاحب کا لکھا ہوا تھا اور انہوں نے جناب کرنل محبوب صاحب کا ٹیلی فون نمبر دیا۔ اس کے بعد میں نے کرنل محبوب صاحب سے رابطہ کیا۔ مجھے معلوم ہوا کہ حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ کچھ دنوں کے بعد کراچی تشریف لانے والے ہیں۔ اُن کی آمد کا انتظار ہے۔

پہلی ملاقات

کراچی ایئرپورٹ پر حضرت جیؒ سے میری زندگی کی پہلی ملاقات ہوئی بس صرف مصافحہ کیا اور چلے گئے سر پہ سبز رنگ کا عمامہ اور ہاتھ میں عاصہ اور پورا لباس سنت کے مطابق تھا۔ دوسرے دن تفصیلی ملاقات کے لئے سردار علی نے میرے لئے وقت لیا اور تقریباً دن کے ۱۰ بجے حضرت جیؒ سے مجھے تفصیلی ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ میں نے اپنا مختصر تعارف کرانے کے بعد گفتگو کا آغاز شروع کیا۔ یہ تمام گفتگو عقائد اور روحانی بیعت پر ہوئی۔ اسی وقت حضرت جیؒ نے مجھے جناب حافظ عبدالرزاق صاحب سے ملنے کو فرمایا میں حافظ صاحب سے ملا۔ اُن سے ملاقات مجھے آج بھی یاد ہے جو بات وہ کریں دلیل عقلی سے مزین، مجھے حیرت ہوئی کہ صحبت شیخ کیا ہوتی ہے۔ کہ پروفیسر کو عالم بنا دیا۔ بہرحال استخارہ وغیرہ بھی کیا اور دو تین دن تک حضرت جی کے تمام احوال بذات خود میں نے مشاہدہ کئے۔ الحمدللہ میں نے حضرت جیؒ کو مطابق قرآن وسنت کے پایا اور شرح صدر ہونے کے بعد حضرت جیؒ کے ہاتھ پر بیعت کیا جناب کرنل مطلوب حسین نے مبارک باد دی۔ حافظ صاحب نے مجھے وظائف وغیرہ جو ابتدائی تھے۔ وہ بتلائے اسی وقت سے میں ذکر وفکر میں مشغول ہو گیا۔

حضرت جیؒ سے گفتگو میں یہ درخواست بھی میں نے کر دی کہ جیسا کہ آپ نے دلائل السلوک میں چھ مہینہ کی شرط لگائی ہے۔ مجھے وہ شرط منظور ہے اور میں آپ کے ساتھ آج ہی چلتا ہوں حضرت جیؒ نے فرمایا میرے ساتھ دیہات میں کہاں جاؤ گے تمہارے لئے چھ مہینہ کی بجائے صرف چالیس دن کافی ہیں۔ تم سالانہ اجتماع پر آجانا۔ میں نے سالانہ اجتماع کے لئے تیاری شروع کر دی۔ حضرت جیؒ کراچی سے پنڈی چلے گئے البتہ جو وظائف وغیرہ مجھے بتا گئے تھے اُن میں تلاوت قرآن حکیم استغفار، درود شریف اور نفی اثبات۔ شامل تھے۔

آخری ملاقات

غالباً ہفتہ کی صبح تھی کہ حضرت جیؒ پنڈی کے لئے کراچی ائیرپورٹ پر گئے۔ میں حضرت جیؒ کو رخصت کرنے کے لئے ائیرپورٹ پہنچا حضرت جیؒ نے سب سے باری باری مصافحہ کیا اور رخصت ہوگئے مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ میری حضرت جیؒ سے زندگی کی آخری ملاقات ہے۔

حضرت جیؒ جانے لگے میری آنکھ سے آنسو جاری ہو گئے میں ساتھیوں سے ذرا الگ ہو گیا۔ دل میں طرح طرح کے خیالات آنے لگے۔

سب سے پہلے دل میں خیال آیا کہ حضرت جیؒ کی عمر زیادہ ہوگئی ہے شائد زیادہ دن زندگی اُن کا ساتھ نہ دے سکے۔ اور میرے ساتھ شائد حضرت جیؒ کی یہ آخری ملاقات ہے۔ پھر خیال آیا کہ چند مہینہ بعد سالانہ اجتماع ہے اس وقت تک حضرت جی زندہ رہیں گے انشاءاللہ کیونکہ حضرت جی نے خود مجھ سے فرمایا کہ تم سالانہ اجتماع میں آجانا۔ اور پھر حضرت جیؒ سے دوبارہ شرف ملاقات حاصل ہوگا۔ لیکن قدرت نے کچھ اور ہی فیصلہ کر رکھا تھا۔ مجھے کیا معلوم کہ حضرت جیؒ سے پھر کبھی ملاقات نہ ہو سکے گی۔ ائیرپورٹ سے واپسی ہوئی اور حضرت جیؒ کا بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق معمول میں مسلسل لگا رہا۔ کہ اس عرصہ میں مجھے حضرت جی کی بیماری کے متعلق کوئی اطلاع نہ ملی۔

ایک روز معمول کے مطابق ۳ بجے مدرسہ چلا گیا ابھی دس پندرہ منٹ ہوئے ہوں گے کہ فضل آمین آئے اور کہنے لگے آج آپ چھٹی کر لیں۔ چونکہ میرے مخلص دوستوں میں سے وہ ایک دوست تھے میں نے پوچھا کوئی اہم کام ہے کہنے لگے "وہ جی ہاں" میں نے کہا کیا بات ہے یہیں بتا دو۔ وہ کہنے لگے یہاں نہیں بتاؤں گا گھر جا کے بتاؤں گا میں مدرسہ سے چھٹی کر کے گھر آگیا گھر آنے پر چائے تیار تھی اور ڈسک پر رکھی ہوئی تھی کہ فضل آمین مجھے کچھ تسلی جیسی بات کرنے لگے اور پھر کہنے لگے۔ کہ حضرت جیؒ کا انتقال ہو گیا ہے۔ یہ سُن کر پہلے تو مجھے یقین نہیں آیا اور جب یقین آیا تو معلوم

فلاح کا واحد راستہ

آفتابِ حقیقت خاتم النبیین سید المرسلین رحمۃ للعالمین کی بعثت سے طلوع ہو چکا ہے اس کی روشنی چار سو عالم میں پھیل چکی ہے کھوئی لٹی اور بکھری ہوئی انسانیت کی فلاح اللہ تعالیٰ کے آخری رسول نبی امی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اتباع میں ہے۔

اور قلب وضمیر کی روشنی اسی آفتاب ہدایت کی ضیا پاشیوں سے فیض یاب اور سیراب ہونے سے ہی ممکن ہے یہ دولتِ جاوید اور نعمتِ لازوال یہی سے ملے گی۔

اور انسانیت کی فلاح وکامرانی کا یہی واحد راستہ ہے۔

نہیں کس خیالی دنیا میں پہنچ گیا۔ چائے تو کسی طالب علم نے پی لی ہوگی۔ مجھ پر سکتہ طاری ہونے لگا بعض اوقات نماز میں بھی حواس گم ہونے لگے نماز میں رکعتوں کی غلطی ہو جاتی۔ سلام پھیرنے کے بعد نمازیوں سے معلوم کرتا۔ راستہ چلتے اچانک حواس گم ہو جاتے تجدید بیعت تک یہ کیفیت باقی رہی۔ الحمد للہ تجدید بیعت کے بعد حالات پھر معمول کے مطابق ہوگئے اور دوبارہ سلوک کی منزل پر گامزن ہوگیا۔

میں ایک طالب علم ہوں جسے چند روز حضرت جیؒ کی صحبت میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا۔

حضرت جیؒ کی تمام تقاریر اور گفتگو تو اس وقت ذہن میں نہیں ہے البتہ جو بات اس وقت ذہن میں ہے وہ تحریر کرتا ہوں۔

دوران گفتگو فرمایا۔ ایک بزرگ سے میری ملاقات ہوئی اور انہوں نے مجھے مشورہ دیا کہ منازل کا اظہار ہر کس وناکس سے نہ کیا کریں حضرت جیؒ نے فرمایا کہ ان کی بات میری سمجھ میں آئی۔ مبتدی سالک کو جو واقعات پیش آئیں سوائے اپنے شیخ کے کسی اور سے بیان نہ کرے کیونکہ ابتدائی سالک کے لئے ہر کسی کو بتانا نقصان دہ ہے اور بعض وقت حق تعالیٰ کی ناراضگی اور فیض ربانی منقطع ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کوئی عاشق اپنے معشوق سے راز و نیاز کی باتیں کرتا ہے اگر عاشق ان باتوں کو دوسروں پر ظاہر کر دیتا ہے۔ تو معشوق کو سخت تکلیف پہنچے گی اور بعض وقت جدائی کا سبب بھی بن جائے گا۔ جب ظاہری معشوق کا یہ حال ہے تو حقیقی معشوق جو اللہ تعالیٰ ہے ان کا کیا حال ہوگا۔

لہٰذا اگر کبھی ایسا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے صدق دل سے توبہ کریں۔

حسنات الابرار سیئات المقربین۔ کا کیا مطلب ہے؟ یہ حضرت جیؒ سے میرا سوال تھا۔ فرمایا: یقین کے مراتب تین ہیں۔

(۱) علم الیقین یہ ادنیٰ مرتبہ کو کہتے ہیں

(۲) عین الیقین یہ متوسط مرتبہ کو کہتے ہیں۔

(۳) اور حق الیقین یہ اعلیٰ مرتبہ کو کہتے ہیں۔

علم الیقین سے عین الیقین میں جانا حسنات الابرار سیئات المقربین ہے اور حق الیقین مرتبہ فناء الفنا کو کہتے ہیں۔

مثال آتش کا علم، علم الیقین ہے اس پر انگلی رکھی جائے تو یہ عین الیقین ہے اور جب لوہے کو آگ سرخ کر دیتی ہے تو وہ انا النار بن جاتا ہے (کہ میں آگ ہوں) یہ حق الیقین ہے۔

میں نے امید باندھ رکھی ہے اللہ تعالیٰ سے کہ جب میدان حشر میں میرے تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے تو وہ چند دن جو حضرت جیؒ کی صحبت میں گزارے ہیں ان کا واسطہ دے کر انشاء اللہ نکل جاؤں گا۔

مَضَتِ الدُّهُورُ وَمَا أَتَيْنَ بِمِثْلِهِ
وَلَقَدْ أَتَى فَعَجَزْنَ عَنْ نُظَرَائِهِ

ترجمہ:۔ زمانے گزر گئے اور نہیں لاسکے اس جیسا
اور بیشک وہ آیا تو زمانہ عاجز ہو گیا اس کی نظیر لانے سے

قال ابوالطیب متنبی

اُن سے ملے تھے

ظفر احمد قریشی

میرا حضرت جیؒ سے غائبانہ تعارف ۱۹۸۲ء کے دوسرے نصف میں کراچی میں ہُوا۔ تعارف کنندہ میجر محمد خالد بھٹی تھے جن سے ملاقات کو اب ایک مدت ہو چکی ہے۔ انہوں نے شائد میرا میلان طبع دیکھ لیا تھا لہذا ذکر کی طرف مائل کیا۔ اور وہیں کراچی میں ہفتہ وار ذکر کی محفلوں میں لے جانے لگے۔ پھر اکتوبر ۱۹۸۲ء میں ایک دن کرنل مطلوب صاحب سے کرنل محبوب صاحب کے ہاں ملاقات ہو گئی۔ کرنل محبوب صاحب سے ذکر کی محفلوں میں شرکت کی وجہ سے تعارف ہو چکا تھا۔ وہاں کرنل مطلوب صاحب کی زبانی حضرت جیؒ کے بارے میں مزید تفصیلات ملیں۔ اگلے دن مجھے ڈیوٹی پر کوئٹہ جانا تھا۔ خوشگوار حیرت ہوئی کہ کرنل مطلوب صاحب بھی اُسی جہاز سے سفر کر رہے تھے۔ دراصل کرنل صاحب موصوف عمرہ سے لوٹے تھے اور لاہور جا رہے تھے۔ اور جس جہاز پر انہیں جگہ ملی وہ براستہ کوئٹہ لاہور جا رہا تھا۔

میری ساتھ والی سیٹ خالی دیکھ کر کرنل مطلوب صاحب میرے ساتھ آ بیٹھے۔ تعارف ایک دن پہلے ہو چکا تھا۔ اب اُن سے براہ راست بات چیت شروع ہوئی۔ حضرت جیؒ کے بارے میں مزید انکشافات ہوئے۔ اس سے حضرت جیؒ سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہُوا۔ معلوم ہُوا کہ حضرت جیؒ چکڑالہ میں قیام پذیر ہیں۔ کراچی سے وہاں جانا میرے لئے ممکن نہ تھا۔ شوقِ ملاقات البتہ پلتا رہا۔ اسی دوران میں تبدیل ہو کر کراچی سے کھاریاں آ گیا اور پھر ۱۵ر دسمبر ۱۹۸۲ء کو میں چکڑالہ جا رہا تھا۔ عصر کے بعد وہاں پہنچے۔ میرے ساتھ ایک دو اور دوست بھی تھے۔ حضرت جیؒ کے ڈیرے کا پوچھ کر وہاں پہنچ گئے۔ معلوم ہُوا کہ حضرت جیؒ اندر تشریف لے جا چکے ہیں اب اگلی صبح فجر کی نماز پڑھ کر آئیں گے ویسے ایک خادم کے ذریعے میں نے اپنا نام وغیرہ بتا کر اطلاع کروا دی کیونکہ ایسا کرنے کی اجازت تھی۔ چند ہی منٹوں کے بعد حضرت جیؒ تشریف لے آئے۔ بعد میں معلوم ہُوا کہ یہ بڑا ہی شاذ ہوتا ہے

کہ حضرت جیؒ اندر جانے کے بعد واپس آئے ہوں۔ اس سے قدرتی طور پر اپنی خوش بختی ظاہر ہوئی اور خدا کا شکر ادا کیا۔

حضرت جیؒ نے واپس آکر دو چارپائیاں بچھانے کا حکم دیا۔ فوراً تعمیل ہوئی۔ ایک چارپائی پر حضرت جیؒ بیٹھ گئے اور دوسری پر اپنے سامنے ہمیں بٹھا لیا۔ اُس وقت حضرت جیؒ کے مقام و مرتبے سے ناواقف تھا لہذا بیٹھ گئے۔ حضرت جیؒ نے ہماری خیریت دریافت کی۔ آپ کی باتوں سے شفقت اور محبت ٹپک رہی تھی۔ خادموں کو ہمارے ٹھہرانے کا حکم دے کر آپ اندر تشریف لے گئے۔

مغرب کے بعد ذکر کی محفل جمی۔ ذکر کا طریقہ کراچی میں سیکھ رکھا تھا۔ لہذا اجنبیت نہ ہوئی۔ میرے دوستوں کے لئے البتہ یہ نیا عمل تھا۔ صبح فجر کی نماز کے بعد حضرت جیؒ تشریف لے آئے۔ لوگ اُن کی مجلس میں آآکر بیٹھنے لگے۔ حضرت جیؒ باتیں کرتے سبھی غور سے سنتے۔ سر جھکے ہوئے، پوری طرح ادب ملحوظ تھا۔ اس کے بعد بیعت شروع ہوئی۔ لوگ باری باری بیعت کرنے لگے۔ میں نے بھی بغیر کچھ سوچے اپنا ہاتھ حضرت جیؒ کے دست مبارک میں دے دیا۔ یہ ایک نیا قدم تھا جو ہمارے خاندان میں کبھی کسی نے نہیں اٹھایا تھا۔ بلکہ اس طرف رجحان ہی پسند نہیں تھا!

حضرت جیؒ نے فرمایا۔

ا :۔ سنت رسولؐ پر عمل کرنے کی پوری پوری کوشش کرو۔

ب :۔ نماز باجماعت ادا کرنے کی پوری سعی کرو۔

ج :۔ درود شریف کثرت سے پڑھو۔

د :۔ رزق حلال کا حصول اپنا مطمع نظر بناؤ۔

اس کے علاوہ کچھ تسبیحات پڑھنے کا بھی فرمایا۔

اس کے بعد اجازت لی اور چلے آئے۔ بعد میں حضرت جیؒ سے ملاقات کے مزید مواقع ملے۔ چکڑالہ میں دارالعرفان میں، اسلام آباد میں فضل کریم بٹ صاحب کے ہاں۔ ہر ملاقات میں اُن سے مزید ملنے کا اشتیاق بڑھتا گیا۔ مگر اُن کی زندگی نے وفا نہ کی، اور وہ ۱۸ فروری ۱۹۸۴ء کو اپنے چاہنے والوں کو روتا دھوتا چھوڑ کر ہمیشہ کے لئے پردہ کر گئے۔

حضرت جیؒ کی جس چیز نے پہلی ملاقات میں متاثر کیا وہ آپ کی محبت اور خلوص تھا۔ کہ باوجودیکہ معمول یہ تھا کہ عصر کی نماز پڑھ کر اندر تشریف لے جاتے تھے، میرا نام سُن کر واپس آئے اور پھر اپنے برابر بٹھا کر عزت بخشی۔ پھر وہاں کا ماحول، سادگی کی آخری حدیں چھو رہا تھا۔ پیروں کے ڈیرے آج کل جدید سہولتوں سے مزین ہیں وہاں کمرے بھی کچے، فرش بھی کچے، کھانا بھی سادہ، وہاں کوئی بڑا نہیں تھا کوئی چھوٹا نہیں تھا۔ سب سے یکساں برتاؤ! حضرت جیؒ نے جو تعلیمات دیں اُن میں کسی بھی لمحہ اپنے بارے میں کچھ نہیں کیا۔ فرمایا تو صرف یہ کہ سنت رسولؐ کو مضبوط پکڑوں، نماز کی پابندی کروں۔ رزق حلال کھاؤں اور درود شریف کثرت سے پڑھوں۔ آپ کی صحبت ایسی تھی کہ اُٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا اور وہ بات خوب یاد آئی کہ اللہ والوں کی پہچان یہ ہے کہ اُن کی صحبت میں جا کر اللہ یاد آئے تو یہ بات وہاں سچ ہو گئی اور شائد یہی بیعت کا بہانہ بنی۔

حضرت جیؒ سے اپنے مسائل کا ذکر بذریعہ خط کیا۔ آپ نے اُس خط کی پشت پر جواب عنایت کیا۔ اس جواب کی کاپی بطور تبرک پیش ہے۔ آپ نے اس مکتوب میں جو کچھ پڑھنے کے لئے فرمایا ہُوا ہے اُس پر عمل کر رہا ہوں اور مستفید ہو رہا ہوں۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت جیؒ کے درجات کو انتہائی منزلوں تک پہنچائے اور آپ کا فیض عام کر دے آمین

یہ آپ کے فیض ہی کی برکات ہیں کہ اس گئے گزرے دور میں بھی ہم جیسے بے مایہ لوگوں کو سنتِ رسولؐ (داڑھی) پر عمل کر کے سکون مل رہا ہے!

☆

حضرت جیؒ کے مکتوب کی فوٹو کاپی۔ یہ خط حضرت جیؒ نے اس احقر کو ۱۹۸۳ء کے شروع میں جواب میں تحریر فرمایا۔

کیا؟ وہ چکڑالوی تھے

سیّد پیر محمد ظہور شاہ

میجر سید پیر محمد ظہور شاہ ریٹائرڈ ہاشمی ہاؤس
پدھراڑ ضلع خوشاب

محترم ایڈیٹر صاحب
السلام علیکم

مضمون روانہ کر رہا ہوں براہ کرم اسے حضرت جی نمبر میں شائع کر کے شکریہ کا موقعہ دینا۔ مضمون ہذا میں کسی قسم کی کمی یا ردو بدل نہ کرنا۔ حضرت مولانا محمد اکرم اعوان صاحب کی خدمت اقدس میں میرا سلام پیش کر دینا۔

آپ کا دعاگو سیّد ظہور بقلم خود

بہت عرصہ بیت گیا میں اس وقت چھٹی جماعت میں پڑھتا تھا کہ ایک باریش گھنی داڑھی والا کھدر کے سفید لباس میں ملبوس حتیٰ کہ عمامہ بھی سفید۔ موزوں قدو قامت بارُعب لیکن جمالی و جلالی طبیعت کا مالک شخص ہمارے گھر موضع پدھراڑ ضلع خوشاب میں ایک دو دفعہ میرے والد بزرگ حضرت حاجی پیر غلام قادر شاہ ہاشمیؒ کے ساتھ آیا تھا میں نے والد صاحب سے اُن کے بارے دریافت کیا تو فرمانے لگے کہ یہ اہل سنت والجماعت کے بڑے عالم و خطیب ہیں شیعوں کے خلاف تقریر کرنے کا ملکہ رکھتے ہیں علم کا دریا ہیں ایک دفعہ موضع کندوال تحصیل پنڈ دادنخان سے پہاڑی راستہ پیدل عبور کر کے ہمارے گھر تشریف لائے تھے وہاں شیعوں سے مناظرہ کیا تھا اور فتح حاصل کی تھی لوگ اُن کو ملنے کے لئے آئے تھے انہیں مناظرہ کی تفصیل بتا رہے تھے تو جوش ایمانی میں آ کر مولاناؒ نے فرمایا کہ شیعہ فرقہ مسلمانوں کا نہیں ہے بلکہ یہ ایک بالکل علیحدہ مذہب ہے جسے آپ کوئی بھی نام دے دیں ان کا اسلام سے دُور کا واسطہ بھی نہیں ہے ان کے عقائد روزہ۔ نماز۔ کلمہ۔ اذان۔ جنازہ اور ہیں قرآن اور ہے دیگر خلفائے راشدین و اصحابہ اکرام و حضرت عائشہ صدیقہ کو بُرا کہتے ہیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بیٹی حضرت فاطمہ مانتے ہیں باقی کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ پچھلگ تھیں یعنی حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے پہلے خاوند سے تھیں یہ عقائد رکھنے والا بھلا کیسے مسلمان ہو سکتا ہے یہ لوگ دائرہ اسلام

سے خارج ہیں اور جو شخص ان کے مندرجہ بالا عقائد کی بنا پر کافر نہیں سمجھتا وہ بھی کافر ہے) حضرت مولانا اللہ یار خان رح کی گفتگو سن کر میں دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا کہ اچھا ہوا خداوند عالم نے ہمارے علاقہ میں ایک جیّد عالم دین بھیج دیا ہے) جو کہ راسخ العقیدہ سنی عقائد کا حامل ہے مولانا مرحوم کی گفتگو اب بھی میرے ذہن میں محفوظ ہے حالانکہ جیسے میں نے پہلے ذکر کیا ہے کہ کافی عرصہ گزر گیا ہے میں بھی عمر کے اٹھاون ۵۸ سال پورے کر چکا ہوں مولانا مرحوم کی جملہ کتب جنکا میں نے بطور خاص مطالعہ کیا ہے ان کے عقائد کی عکاسی کرتی ہیں چند سال بعد میں نے والد بزرگوار سے دریافت کیا تھا کہ کیا اب بھی مولانا صاحب تبلیغ کی خاطر تشریف لاتے ہیں تو جواب میں فرمایا کہ وہ اب زیادہ وقت عبادت میں گذارتے ہیں تصوف اور روحانیت کی طرف زیادہ مائل ہو گئے ہیں علمائے اہل سنت الجماعت کے مطابق مولانا نے اپنے عقائد میں کچھ تبدیلی بھی کر لی ہے جسے لوگ چکڑالوی[1] مذہب کے نام سے منسوب کرتے ہیں اور علما ان سے بدظن ہو گئے ہیں۔

میں نے والد صاحب سے مزید معلومات حاصل کرنا اس موضوع پر مناسب نہ سمجھا بہر کیف حال ہی میں ایک تحریر کسی رسالہ میں پڑھی تھی جس میں علمائے حکومت پر زور دیا ہے کہ مذہب چکڑالوی ماننے والوں کو بھی کافر قرار دیا جاوے (حضرت مولانا اللہ یار خان صاحب مرحوم کے گاؤں کا نام چکڑالہ ہے جو کہ غالباً ضلع میانوالی میں آتا ہے) واللہ اعلم حقیقت کیا ہے راقم کو تو ان کے عقائد میں کوئی ایسی بات نظر نہ آئی جو کہ اسلام کے خلاف ہو۔ ہو سکتا ہے کہ ان کا کوئی پیر مرید نہیں بنا تا بلکہ مرید پیر بنا رہے ہیں یہ جہلا نہ روش زور پکڑ گئی ہے میں مولانا محمد اکرم خان اعوان صاحب سے گذارش کروں گا اسی المرشد کے حضرت جی نمبر میں چکڑالوی مسلک جو بھی ہو ان کے عقائد کے بارے تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالیں تاکہ لوگوں پر حقیقت واضح ہو۔

اس زمانے میں جب حضرت مولانا اللہ یار خان رح کا ہمارے علاقہ میں ورود ہوا جاہلیت کی بنا پر لوگ شیعہ مذہب اپنا رہے تھے کیونکہ اس فرقہ میں طبیعت اور مذہب کی یعنی متعہ کی آزادی ہے شیعہ سنی مناظرے عام ہوتے تھے اس وقت اللہ تعالے نے ایک اور کرم کیا کہ حضرت حاجی پیر سید ظہور حسین شاہ مرحوم کا ہمارے علاقہ میں آمد ہوئی جنہوں نے منارہ گاؤں کو مستقل مسکن بنا کر شیعوں کے خلاف جہاد کرنا شروع کیا خداوند عالم ان دونوں بزرگوں کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین ان دونوں بزرگوں کی آمد سے ہمارے قبیلہ بنو ہاشم پدھراڑ کو بہت تقویت ملی کیونکہ ہم شیعہ حضرات سے جنون کی حد تک نفرت کرتے ہیں دنیا میں شاید ہی کوئی شہر یا گاؤں ہوگا جہاں شیعہ سنی اپنے مذہبی رسومات اکٹھی نہ کرتے ہوں لیکن ہمارے ہاشمی قبیلہ کی وجہ سے موضع پدھراڑ میں شیعہ سنیوں کے جنازہ و شادی بیاہ کی رسومات میں نہیں جا سکتا اگر والد سنی عقائد کا مر جائے اور اس کا بیٹا شیعہ ہے تو وہ والد کے جنازہ میں شامل نہیں ہو سکتا گو ہمارے افراد کی تعداد کم ہے لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا کرم خاص ہے کہ ہم کٹر سنی عقائد کے حامل ہیں جس کی تبلیغ ہم شب و روز بے خوف و خطر کرتے ہیں اگر ہمارا خاندان پدھراڑ میں نہ ہوتا تو پدھراڑ اور اس کے گرد و نواح میں بسنے والے اکثر عوام شیعہ مذہب اختیار کر لیتے۔

حضرت مولانا اللہ یار خان رح کے خلیفہ حضرت مولانا محمد اکرم اعوان صاحب کے بارے بھی اپنے خیالات کا اظہار کروں۔ ان سے میری کوئی شناسائی نہیں ہے اور نہ ہی عقیدت ان کو میں نے دیکھا ہوا بھی نہیں ہے بلکہ ان کی تقاریر المرشد رسالہ میں ایک قریبی دکاندار سے لے کر پڑھتا ہوں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ اپنے مرشد حضرت اللہ یار خان رح کے نقش قدم پر صحیح چل رہے ہیں اپنی تقاریر و تحریروں میں اپنے مرشد کے فتوے کو یعنی شیعہ کافر ہیں متعدد بار تجدید فرما چکے ہیں انہوں نے المرشد کی جولائی ۱۹۸۹ء کی اشاعت میں قربانی کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے شیعہ کو کافر قرار دیا ہے ان کے بارے لوگوں سے میں نے بہت کچھ سن رکھا تھا لیکن خود ہی انہوں نے اپنی سابقہ زندگی کے بارے شاید ستمبر ۱۹۸۹ء کی المرشد کی اشاعت میں برملا اعتراف کیا ہے کہ میں نے الہڑ جوانی گذاری ہے لوگوں کی نظروں میں بُرا بھی رہا لیکن اپنے مرشد کی ایک ہی نظر کرم نے میری زندگی میں انقلاب برپا کر دیا اور کایا پلٹ دی جس کی بنا پر اب میں روحانیت اور دنیا کی لذتوں سے مالا مال ہو رہا ہوں کوئی اپنی برائیوں کا اعتراف علی الاعلان نہیں کرتا لیکن مولانا نے اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیا ہے میں نے اپنے بزرگ بھائی حضرت علامہ حافظ سید محمد رحمت شاہ رح

---

[1] اس کی تفصیل مضمون کے آخر میں "خط" میں ملاحظہ فرمائیں (ادارہ)

خطیب ایس سی سکول جن کا حرکت قلب بند ہونے سے ۳ فروری ۱۹۸۹ کو نوشہرہ انتقال ہوا تھا مولانا محمد اکرم اعوان صاحب کی شخصیت کے بارے دریافت کیا تھا کیوں کہ بھائی صاحب مرحوم نے ایک دفعہ رسالپور چھاؤنی میں مولانا کے ایک عقیدت مند بریگیڈیئر حسن ASG کے ساتھ ان کی مجلس ذکر میں شمولیت کی تھی کہنے لگے کہ مولانا نیک و پارسا ہیں بیان کلام سادہ اور پُراثر ہوتا ہے شیعہ مذہب کے دل و جان سے خلاف ہیں قلب کی صفائی پر زیادہ زور دیتے ہیں فرمانے لگے کہ علمائے اہل سنت والجماعت کے تمام دیگر مسلک والوں کو ان کے عقائد سے شدید اختلاف ہے خداوند عالم میرے بھائی صاحب کو جنت نصیب کرے۔

آمین

سُنا ہے کہ مولانا صاحب کے جملہ خاندان کو ہمارے ہاشمی خاندان سے کافی عقیدت رہی ہے اور اب بھی ہے خود مولانا صاحب بھی ہمارے ایک بزرگ پیر سید منور شاہ صاحب کی ان پر کافی عرصہ نظر کرم رہی ہے جس کی وجہ سے ان کی زندگی میں حیرت انگیز تبدیلی منظر عام پر آئی ہے دُعا ہے کہ رب العزت مولانا محمد اکرم اعوان صاحب کو دین کی خدمت کرنے کا مزید جذبہ دے اور ان کی عمر دراز کرے (آمین)

راقم سید ظہور آف پدھراڑ

۰۵ نومبر ۱۹۸۹

بوقت گیارہ بجے شب

جناب پیر محمد ظہور شاہ صاحب

السلام علیکم!

المرشد کے لیے آپ کا مضمون ملا۔ اپنا قیمتی وقت نکال کر لکھنے کا شکریہ۔ حضرت جی کے بارے میں آپ کی کچھ معلومات صحیح نہیں ہیں۔ شاید اور کتنے لوگ ایسی ہی معلومات کا شکار ہوں گے۔ آپ کا مضمون انُ ہی معلومات کے ساتھ چھپ رہا ہے۔ البتہ اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے یہ چند سطور آپ کی خدمت میں لکھ رہا ہوں۔

آپ نے فرمایا کہ علمائے اہلسنت والجماعت کے مطابق مولانا نے اپنے عقاید میں تبدیلی کرلی تھی۔ جسے چکڑالوی مذہب کہتے ہیں اور اب علماء حکومت سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ ان کو کافر قرار دیا جائے۔

تو شاہ صاحب! عرض ہے کہ حضرت جی چکڑالہ کے رہنے والے ضرور تھے اور چکڑالوی مذہب کے باطل عقائد کے خلاف تن تنہا لڑنے والے بھی وہی تھے۔ اس وقت اگر یہ علماء اہلسنت والجماعت ان رافضی عقائد کے لوگوں کے پروپیگنڈہ کا شکار نہ ہوتے تو آج سے بیس پچیس سال پہلے ہی یہ لوگ کافر قرار دیئے جا چکے ہوتے۔ حضرت جی نے اپنے ایک خط میں اس کافر ٹولے کے بارے میں اپنی رائے یوں فرمائی ہے۔

"یہ ملعون ٹولہ ہے ان کے پیچھے نماز جمعہ، جنازہ وغیرہ نہ پڑھی جائے۔ اس ملعون ٹولہ کو سلام تک نہ دیا جائے۔ یہ لوگ دیوبندی بھی نہیں بلکہ صرف دیوبندی بن کر چندہ وصول کرتے ہیں۔ یہ دیوبندیوں کو تو مشرک کہتے ہیں۔ یہ دیانندی ہیں۔ پنڈت دیانند آریہ جس نے حیات نبی کا انکار کیا تھا۔ اسی وزیر سلطان تغلق بیگ سلجوقی کا معتزلہ ہے۔ یہ لوگ اسی مردود کے تابعدار ہیں اور ملحدین ہیں۔"

آپ نے اپنے مضمون میں لکھا ہے کہ آپ کو ان کے عقائد میں کوئی غیر اسلامی بات نظر نہیں آئی۔ تو عرض ہے کہ کوئی صحیح العقیدہ مسلمان صحابہ کرامؓ کے کردار اور دین میں ان کی حیثیت کو نظر انداز کر کے ان کی کردار کشی کر سکتا ہے؟ اس گروہ کے عقائد کی بنیاد ہی یہ ہے کہ تمام ذخیرہ احادیث، شرح احادیث، مفسرین و فقہاء متکلمین اور علمائے اہل سنت والجماعت کے اجماعی نظریات صرف غلط عقائد کا مجموعہ ہیں۔ حضرت نے ان کے عقائد کے متعلق اپنی رائے "حیات برزخیہ" میں فرمائی ہے کہ "ان کے عقائد اہل سنت والجماعت

کا مسلک نہیں۔ ہاں صالحیہ، کرامیہ، معتزلہ اور خوارج کے مسلکوں کی خوشہ چینی ہے اور ملک کو پارہ پارہ کرنے کی وہی کوشش ہے جو یہ باطل فرقے اپنے طور پر کرتے رہے۔ ایسی کوششوں کا پہلا نشانہ صحابہؓ اور سلف الصالحین ہوتے ہیں کہ کسی طرح سلف الصالحین سے امت کا اعتماد اٹھ جائے۔ یہ ایک ایسی ناپاک کوشش ہے کہ اس میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد دین میں من مانی کرنے اور دین کو اپنی پسند کی شکل و صورت دینے میں صرف آسانیاں پیدا نہیں ہوتیں۔ بلکہ اس راہ سے تمام موانع اٹھ جاتے ہیں۔ اس لیے باطل فرقوں میں ہمیشہ یہ قدر مشترک پائی جاتی رہی ہے کہ وہ ناقلین دین۔ صحابہ کرام اور سلف الصالحین کو اپنی افتراپردازیوں کا نشانہ بناتے رہے ہیں۔ اگر آپ چکڑالوی مذہب اور ابن سبا کے عقائد کو ملا کر دیکھیں تو آپ کو مقصد اور طریقے میں کوئی فرق نظر نہیں آئے گا۔ کہ جس کا دعویٰ کیا اسی کی جڑیں کاٹیں۔ آپ نے لکھا ہے کہ آپ "المرشد" کا مطالعہ کرتے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ اسے چکڑالویوں کا ترجمان سمجھ کر پڑھتے رہے ہے؟

حضرت جی نہ صرف راسخ العقیدہ اہل سنت والجماعت مسلمان تھے بلکہ انہوں نے لاکھوں لوگوں کو کفر کے دلدل سے نکال کر ان کا تزکیہ باطن فرما کر شریعت پر چلنا سکھایا۔ ان کی اپنی ذات شریعت کا ایک جیتا جاگتا نمونہ تھا۔ شاہ صاحب! کبھی وقت نکال کر دارالعرفان منارہ تشریف لایئے۔ حضرت مولانا محمد اکرم اعوان صاحب سے ملاقات اور ان کی صحبت سے نہ صرف آپ کے شبہات دور ہو جائینگے بلکہ وہاں آنے جانے والے لوگوں کو دیکھنے اور ملنے کے بعد اپنی صحیح آزادانہ رائے قائم کر سکیں گے۔ المرشد کا مطالعہ ضرور جاری رکھیے۔

آپ کی دعاؤں کا طالب　　　　تاج رحیم

قلبِ سلیم

قلب کے سلیم ہونے کیلئے ۲ دو شرائط ہیں، اول: صحت از امراض قرآن مجید نے قلب کے امراض کفر، شرک، شک اور خواہشاتِ نفسانی کے اتباع کو قرار دیا ہے، ان امراض سے صحت حاصل کرنے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ کسی معالج روحانی سے علاج کرایا جائے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ قلب کو غذائے صالح بہم پہنچائی جائے، جس طرح غذائے صالحہ سے جسم انسانی صحت مند اور قوی ہو جاتا ہے، اسی طرح قلب کی صحت اور قوت کے لئے بھی غذائے صالح درکار ہے، مگر قلب کی غذا جسم کی غذا سے مختلف ہے، قلب کے لئے غذائے صالح کی نشان دہی یوں کی گئی ہے:- قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔　　　"سنو! ذکر الٰہی سے ہی قلوب مطمئن ہوتے ہیں"۔

علاج قلب اور غذائے قلب عارفین کاملین کے بغیر کہیں سے نہیں ملتی۔

چند یادیں

محمد اسلم جاوید کمبوہ

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک وقت ایسا آنے والا ہے فریضہ حج کرنا مشکل ہو جائے گا۔ وہاں کی تمام برکات اٹھا لی جائیں گی۔ فریضہ حج جلدی ادا کریں۔ ۱۹۷۷ء میں جب اچانک مجھے فریضہ حج کرنے کی اجازت ملی میں اور کرنل محمد جمیل صاحب جو اُن دنوں منگلا میں میجر ہوتے تھے۔

استاد المکرم حضرت جیؒ کے قدم بوسی کے لئے منارہ حاضر ہوئے حضرت جیؒ حضرت مولانا ملک محمد اکرم اعوان صاحب دامت برکاتہم کے گھر منارہ تشریف لائے ہوئے تھے میں نے عرض کی ، ملتان جامع مسجد عیدگاہ خطبہ جمعۃ المبارک پر مولانا کاظمی صاحب نے فرمایا کہ تبلیغی جماعت والے کہتے ہیں کہ مدینہ شریف مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب ۵۰ ہزار ہے تبلیغی مسجد میں نماز ادا کرنے کا ثواب ایک لاکھ ہے حضرت جی (رحمت اللہ علیہ) نے فرمایا۔ (اس کی کیسٹ بھی موجود ہوگی)

کرنل مطلوب حسین صاحب اور چند دوسرے بزرگ ساتھیوں کے نام لئے کہ میرے پاس آئے اور کہا۔ تبلیغی جماعت کیسی جماعت ہے میں نے کہا۔ بہت اچھی جماعت ہے۔ ان صاحبان نے فرمایا حضرت آپ نئی جماعت کیوں بنا رہے ہیں۔ اس جماعت میں شامل کیوں نہیں ہو جاتے۔ حضرت جیؒ نے فرمایا۔

میں کشمیر سے مناظرہ کر کے میانوالی پہنچا۔ تو وہاں ایک شیعہ مولوی آیا ہوا تھا۔ اُس کا بڑا چرچا تھا۔ ایک آدمی نے مجھ سے پوچھا مولوی صاحب آپ کو مولانا اللہ یار خاں صاحب کے بارے میں کچھ علم ہے۔ میں نے کہا کہ میں اُس کا بھراؤ (بھائی) ہوں۔ وہ آدمی ہنس پڑا۔ آپ ہی مولوی اللہ یار خاں صاحب ہیں۔ اُس آدمی نے تمام حالات اور مناظرہ کے متعلق بتایا۔ مسجد میں چند تبلیغی مولوی حضرات تشریف فرما تھے۔ میں نے اُن سے مناظرہ اور مولوی شیعہ کے متعلق بتایا۔ آپ نے صرف پیچھے کھڑے رہنا ہے۔ بات تو میں نے کرنی ہے۔ لیکن تبلیغی مولوی حضرات نے فرمایا ہمارا یہ مشن نہیں ہے قلبی آواز نے بتایا کہ آپ مرد ہیں۔ یہ مرد نہیں ہیں۔ جب اُس شیعہ مولوی سے بات ہوئی تو معلوم ہوا جاہل شیعہ مولوی ہے۔ مناظرہ میں شکست فاش ہوئی اور بھاگ گیا۔ ہر مناظرہ کی کامیابی کے

بعد لوگ نعرے لگاتے مولوی اللہ یار خاں صاحب زندہ باد۔
ایک آدمی نے بھی اللہ اللہ سیکھنے کی بات نہ کی اور نہ ہی کسی نے
علم سیکھا۔ مولوی سُنی سُن ہو گئے ہیں۔ حضرت جیؒ نے فرمایا۔
یہ سب جنگل کے اونٹ تھے۔ ان کو قابو کرنا اتنا آسان نہ تھا فلمیں
دیکھتے۔ کلب جاتے۔ شراب پیتے۔ نماز سے دوری۔

اللہ اللہ کرنے کے لئے آنا منارہ کے سکول کے پتھروں
پر سوتے ہیں، سوکھی روٹی کھاتے ہیں۔ یہ سب کچھ اللہ پاک
نے مجھے حضور پاکؐ کی جوتیوں مبارک کے صدقے میں عطا فرمایا
ہے ورنہ میں تو ایک جٹ تھا۔ ورنہ میں آج بہت بڑا حکیم ہوتا
یہ سب اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی ہے۔ حضرت جی نے دعا فرمائی
اور محبت کے ساتھ رخصت فرمایا۔ جب بھی باتیں یاد آتی ہیں
آنکھوں میں آنسوؤں کی بارش ہوتی ہے۔

حضرت جیؒ نے فرمایا جب جماعت بڑی ہو جائے تو غلط
لوگ شامل ہو کر جماعت کو بدنام کرتے ہیں۔ ورنہ تبلیغی جماعت کا
مشن اچھا ہے یہ ٹنکیوں والی بات کسی نے غلط کہی ہے۔

حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ جب بھی ملتان تشریف لاتے
۸۹، شمس آباد کالونی ملتان قیام فرماتے۔ اکثر میں حضرت جیؒ رحمت اللہ
علیہ کے پاس اکیلا ہوتا ایک دفعہ میں نے سُنا۔

اے اللہ قیامت سے پہلے ایک اور اللہ یار بھیج دینا۔
تھوڑی دیر خاموشی کے بعد میں نے سُنا۔ میرا رب راضی نہیں ہوا حضرت
جی اکثر فرماتے۔ اتباع رسول پاکؐ کی تلقین فرماتے۔ دنیا فانی
ہے اور موت سر پر ہے۔

حضرت جی ہر سال سکول منارہ تشریف لاتے۔ وہاں ہم دن
قیام فرماتے۔ وہاں بڑی رونق ہوتی۔ سکول کے اردگرد پتھر ہی پتھر
ہیں۔ محفل ذکر ہوتی۔ مولانا ملک محمد اکرم اعوان صاحب دامت برکاتہم
خود اپنے سر پر سالن اور ایک ہاتھ میں روٹیاں اٹھا کر لاتے۔ میں
نے ایک دن بھاگ کر حضرت ملک صاحب دامت برکاتہم سے
روٹیاں لینے کے لئے عرض کی۔

حضرت ملک نے فرمایا بیٹی آپ چاہتے ہیں کہ کیلا چھیل
کر آپ کے منہ میں دے دوں۔ میں بڑا حیران ہُوا۔ یہ بات بعد
میں سمجھ میں آئی۔ ہم دن تک حضرت ملک صاحب حضرت جیؒ
کی روحانی اولاد رات، دن خدمت کرتے۔ دار العرفان کی

انبیاءؑ تین اغراض کے لئے مبعوث ہوتے
رہے ہیں اول تصحیح عقائد۔ دوم تصحیح اعمال۔
سوم تصحیح اخلاص۔ سو تصحیح عقائد۔ دوم
تصحیح کے کفیل فقہائے اُمت ہوتے ہیں اور
فنِ خلوص و احسان کے کفیل صوفیہ کرام ہوتے ہیں۔

سنگِ بنیاد رکھی۔ دار العرفان منارہ اجتماع ہُوا حضرت جی نے فرمایا۔
حضرت حافظ عبدالرزاق صاحب نہ ہوتے تو کتابوں کا
سلسلہ نہ ہوتا۔ حضرت حافظ صاحب کی بڑی خدمت ہے۔

حضرت کرنل مطلوب حسین صاحب ناظم اعلیٰ صاحب کے
متعلق فرماتے یہ بندہ رات، دن محنت کرتا ہے انتھک انسان
ہے میجر محمد رشید صاحب جب تشریف لاتے تو حضرت جی بہت
خوش ہوتے۔

جناب ملک احمد نواز صاحب خادم تھے۔ ہر وقت خدمت
کے لئے تیار رہتے۔

جناب میجر غلام محمد صاحب وال بھچراں میانوالی سے
بہت محبت کرتے۔

کرنل چوہدری بشیر احمد صاحب۔ کرنل محمد جمیل صاحب جناب
الطاف احمد سرحد میڈیسن کمپنی پشاور جناب محمد شکیل صاحب سرگودھا
اپنی روحانی اولاد کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے۔ ہر ساتھی
یہی سمجھتا کہ حضرت جی سب سے زیادہ مجھ سے پیار کرتے ہیں۔ یہ
باتیں، یادیں، ہماری زندگی کا سرمایہ ہیں۔

ایک دن فون پر ملتان جناب حافظ عبید اللہ صاحب
نے اطلاع دی کہ بابا دین محمد صاحب وفات پا گیا ہے۔ یہ خبر سُن کر
حضرت جی بہت اداس ہوئے۔ فون کی لائن کٹ گئی دوبارہ فون
ملنے پر حضرت جی نے فرمایا۔

حافظ عبید اللہ۔ بابا دین محمد کی آخری آرام گاہ جہاں زیتون
میں درخت کھڑا ہے پہاڑی ہے۔ میری آخری آرام گاہ بھی اُس
کے ساتھ ہوگی۔ آج حضرت رحمتہ اللہ علیہ مرشد آباد اپنی
آخری آرام گاہ میں آرام فرما رہے ہیں۔

از خداداد ۔ [illegible] بجانب حفیظ اللہ یار صاحب

عزیزم کرنل صاحب السلام علیکم

[illegible] ایک

تسبیح لا الہ الا اللہ [illegible] بشکل تسبیح

لا الہ الا اللہ [illegible] بشکل تسبیح لا الہ الا اللہ

تسبیحات [illegible] شغل تسبیح

[illegible] بار درود شریف اور قرآن [illegible]

[illegible] نماز مغرب سے سونے تک

[illegible] بار درود شریف [illegible] تسبیح پانچ

تسبیح یا قدوس [illegible] دل میں مراد

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] خیال

حضرت جی کے [illegible] کا فوٹو [illegible]

١٩٨٣ [illegible]

اثرات
و
تاثرات

تحریکِ اویسیہ کا معاشرے پر اثر ـــــ قادری ـــــ ۱۴۹

چند واقعات اور آپکے تاثرات ـــــ ۱۵۴

وظائف و نسخہ جات وغیرہ ـــــ ۱۶۵

تحریکِ اَویسیہ کا مُعاشرے پر اَثر

قادری

تحریک اویسیہ کا معاشرے پر اثرات

حضرت حذیفہؓ اپنے آپ کو منافق سمجھ کر حضرت صدیقؓ کی معیت میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوکر عرض کرنے لگے"۔ جو کیفیات حضورؐ! آپ کی محفل میں نصیب ہوتی ہیں، بیوی بچوں میں جاکر قلب کی وہ حالت تو نہیں رہتی۔ کہیں یہ منافقت تو نہیں؟

" آقاؐ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا "نہیں! قرب و بُعد میں کچھ فرق تو ہوگا۔"

رحمتِ تمام صلی اللہ علیہ وسلم کو لحد میں اُتار کر ابھی ہاتھوں سے مٹی بھی نہیں جھاڑی تھی کہ صحابہؓ فرماتے ہیں "قلوب اس حالت پر نہ رہے جن کیفیات میں آپؐ کے دُنیا میں تشریف فرما ہوتے ہوئے تھے۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا دور جتنا جتنا دُور ہوتا گیا۔ توں توں رحمتوں میں کمی آتی گئی۔ جیسے غروب آفتاب کے بعد کا ہر لمحہ اندھیرے میں اضافہ کرتا جاتا ہے۔ مخلوق کی بد اعمالیوں کی نحوست نے بھی زمانے کو متاثر کیا۔

دورِ حاضر کی خصوصیت

دورِ حاضر کی نسبت پہلے ادوار میں معاشرہ نیک تھا۔ ایمان بھی خالص، نظریات بھی سیدھے اور اعمال میں بھی خلوص ہوتا تھا۔ لیکن اب ملاوٹ اور فریب اتنا عام ہوا کہ عقائد نظریات بھی ملاوٹ سے پاک ملنے مشکل۔ لوگوں کو نظریات میں الجھا کر ایک دوسرے سے بدظن کر دیا گیا۔ تاکہ کوئی کسی دوسرے کے پاس جاکر بھی اپنی اصلاح نہ کروا سکے، عقابوں کے نشیمن زاغوں کے تصرف میں آجانے سے معاشرہ نیکی سے ہی بدظن ہوگیا۔ رزق حلال میسر نہ آنے کی وجہ سے طلب [illegible] ذوق بھی مفقود ہوگئی۔

ماضی قریب میں مولانا لاہوریؒ جو اپنے وقت کے قطب تھے چھتے عرش تک منازل۔ بڑے صاحب کشف، اپنی کیفیات اور اللہ کی عنایات کا ڈھنڈورے سے اعلان کرنے والے، بعد از وفات جب ان سے پوچھا گیا " اتنی دنیا آپ سے وابستہ تھی لیکن آپ نے کسی ایک کو بھی لطائف بتائے نہ مراقبات کروائے۔"

جواباً فرمایا "میں نے کسی کو بھی اس قابل نہیں پایا تھا۔

حضرت کا دور حضرت لاہوری سے ملحقہ بعد کا تھا آپ کی نظر انتخاب صوم صلوٰۃ کے پابند لوگوں کی بجائے بھٹکی ہوئی انسانیت تھی۔ جو دین سے ناآشنا اللہ اور رسول ﷺ سے اپنا تعلق توڑ چکی تھی تاکہ اللہ اللہ کرنے سے عقائد کی اصلاح ہو جانے اور ان کی نجات کا کچھ سبب بن جائے۔

۱۹۶۲ء میں راولپنڈی کے ایک صاحب کشف ساتھی نے باجماعت نماز ادا نہ کرنے کی وجہ یہ بیان کی کہ مولوی صاحب کی روحانی صورت درست نہیں۔

حضرت نے ایک شفقت نامے میں مجھے لکھا "ہم نے انہی جانوروں کو انسان بنانا ہے، ان کے قریب نہ جائیں تو ان کی اصلاح کیسے ہوگی۔" اور یہی آپ کا مشن تھا۔

آپ سے فیضیاب ہونے والے لوگ

مناظروں اور تقاریر کے دوران چلتے پھرتے تیز طرار لوگوں کو آپ نے ساتھ رکھا اور انہوں نے ہر جگہ آپ کی مدد کی، اب اللہ اللہ سکھانے میں بھی زیادہ تر اپنے ہی لوگوں کو آپ نے منتخب فرمایا خیرکم فی الجاھلیۃ، خیرکم فی الاسلام، معاشرہ کے گھسے پٹے طبقے کی بجائے ان صلاحیتوں والے لوگ جب آپ کے قریب آئے اور ان کی زندگیاں بدلیں تو ان کی وہ ساری توانائیاں جو بگاڑ پر صرف ہوتی تھیں اب وہ معاشرے کی اصلاح کے لئے وقف ہو گئیں۔ حاضر خدمت ہونے والوں میں شراب کشید کرنے والے بھی تھے۔ اور کلبوں میں زندگیاں گزارنے والے بھی غریب امیر افسر ماتحت زمیندار و کاشت کار، عالم وجاہل عوام بھی آتے اور خواص بھی، فرقوں کے اختلافات بھلا کر ہر نظریہ کے لوگ آئے۔

ہر آنے والے پر آپ نے ایسا اللہ کا رنگ چڑھایا کہ صبغۃ اللہ سے اس کی سوچ اور فکر بدل گئی اور ان کی ساری توانیاں اب دین کی خدمت کے لئے وقف ہو گئیں۔

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

گئے گزرے لوگوں کو ایسا خدا آشنا کر دیا کہ اکثر وبیشتر لوگ انہیں دیکھ کر حیران رہ جاتے۔

ایک بوڑھی عورت نے سڑک پر آپ کا راستہ محض اس خاطر روک لیا کہ مجھے اس ہستی کی زیارت کرنا ہے جس نے امان اللہ لک کو انسان بنا دیا ہے۔ ایسی مثالیں ہر شعبہ زندگی میں موجود ہیں۔

علماء

آپ علماء کی بڑی عزت کرتے قریب بٹھا کر توجہ دیتے کراچی میں علماء کے لئے ذکر کا علیحدہ پروگرام رکھا جاتا علم ظاہری کے ساتھ ساتھ باطنی علوم و برکات حاصل کرنے والے چند علماء مولانا نذیر احمد مخدوم مولانا عبدالحق صاحب مولانا شعیب احمد ڈیرہ اسماعیل خان اور مفتی عبدالاول کراچی قابل ذکر ہیں۔ وہ سارے علماء جب کبھی بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے چند لمحات کی صحبت میں علمی قابلیت اور قوت حافظہ پر حیران ہو جاتے بعض دلائل سن کر ششدر رہ جاتے بحیثیت مناظر تو آپ خاصے مشہور تھے۔

کوئٹہ میں علماء کی جماعت حاضر ہوئی عقائد پر بحث چل نکلی آپ نے آیات کے حوالے دیئے تو حیرت سے اعتراف کرنے لگے عقائد کی حقیقت آج پہلی مرتبہ سمجھ آئی ہے اتنے حوالے سن کر آپ کے مطالعہ کی داد دیتے۔

علمیت کو تو سبھی تسلیم کر لیتے لیکن اللہ اللہ کرنے کو تیار نہ ہوتے کیونکہ یہ مجاہدہ مشکل بھی تھا اور زندگی بھر کا بھی اس کے لئے کم تیار ہوئے۔

علماء کی مخالفت

ہر دور میں علماء نے صوفیائے کرام کی مخالفت کی اہل اللہ میں سے کوئی بھی حتیٰ کہ ان کے فتووں سے بایزید بسطامی رح جنید بغدادی رح اور شیخ عبدالقادر جیلانی رح بھی نہ بچ سکے، جس کی تفصیل آپ نے بھی اپنی کتاب اسرار الحرمین میں کی ہے۔

۱۹۶۶ء میں دلائل السلوک ملک کے تمام چیدہ چیدہ علماء کو بھجوائی گئی۔ اکثریت نے خاموشی اختیار کی۔ چند نے مخالفت میں مضامین لکھے جن کا آپ نے مدلل جواب دیا، پھر بھی کچھ چیزیں سب کو حیران کر دیتیں۔

ا۔ ۔ ۔ اتنی جلد فائدہ کیسے ممکن ہے۔

ب :- اس نعمت کا علی الاعلان اظہار کیوں جاتا ہے۔

ج :- ہر شخص کو کیسے کشف حاصل ہو جاتا ہے۔

ایک عالم دین جو پیر طریقت بھی ہیں۔ انہوں نے لکھا کشف تو ہندوؤں کو بھی ہوتا ہے۔

حضرت نے جواباً لکھا "کشف میں فرشتے عذاب و ثواب دکھائی دیتا ہے۔ کافروں کو عذاب اور کو ثواب میں دیکھ کر وہ کافر پھر کیونکر رہ جاتے ہیں۔ لگاتار بھوک پیاس سے ان کے قلوب کی چربی خشک ہو جاتی ہے۔ یکسوئی کی وجہ سے بعض دنیاوی چیزیں دور ہونے کے باوجود دیکھ لیتے ہیں۔ یہ ہرگز کشف نہیں۔

مخالف نے پھر کچھ حوالے لکھے جن میں مولانا تھانوی رح کا بھی حوالہ دیا، آپ نے فرمایا "انہیں تو خود کشف نہیں تھا" دو چار مرتبہ لکھت پڑھت کے بعد آپ نے بند لفافہ راقم کے حوالے کرتے ہوئے فرمایا "یہ لوگ فارغ ہیں جبکہ ہمیں تو دین کا کام کرنا ہے۔ وقت ضائع کرنے کے لئے نہیں ہے۔ اب بھی انہیں شک ہو تو انہیں کہہ دو" بحث جاری رکھنی ہے تو مناظرے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

مناظرہ کا موضوع

آپ ثابت کریں گے کہ کشف ہندوؤں کو ہوتا ہے۔ جبکہ میرا ثبوت کہ یہ نعمت خالصتاً مسلمانوں کو حاصل ہوتی ہے۔

مناظرہ کے نواح میں جہاں اُس وقت تین اضلاع ملتے تھے۔ ساتھ ہی لکھا بحیثیت مناظر آپ مجھے خوب جانتے بھی ہیں۔ بس خاموشی ہو گئی۔

مخالف فتوے

بعض جگہ ساتھیوں کی مخالفت اسی وجہ سے ہوتی رہی خود مجھ پہ بھمبر کے دو مولوی صاحبان تحصیل کے مفتی سے فتویٰ لکھوا لائے کہ تجدید ایمان کے بغیر سلام و کلام اور نماز تراویح کی امامت نہیں ہو سکتی۔ نوشہرہ میں مولوی صاحب نے مسجد کو تالا لگوا دیا کہ یہاں ذکر نہیں کیا جا سکتا

گلگت اور کوہستان کے علماء نے اس کو بدعت قرار دیا، کسی نے ذاکرین کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیا۔ گلگت کی

روح لطیف ہے نورانی ہے جس بدن میں وہ ہے اسی کی شکل پر ہے بدن سے ہونے کے لئے اس کے لئے جسم مشامی کی ضرورت نہیں اس کی تفصیل یہ ہے کہ سب سے پہلے یہ معلوم کر لینا چاہئے کہ حیات کسے کہتے ہیں۔ حیات نام ہے حس و حرکت دیکھنا، سننا، بولنا، قویٰ ظاہری و باطنی کا موجود ہونا۔ روح دنیا میں بدن کو زندگی بخشتا ہے۔ دنیا میں مادی چیزوں کو سنانے میں مادی آلات کا محتاج ہے نہ کہ اپنی حیات مادی بدن کا محتاج ہے بلکہ روح بدن کو حیات بخشتا ہے۔ برزخ میں جا کر روح مادی دنیا کو اپنی آواز نہیں سنا سکتا۔ اس لئے مادی آنکھیں اسے نہیں دیکھ سکتیں۔ مادی کان اس کی بات نہیں سن سکتے حالانکہ وہ خود بولتا ہے سنتا ہے۔ اس کے سارے اعضاء ذاتی ہیں۔ روح خود جسم لطیف، اس کے کان لطیف، اس کی آواز لطیف، اس کو تمام لطیف چیزیں لیتی ہیں اس کی آواز سن لیتی ہیں جیسا ملائکہ قلوب انبیاء، قلوب اولیاء لطیف چیزوں کو دیکھنے یا سننے سنانے میں کسی غیر جسم کے آلات کا محتاج نہیں۔

مرکزی مسجد میں باہر سے ایک مولوی صاحب تشریف لائے اور لوگوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا " کچھ لوگ ناک سے ذکر کرتے ہیں اس سے بچنا نصیحت کرنا میرا ذمہ ہے۔ یہ سراسر گمراہی ہے۔

بعد از نماز Ex عبدالقیوم صاحب نے پوچھا "یہ کرتے کیسے ہیں ذکر کر کے تو دکھائیں فرمایا میں نے دیکھا نہیں انہوں نے پھر پوچھا ناک سے اللہ ہو کیسے کہتے ہیں؟ آپ بھلا ناک سے کھو پانی لا دو!

اب جواب نہ دے سکے اور شرمندہ ہوئے انجمن تحفظ حقوق اہلسنت سکھر نے امان شاہ صاحب کے خلاف درخواستیں

دیں۔ فتویٰ کے لئے حوالے پیش کئے جس کے جواب میں مفتی عبدالحکیم صاحب سکھر والوں سے فتویٰ طلب کیا۔ جو منسلک ہے۔

یہ دور دیوبندی بریلوی وغیرہ مختلف مذہبی گروہوں میں کھینچا تانی کا دور تھا جبکہ آپ کا مسلک سیدھا سادھا۔ نہ کسی سے کوئی جھگڑا نہ اختلاف۔ سوائے ان بنیادی نظریات کے جن لوگوں نے سماع موتیٰ کا ہی انکار کر دیا۔ ان کے خلاف آپ نے دلائل بھی دیئے۔ خطوط میں بھی مسائل بیان کئے کتابوں میں حوالے دیئے کیونکہ ان کا جھگڑا فروعی نہیں بلکہ بنیادی عقیدے کا تھا۔ جو موت کے بعد حیات کے ہی منکر تھے۔

صوفیائے کرام کا طریقہ اصلاح ہمیشہ سے بڑا موثر رہا ہے۔ تزکیۂ نفس کے ذریعے شیخ کی توجہ کے اثر سے خود بخود نظریات بھی بدل جاتے ہیں۔ شیخ کے قلب میں اللہ کی محبت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو نسبت ہوتی ہے۔ انوارات کے ساتھ ساتھ خود بخود مریدین کے قلب میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔ آپ کے پاس آنے والوں کی اصلاح بھی اس طرح آپ کی روحانی قوت بلند منازل اور مناسب کی وجہ سے بڑی ہی تیزی سے ہوئی دنیا انگشت بدنداں تھی۔ کسی بھی فرقے یا گروہ سے آنے والے سب کچھ بھول بھلا کر تزکیۂ نفس، اتباع رسول اکرمؐ اور رضائے باری کو مقصد زندگی بنا کر سارے اختلافات بھلا کر کونوا عباداللہ اخواناً کی عملی تفسیر بن جاتے

پروفیسر صاحبان!

زندگی کے ہر شعبے سے لوگ آپ سے حصول فیض کے لئے منسلک ہونے لگے۔ کوئی تو متلاشی تھے اور کچھ کو جونہی ان کیفیات و برکات کا یقین ہوا مصنوعی پیروں کے دام فریب سے نکل آئے پڑھا لکھا طبقہ خصوصاً اس گرفت سے نکلنے میں جلدی کامیاب ہوا۔

پروفیسر صاحبان میں چند ایک قابل ذکر۔

پروفیسر	صفدر صاحب	ڈگری کالج اٹک
پروفیسر	اکرم صاحب	" " کوئٹہ
پروفیسر	لعل بادشاہ	" " میراں شاہ

زندگی کے دیگر شعبوں سے تعلق رکھنے والے

ہر شعبہ زندگی سے لوگ آئے اور سبھی میں تبدیلیاں آتی گئیں نہ صرف یہ کہ انہوں نے داڑھی اور نماز روزہ سے ظاہر کو ہی بدلا بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں ان پر اثرات مرتب ہوئے۔

ا:۔ نماز نہ پڑھ سکنے والے تہجد گزار ہوگئے۔

ب:۔ دین کا مذاق اڑانے والے اس کے خادم بن گئے۔

ج:۔ حکومت یا لوگوں کے حقوق غصب کرنے والے امین بننے گئے۔

د:۔ راہبانہ زندگی کی بجائے بھرپور جدوجہد کرنے کا عادی بنایا گیا۔

ہ:۔ حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی اہمیت کا احساس دلایا گیا۔

و:۔ مجاہدانہ زندگی کی تلقین کی گئی۔

ز:۔ ظلم سے روک دیا لیکن مظلوم بھی نہ بننے کی نصیحت کی گئی۔

ح:۔ دین کے نام پر اگر کوئی فارغ تھا تو اس کو بھی محنت و مزدوری کی نصیحت کی گئی۔

ط:۔ معاشرے میں داڑھی کہیں کہیں چند لوگ رکھا کرتے تھے۔ جو نہایت منکسر المزاجی کا نشان ہوتے یا پیشہ ور مولوی ہوتے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے والے افسران نے بھی داڑھیاں رکھ لیں اور لوگ شریف سمجھ کر ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کرنے لگے تو آپ نے ایک فوجی افسر کو حضرت فاروقؓ کا نمونہ اپنانے کی نصیحت فرمائی۔

غرضیکہ لوگ کیا سے کیا ہوگئے۔ آپ کا فرمان تھا۔ صحابہؓ میں سے کوئی ایک کہیں بھی اور کتنی مخلوق میں ہوتا تو اس کی پہچان کی جا سکتی تھی بس اسی نصیحت پر آپ کے شاگرد بھی ہر شعبۂ زندگی میں اپنے اسلامی تشخص اور کردار کی خوبی کی وجہ سے پہچانے جا سکتے ہیں۔

اگر ایمان عزیز ہو، اور اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنا مقصود ہو تو معقولیت کا تقاضا یہی ہے کہ آدمی کسی معالج روحانی کو تلاش کرے کیونکہ روحانی طبیب کے بغیر صحت اور تزکیۂ باطن اور تعلق مع اللہ پیدا ہونا محال ہے۔

دو نصیحتیں

آپ ہر موقعہ پہ فرماتے جن کے بڑے ہی مثبت اثرات مرتب ہوتے رہے۔

ا :۔ رزقِ حلال کی کوشش

ب :۔ جماعتِ اہل اللہ کو بدنام نہ کرنا

رزقِ حلال کی طلب نے اپنے فرائض کی ادائیگی۔ معاملات کی درستگی رشوت جیسی کسی بھی لعنت سے لوگوں کو بچا لیا۔ اور کردار و اخلاق کو اعلیٰ بنا کر مخلوق کے سامنے مثالی انسان بننا اہل اللہ کی جماعت کی عملی تفسیر تھی جس سے جتنا ہو سکا اس نے پوری کوشش کی۔ اور ان برکات و فیوضات نے اس میں وہ صلاحیتیں پیدا کر دیں کہ دنیا حیران تھی۔ پھر فیض کسی مخصوص گروہ یا طبقے میں مقید نہ تھا جو آیا اور جس طرح کا بھی آیا بس رنگ چڑھتا گیا۔

ایبٹ آباد بینڈ بجانے والے ایک شخص نے اللہ اللہ شروع کی دن کو پائپ بینڈ سحری کو تہجد صبح و شام ذکر، یہ نوکری اب پسند نہ رہی لیکن بیروزگاری میں اس ذریعۂ رزق کو چھوڑنے کی اجازت بھی نہ مل سکی۔ بادلِ نخواستہ اب تک نوکری جاری رکھے ہوئے ہے لیکن

کسی کو کیا خبر بینڈ بجانے والوں کو بھی کسی کی نگاہ اور توجہ نے حضوری دربارِ رسالت ﷺ سے نواز دیا ہے کہ سحر و شام اس بارگاہ مقدس کی حاضری ایسے شخص کو بھی نصیب ہے جبکہ قبہ و دستار والے اور خانقاہوں میں عمریں گزار دینے والے ان کیفیات سے ناآشنا ہیں۔

کم از کم تین ہزار ایک سو مرتبہ درود شریف پڑھنا اس کا وظیفہ ہے اور مزید جتنا ہو سکے۔

بقولِ مولانا رومؒ

چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی

اور بقول میاں صاحبؒ

کامل پیر محمد بخشا لعل بناون پتھر دا

جو آیا اس پہ رنگ چڑھتا گیا۔ عالم و جاہل پیر و جواں مرد و زن جس میں جتنی استعداد اللہ کریم نے رکھی تھی سخاوت کے اس دریا سے اس نے اتنا حصہ ضرور پایا آپ کی ذات میں بخل و کنجوسی نام کی کوئی چیز نہیں تھی مخلوق کے ساتھ آپ نے جتنا سخاوت کا معاملہ فرمایا اس سے قبل اہل اللہ میں شاذ و نادر ہی ایسا ہوا ہو۔ اور اللہ کریم نے بھی اسی طرح آپ اتنی ہی رحمتیں عام فرمائیں کہ اس سخی کے در سے آپ کے بھی اسی طرح نواز آگیا۔

اس نعمت کو اتنا عام دیکھ کر جن کے پاس نہ تھی وہ حسد اور مخالفت کرنے لگے۔ مثلاً سکھر میں حق نواز نامی ایک شخص نے غلط حوالے لکھ کر مفتی صاحبان سے آپ کے مریدین کے خلاف فتویٰ حاصل کیا۔ امان اللہ شاہ صاحب جو ان دنوں سکھر ڈیوٹی پہ تھے آپ کی کتب اور تصوف پر سابقہ بزرگان کے دلائل لکھ کر لے گئے اور مفتی صاحب کو حقائق سے آگاہ کر کے فتویٰ حاصل کیا۔ آپ لوگوں کے علم کے لئے وہ حوالے اور فتویٰ درج ذیل ہے۔

آپ نے مختصر سے عرصے میں بے شمار نفوس کی اصلاح فرما کر تاریخ کا دھارا موڑ دیا۔ کلبوں میں زندگیاں گنوانے والے بارگاہِ الوہیت میں پیش ہونے لگے۔ حضورؒ کی نسبت نے قال و حال دونوں کو بدل ڈالا کہ دیکھنے والے بھی حیران ہونے لگے کہ یہ شخص کل کیا تھا اور آج کیسے اور کیونکر اتنا بدل گیا۔

جن کی طلب صادق تھی کسی نہ کسی طرح اللہ نے ان کو آپ تک کسی سبب سے پہنچا دیا۔ دنیا کی طلب ہی جن کی زندگی کا مقصد تھا ان کے لئے آپ کی زیارت و ملاقات بطور تمام صحبت پوری کر دی۔

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبر کامل

کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ مے آرد سکندر را

چند واقعات اور آپؒ کے تاثرات

• اللہ کریم نے آپ کے قرآن پاک کے پڑھنے میں ایک خاص اثر رکھا تھا۔ شیخ کاملؒ صاحب دل صوفی اور ساتھ آواز۔ یہ سب مل کر آپ کی زبان مبارک سے کلام پاک اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہتا تھا۔ ایک مرتبہ آپ پنڈی گھیب تشریف لے گئے وہاں پر سکھوں کی شادی تھی لوگ بھنگڑا ڈال کر بہت شور و غوغا کر رہے تھے۔ ادھر عشاء کی نماز کا وقت تھا اور آپ نے امامت کروانا تھی جب آپ کھڑے ہوئے تو دل میں کہا کہ آج قرآن پاک کا معجزہ دیکھتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے جیسے ہی اللہ اکبر کہا پوری فضا پر سناٹا چھا گیا۔ آپ کی آواز سے قرآن پاک کی قرأت۔ آپ نے پہلی رکعت میں پوری سورۃ "بقرہ" پڑھی اور دوسری رکعت میں سورۃ "النساء" مسجد سے باہر کے حصہ میں پورے کے پورے سکھ اپنے تمام شور و غل کو چھوڑ کر قرآن پاک کو سننے کے لئے اکٹھے ہو گئے جب آپ نماز پڑھ کر مسجد سے باہر آئے تو ایک شیعہ جو کہ قرآن کی تلاوت سننے کے لئے کوٹھے کی چھت پر بیٹھا تھا۔ اس نے آواز لگائی کہ گو آپ کا مذہباً مخالف ہوں۔ لیکن آپ کی زبان مبارک سے قرآن پاک کو سن کر آپ کا گرویدہ ہوں اور آپ کو کھانے کی دعوت دیتا ہوں۔ آپؒ نے ارشاد فرمایا کہ کھانا تو اپنے ساتھیوں کے پاس کھاؤں گا آپ کو قرآن پاک سننا ہے تو مسجد میں آ کر سن لینا۔ آپ کے ورع و تقویٰ، پرہیزگاری اور احیائے دین کی کوششوں کا اگر مطالعہ کرنا ہے تو آپ کے متوسلین اور آپ کے پیروکاروں کی زندگیوں کو دیکھنا چاہیئے ہم نے ان گنہگار آنکھوں سے بہت سے آدمیوں کی زندگی کو اس عظیم ہستی کے قدموں میں آنے کے بعد بدلتے دیکھا ہے۔ حضرت جیؒ رحمت اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ان لوگوں کو بڑی محنت سے سیدھا کیا ہے۔ ان کو کلبوں سینما گھروں اور شراب خانوں سے نکال کر منارہ کے سکول کے ٹاٹوں پر بٹھایا ہے۔ نرم نرم بستروں اور گدوں پر سونے والوں کو منارہ کے پتھریلی زمین پر سلایا ہے۔ ایک ایک وقت میں دسترخوان پر کئی کئی کھانے کھانے والوں کو منارہ کے لنگر کی دو روٹیوں اور دال کی پیالی پر قناعت کرنا سکھایا ہے۔ رشوت خوروں سے نہ صرف یہ کہ رشوت چھڑوائی ہے بلکہ لی ہوئی رشوت کی رقم تک واپس کروائی ہے جب دو وقت ذکر الہی کی پابندی نصیب ہوئی ہے تو یہ لوگ نمازی تہجد گزار اور معاملات کی صفائی کرنے والے بن گئے ہیں۔ ان میں بعض

احباب کا مجاہدہ ان کی عبادت و ریاضت تقویٰ پرہیزگاری کو دیکھ کر قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے بعض کی کشف و کرامات متقدمین صوفیاء کا نمونہ پیش کرتی ہیں۔

● ایک مرزائی فوجی آفیسر جماعت میں شامل ہو کر ذکر الٰہی کرنے لگ گیا تو اس کے برادری والے جو سب مرزائی تھے انہوں نے بائیکاٹ کر لیا۔ آپؒ نے فرمایا کہ اسے کہو کہ چھٹیوں میں میرے پاس آ جایا کرے۔ ایک دفعہ آپ نے اس سے پوچھا کہ قادیان میں مرزا قادیانی کی قبر کو دیکھا ہے تو اس نے کہا کہ ہاں دیکھا ہے تو آپؒ نے ارشاد فرمایا کہ میرے ساتھ اس کی قبر پر چلو اور اس کی روحانی حالت کا مشاہدہ کرو۔ چنانچہ اس نے دیکھا کہ مرزا صاحب ریچھ کی شکل میں جکڑے ہوئے سخت عذاب میں مبتلا ہیں۔ وہ ڈر گیا اور ڈر سے رو پڑا تھا۔

بعد میں اس کی شادی کا مسئلہ تھا تو احباب نے عرض کیا کہ شادی کی وجہ سے پھر کہیں مرزائی نہ ہو جائے تو آپؒ نے فرمایا کہ ابھی مرزائی تو ہوتا نہیں کہ اس نے آنکھوں سے اپنے نبی کی حالت کو دیکھ لیا ہے بعد میں اس شخص نے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ رابطہ کر کے ہونے والی بیوی کو مسلمان کیا اور پھر شادی کی تھی۔

آپ نے ایک دفعہ فرمایا کہ طالب علمی دور کے میرے ایک دوست عالم دین تھے۔ میں اُس کے پاس ملنے گیا احباب کو پتہ چلا تو چند اکٹھے ہو گئے اور جب آپ نے عشاء کی نماز میں قرأت شروع کی تو احباب نماز میں رونے لگ گئے جس پر وہ عالم دین کہنے لگے کہ آپ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ لوگوں کی نمازیں خراب کر دیں ہیں۔ آنحضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو تہجد کے ذکر میں شامل کیا اور جب توجہ دی تو وہ تڑپنے لگے اور ادھر اُدھر ٹکریں مارنے لگا۔ بعد میں ساتھیوں نے اس سے کہا کہ رات کو ہم کو کہنا تھا اور ابھی ہم سب کو ذکر میں تنگ کیا ہے آپ فرماتے تھے وہ شخص بڑے افسوس سے مجھے کہنے لگا کہ آپ میرے بچپن میں دوست تھے لیکن آپ نے یہ دولت مجھ سے چھپا کر رکھی۔ آپ نے فرمایا کہ اس وقت یہ دولت میرے پاس بھی نہیں تھی۔

۱۔ آپ نے معاملات کو درست فرمانے کی تاکید کی تھی اور فرمایا تھا کہ اکثر عذاب قبر معاملات کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ ساتھی اپنے معاملات کی فکر کیا کریں۔

۲۔ ایک دفعہ دارالعرفان میں اجتماع کے موقعہ پر ایک آدمی نے آ کر اپنی مشکلات اور پریشانیوں کو بیان کر کے کہا کہ مجھے کچھ پڑھنے کو بتائیں۔ تو آپ نے اس کو کچھ پڑھنے کے لئے بتایا اور اس کے بعد فرمایا کہ عبداللہ بن ابی حمزہ ایک بڑے بزرگ ہو کر گزرے ہیں۔ انہوں نے بخاری کی شرح لکھی ہے وہ فضائل ذکر والی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اگر اللہ کا ذکر خلوص دل کے ساتھ کیا جائے تو اللہ کریم تمام مشکلات اور پریشانیوں کو دور فرما دیتے ہیں اسی بارے میں ایک آدمی نے رزق کی تنگی کے بارے میں عرض کیا تو آپ نے اس کو بھی کچھ پڑھنے کے لئے بتانے کے بعد مندرجہ بالا حوالہ دے کر فرمایا کہ خلوص دل کے ساتھ اللہ کا ذکر کرنے والوں کو اللہ کریم رزق میں فراغت عطا فرماتے ہیں۔ اور ذکر الٰہی کرنے والا رزق کی تنگی میں مبتلا نہیں ہوتا ہے۔

۳۔ درود شریف کے فضائل بیان فرماتے ہوئے فرمایا کہ کثرت سے درود شریف پڑھنے والے کو قیامت کے دن قرب محمدی صلی اللہ علیہ وسلم نصیب ہوگا۔ دنیا میں حادثات سے اللہ کریم حفاظت فرماتے ہیں اور رزق کی تنگی دور ہو جاتی ہے۔ اس سلسلے میں ایک صوفی کا واقعہ سنایا جو کہ کافی مقروض تھا قرض لینے والے نے اس پر مقدمہ کر دیا۔ جج نے اُسے کہا کہ فلاں تاریخ تک رقم ادا کرو ورنہ جیل بھیج دیئے جاؤ گے اس نے کہا کہ میرے پاس ابھی کسی قسم کی کوئی رقم نہیں ہے اگر ہوتی تو ادا کر دیتا۔ جب ہوگی ادا کر دوں گا۔

پریشانی کی حالت میں دربارِ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ فلاں حاکم کے پاس جاؤ اور میرا سلام کہو۔ اس سے کہنا کہ آپ روزانہ مجھ پر دفتر جانے سے پہلے ہزار مرتبہ درود شریف پڑھتے ہو فلاں تاریخ کو تم نے درود شریف نہیں پڑھا۔ اس کے عوض میں میرا قرض ادا کر دو۔ تو اس شخص نے قرض کی رقم دی اور ساتھ اس کے خرچہ کے لئے رقم دی جب مقدمہ کی تاریخ آئی تو اس صوفی نے قرض کی رقم واپس کر دی۔ جب رقم واپس کی تو جج نے پوچھا کہ اتنی رقم تم نے کہاں سے لی ہے جب کہ تم کہتے ہو کہ میرے پاس رقم ہی نہیں ہے۔ اس نے سچ بات کہی تو جج نے کہا کہ اگر یہ بات ہے تو قرض میں ادا کرتا ہوں مگر قرض لینے والے

نے کہا نہ میں اپنا قرض اللہ کے لئے معاف کرتا ہوں۔

یہ واقعہ مجھے جماعت کے ایک ساتھی گل محمد صاحب کھجر بار والے نے سنایا تھا۔ کہ میانوالی والی کا ایک بدمعاش قسم کا آدمی آپ کے پاس چکر الہ آیا کرتا تھا۔ آپ بھی اس کی عزت کرتے اور چارپائی وغیرہ بچھا دیتے لیکن وہ کبھی بھی آپ کے سامنے چارپائی پر کسی بھی اونچی جگہ پر نہ بیٹھتا بلکہ زمین پر بیٹھتا اور آپ کا بہت زیادہ ادب کیا کرتا تھا اور کہا کرتا کہ حضرت صاحب اگر آپ کو کبھی اسلام کے لئے اللہ اور اس کے رسول کے لئے گولی چلانے یا گولی کھانے کی ضرورت ہو تو میری بندوق اور سینہ حاضر ہے۔

کچھ عرصہ کے بعد وہ فوت ہو گیا۔ ایک دن حضرت جیؒ نے شفقت فرمائی اور اس کا خیال آیا تو اُسے برزخ میں بڑے عیش و آرام میں پایا۔ تو آپ نے اس سے پوچھا کہ بھئی یہاں کیسے پہنچ گئے تو وہ کہنے لگا کہ آپ کی وجہ سے۔ کیونکہ میں آپ کے ساتھ محض اللہ کے دین کی نسبت سے محبت اور عقیدت رکھتا تھا اور آپ کا ادب کرتا تھا۔ اور دوسرا جو میں اسلام کے لئے گولی چلانے اور کھانے کی بات کرتا تو دل کی گہرائی سے کہا کرتا تھا جس کی وجہ سے اللہ کریم نے مجھ پہ رحم فرمایا ہے۔

۵ :۔ آپ سے اکثر یہ واقعہ سنا ہے کہ ایک دفعہ اورنگ زیب عالمگیر کو ایک بہروپیا مختلف بھیس بدل کر دھوکا دینے کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن آپ ہر بار اُس کو پہچان جاتے ایک دفعہ اُس نے بادشاہ کو چیلنج کیا کہ میں ایسا بھیس بدلوں گا کہ آپ مجھے نہیں پہچان سکیں گے تو بادشاہ نے کہا کہ اگر تم مجھے دھوکا دے لو گے تو ایک ہزار اشرفی انعام دوں گا۔ کچھ عرصہ کے بعد اورنگ زیب عالمگیر کا دکن کا دورہ تھا تو وہ بہروپیا ایک فقیر درویش کی شکل میں دکن کے قریب بیٹھ گیا۔ وہ کسی سے کچھ نہ لیتا اور اپنے مقصد کے لئے ذکر و فکر میں مشغول رہتا۔ جو کوئی آتا کسی کو دعا دیتا کسی کو دعا دیتا لیکن کسی سے کچھ نہ لیتا تھا۔ تھوڑے عرصہ بعد اُس کی بڑی مشہوری ہو گئی۔ جب بادشاہ دکن کے دورے پر گیا تو اس درویش کی عبادت کے چرچے سُن کر بادشاہ بھی اُسے ملنے کے لئے چلا گیا ملاقات کے بعد بادشاہ نے دو ہزار اشرفی کا نذرانہ پیش کیا مگر اس نے لینے سے انکار کر دیا۔

کچھ دنوں کے بعد بادشاہ کے دربار میں وہی بہروپیا آیا اور کہنے لگا کہ میرا ایک ہزار اشرفی کا انعام دے دیں بادشاہ نے کہا کہ انعام تو میں دے ہی دوں گا پہلے یہ بتاؤ کہ جب میں نے تم کو دو ہزار اشرفی دی تھی وہ تم نے نہیں لی اور ایک ہزار کے لئے آ گئے ہو تو اُس نے عرض کیا کہ بادشاہ سلامت اس وقت میں نے جن نیک لوگوں کا روپ بنا ہُوا تھا میں اُن لوگوں کو بدنام نہیں کرنا چاہتا تھا چنانچہ حضرت جی رحمت اللہ علیہ فرماتے تھے آپ سب اہل اللہ کے ساتھ نسبت رکھنے والے ہیں اپنے اعمال کی حفاظت کرو مبادا کہ تمہارا کوئی فعل اہل اللہ کی بدنامی کا باعث بن جائے۔

۶ :۔ ایک دفعہ آپ نے ایک ساتھی ملک غلام محمد کا واقعہ سنایا کہ وہ بیوی سے ناراض ہُوا اور گھر سے نکال دیا وہ اپنے میکے چلی گئی۔ ایک دن اس نے مراقبہ میں دیکھا کہ بیوی نے میلے کپڑے پہنے ہوئے ہیں اور گھر میں برتن دھو رہی ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے بیٹے کو ۱۰۰ روپے دے کر بھیجا کہ والدہ کو جا کر لے آؤ اور اسے ۱۰۰ روپے دے دو۔ آپ نے فرمایا کہ یہ واقعہ جب "اکرم" کو معلوم ہُوا تو اس نے مذاق میں کہا کہ مراقبے میں عورتوں کو ہی دیکھنا ہے تو عورتوں کے ساتھ نہ لڑا کریں اور نہ میکے بھیجا کریں۔

جب میں نے آپ سے آپ کے حقیقی جانشین اور اپنی ذاتی نگرانی میں تربیت کردہ خلیفہ اوّل کا نام سنا ہے آپ بڑے پیار اور شفقت بھرے انداز سے "اکرم" بھی کہا کرتے تھے اسی لئے حضرت جی کے الفاظ میں یہی نام لکھنے کی گستاخی کرتا ہوں اللہ معاف فرمائے۔

۷ :۔ ایک دفعہ آپ اپنے اسی روحانی تربیت یافتہ جانشین سے فرمانے لگے کہ آرام کا وقت بہت کم ملتا ہے۔ اکثر احباب آتے رہتے ہیں۔ اور آرام کا وقت خراب ہو جاتا ہے تو فرمانے لگے کہ حضرت ایک پیر صاحب کا خادم پاؤں دبا رہا تھا۔ پیر صاحب سونے کے موڈ میں تھے اور باہر بچے شور مچا رہے تھے اُس نے خادم کو بھیجا کہ بچوں کو بھگا کر آؤ۔ وہ بچوں کو بھگا آیا پیر صاحب کی جیسے آنکھ لگی بچوں نے شور مچایا اور کھیل کود میں لگ گئے تو پھر خادم کو کہا کہ جاؤ ان کو بھگا آؤ وہ بےچارہ پھر ان کو بھگا آیا۔ تو کچھ دیر کے بعد پھر بچے شور مچانے لگے اب جب خادم کو کہا تو وہ کہنے لگا کہ حضرت صاحب جو بھی اولاد کے لئے آتا ہے آپ اسے تعویذ لکھ دیتے ہیں جب لوگوں کے بچے پیدا ہو گئے ہیں تو وہ شور تو مچائیں گے۔

اس کے بعد آپ کے جانشین نے عرض کیا کہ حضرت جی جو بھی آتا ہے آپ اُسے لطائف مراقبات اور منازل سلوک سے مالا مال کر دیتے ہیں۔ اب جس کو بھی اس دولت کا پتہ چل جائے گا وہ آپ کا پیچھا اور ساتھ کیسے چھوڑ سکتا ہے۔ شیخ رحمتہ اللہ علیہ یہ سُن کر خوب ہنسے۔

ایک دفعہ حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک ساتھی (آپ نے نام بھی لیا تھا لیکن میں بھول گیا ہوں) خط میں لکھتا کہ میں اکثر ذکر کرتا ہوں تو آپ کو اپنے دا ہنے طرف بیٹھا دیکھتا ہوں۔ اس دفعہ اس نے مجھے بتایا کہ حضرت جی میں نے بڑی عجیب بات دیکھی ہے کہ میں ایبٹ آباد جا رہا تھا کہ تزنول سے آگے بس کا ایکسیڈنٹ ہُوا۔ میں نے دیکھا کہ کنڈیکٹر اور ڈرائیور دونوں فوت ہو گئے ہیں۔ اور آپ نے اسٹیرنگ سنبھال لیا ہے اور ۱۰ میل آپ نے بس کو چلایا ہے۔ اس کے بعد بس خود بخود رک گئی ہے۔

حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے تو اس کا کوئی پتہ نہیں ہے یہ تمہاری کرامت ہے کہ تمہاری حفاظت کے لئے اللہ کریم نے میری شکل میں ایک فرشتہ بھیجا جس نے بس کو گرنے سے اور مزید نقصان ہونے سے بچا لیا۔

گذشتہ پانچ سال سے ایک واقعہ میرے پاس بطور امانت تھا۔ کئی دفعہ سوچا کہ یہ امانت صحیح حق داروں تک پہنچ جائے۔

اگست ۱۹۸۴ء کے سالانہ اجتماع کا آخری ہفتہ تھا۔ میں سدا کا سُست اور نا اہل صرف آخری ہفتہ میں حاضر ہُوا۔ اسی روز حکم ہُوا مرشد آباد چند روز خدمت کے لئے کون کون جانے کو تیار ہے۔ میں ابھی سوچ رہا تھا کہ مطلوبہ تعداد پوری ہو گئی۔ بہانہ سازی کے طور پر فیصل آباد کے ساتھی منیر صاحب سے کہا کہ تم ہمیشہ مرشد آباد چلے جاتے ہو اس دفعہ مجھے جانے دو۔ تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے پیغام دیا کہ ٹھیک ہے میری بجائے تم مرشد آباد جاؤ گے۔

جناب ناظم اعلیٰ صاحب کی ہمراہی میں جناب ملک نسیم صاحب کی ڈرائیونگ تھی اور ہم تین ساتھی تقریباً دو گھنٹے میں مرشد پہنچ گئے۔ یہاں پہنچ کر معلوم ہُوا کہ جسے خدمت کا نام دیا گیا تھا وہ تو میرے جیسے ناکارہ کے لئے انوار و برکات کی انتہائی عنایت تھی۔ شیخ المکرم'' کی قبر مبارک کے گرد تین فٹ چار دیواری کے لئے بنیاد تھی جس کی کھدائی ہو چکی تھی بنیاد بھری جا رہی تھی۔ مہمان خانہ کی چھت کا کام تھا اور بس۔

برسات کا موسم بارانی علاقہ کے لئے نعمت غیر قبہ ہوتا ہے لیکن تعمیرات کے دوران یہی بارش تخریب کاری کا باعث بنتی ہے۔ میرا اپنا کاروبار بھی تعمیرات سے ہے۔ صبح فجر کے بعد دیکھا مشرق سے طلوع شمس کے نصف گھنٹہ بعد ہی زبردست گھٹا اٹھی۔ بجلی کی چمک اور کڑک اس پر مستزاد میں سوچنے لگا آج کام نہیں ہو سکے گا۔ ابھی زبردست بارش شروع ہو جائے گی۔ اتنی تیز اور اتنی جلدی بارش ہوگی کہ ہم اپنے کپڑے اور سامان بھی نہیں سنبھال سکیں گے۔ حضرت ناظم اعلیٰ صاحب کی طرف دیکھا تو وہ ہر فکر سے بے نیاز اپنے کام میں مشغول تھے۔ آسمان کی طرف دیکھا تو حیرانی کی انتہائی ہو گئی۔ مرشد آباد مزار اور مسجد کو مرکز تصور کر لیں تو چاروں طرف تقریباً ۲½ - ۳ میل گولائی میں آسمان خالی اور اس دائرہ کے باہر زوروں کی بارش اور بجلی کی گرج اور چمک تھی۔

پھر تو پورا ہفتہ اسی طرح گزرا۔ صبح سورج نکلنے کے تھوڑی دیر بعد گھٹا آجاتی۔ بارش زوروں پر ہوتی۔ باہر سے روزانہ ساتھی آتے بارش میں شرابور۔ گاڑیاں کیچڑ سے لت پت لیکن مزار مبارک سے تقریباً ۲½ - ۳ میل کے فاصلہ سے بالکل خشک۔
آخری روز اجتماع مرشد آباد میں تھا۔ غالباً ۲؍ اگست جمعرات تھی۔ حضرت المکرم مدظلہ تشریف لائے۔ تمام اکابرین اور ممکنہ حد تک ساتھیوں کی اکثریت مرشد آباد میں جمع تھی ابھی اس کمرہ کی چھت نامکمل تھی جس کے اندر حضرت المکرم مدظلہ اور اکابرین کا قیام تھا۔ دوپہر کے بعد آسمان پر موجود دائرہ ختم ہو گیا اور تیز ہوا شروع ہو گئی۔ مجھے یقین تھا کہ آج اس بارش کو برسنے سے کوئی نہیں روک سکے گا۔ تقریباً پانچ سو ساتھی مسجد کے ہال میں نہیں سما سکیں گے۔ برآمدہ ویسے ہی کھلا تھا ہال میں کھڑکیاں ابھی تک نہیں لگی تھیں۔

میں نے حافظ عبیداللہ صاحب سے گذارش کی رات آجائے گی حضرت المکرم مدظلہ اور اکابرین کو پریشانی ہوگی لہذا کسی اور چھت کے نیچے ان بزرگان کے قیام کا بندوبست

کر دیا جائے تو فرمانے لگے جاؤ بارش نہیں آئے گی۔ میں سوچنے لگا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا ہے بجلی بار بار چمک رہی ہے۔ گرج زوروں پر ہے اور حافظ صاحب فرما رہے ہیں کہ جاؤ بارش نہیں آئے گی۔ کچھ انتظار کر کے ناظم اعلیٰ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ صورت حال عرض کی اور حافظ صاحب کا جواب بھی۔ فرمانے لگے اچھا تم فلاں کمرے میں بندوبست کر رکھو اگر بارش ہوئی تو وہاں پر اکابرین کو SHIFT کر دیں گے۔ لیکن اس بندوبست کی اطلاع جناب احمد نواز صاحب کو ضرور کر دو کہ انہیں ساتھ لے کر دکھا بھی دو۔ اب مجھے اطمینان ہو گیا۔ رات سکون سے سوئے صبح تہجد پڑھی۔ معمول ہوا فجر کی نماز کے بعد درس قرآن کے بعد حضرت المکرم نے اجتماع ختم کرنے کا اعلان فرما دیا۔ کسی نے عرض کیا حضرت المکرم مدظلہٗ نے فرمایا اجتماع آج ختم کر دیا گیا ہے۔ رہنے والے رہ جایا کرتے ہیں۔ جمعہ ۷ اگست کو ناشتہ کے بعد ساتھی اجازت لے کر واپس ہونا شروع ہو گئے۔ حضرت المکرم مدظلہٗ بھی تشریف لے گئے مجھے ناظم اعلیٰ صاحب نے مزید ایک روز رکنے کا حکم دیا تھا۔ لہذا میں ٹھہر گیا۔ اور نامکمل کام کی تکمیل کے بارے میں پروگرام بنانے لگا۔ تقریباً ½۸ بجے دعا میں شریک تمام ساتھی جا چکے تھے اور پھر ۹ بجے صبح بارش جو شروع ہوئی تو اُس نے شاید پورے ہفتہ کے بندھن توڑنے کا ارادہ کر رکھا تھا۔ مسلسل تین گھنٹے درمیان میں چند لمحوں کے لئے رکی تو نہیں بلکہ کم ہو کر پھر نئے سرے سے۔ جمعہ کی نماز پھر عصر بھی سب بارش میں ادا ہوئیں۔

اگلے روز مجھے دارالعرفان حاضری کا حکم ملا۔ آزاد کشمیر سے آئے ہوئے ساتھیوں کی بس میں مجھے جگہ مل گئی۔ دارالعرفان پہنچ گئے۔ یہاں آ کر میں نے حضرت المکرم مدظلہٗ سے عرض کیا کہ حضرت کل ساتھیوں کے جانے کے بعد زبردست بارش ہوئی اور تقریباً سارا دن بارش ہوتی رہی۔ حضرت المکرم مدظلہٗ کا جواب ہی اس ساری تحریر کا باعث ہے۔

فرمایا "اچھا! اسی لئے حضرت جیؒ نے اجتماع ایک روز قبل ختم کرنے کا حکم دیا تھا۔"

اور میں آج بھی یہ سوچ رہا ہوں کہ ایک مشفق و شفیق باپ" اپنے روحانی بیٹوں کی تمام تر خامیوں، غلطیوں اور کوتاہیوں کے باوجود انہیں پریشانیوں سے بچانے کے لئے کس قدر کوشاں ہے۔

اَللّٰھُمَّ ارْفَعْ دَرَجَتَہٗ عِنْدَکَ وَعِنْدَ حَبِیْبِکَ ﷺ

ابواطہر

بخدمت جناب مصنف سوانح عمری اعلیٰ حضرت صاحب

گذارش ہے کہ

واضح رائے اعلیٰ ہو کر ۱۹۷۳ء ماہ جولائی میں جب گرمیوں کے موسم میں اعلیٰحضرت صاحب یہاں منارہ میں تشریف لائے تھے مجھے مستری خدا بخش ساکن نور پور تحصیل پھالیہ ضلع گجرات کے ہمراہ جناب اعلیٰحضرت کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ملا اور تقریباً ۷ دن میں آپ کی خدمت میں رہا۔ بطور تحفہ میں آپ کی خدمت میں آم لے گیا تھا جناب نے ایک طالبعلم کو بلا کر تمام کے تمام اس کو دیدیئے اور حکم دیا کہ سب طالب علم اپنا اپنا حصہ لے لیں اور جناب نے اپنے حصہ کے لیے ایک بھی آم اپنے پاس نہ رکھا میرے دل میں کچھ پریشانی ہوئی کہ شاید آم کی قیمت میں کوئی شک نہ ہو کہ حضرت جی نے اپنے لیے کیوں نہیں رکھا تو جناب کے دل مبارک میں میرے اس خیال کی اطلاع ہو گئی۔ جناب نے مجھے اپنے پاس بٹھا کر فرمایا میں تم کو بھی منع کروں گا کہ بازار کی چیزیں بذات خود بھی استعمال نہ کریں اس لیے کہ منحوس ہاتھ اس کی نحوست اس چیز میں اثر کرتی ہے اور اس چیز کے استعمال کرنے والے کا دل بھی مکدر ہو جاتا ہے۔ اس واقعہ کے تین دن کے بعد عشاء کی نماز پڑھ کر آپ اپنے کمرہ میں تشریف لے گئے اور مجھے پاس بلوا لیا اس وقت میرے دل میں یہ خیالات فاسدہ تھے کہ ممکن ہے یہ صاحب محض عالم اور گدی نشین ہی ہوں اور باطن کے علم سے ناواقف ہوں بس خیال میں باہر اکیلا سوچ رہا تھا جناب نے مجھے اندر بلا لیا اس وقت تقریباً ستر افراد سے زیادہ اس کمرے میں تھے ایک صاحب جن کا نام مجھے صرف اتنا یاد

ہے حکیم محمد صادق اور دو افراد جن کے نام کی مجھے واقفیت نہیں ان ہی تین افراد کو جناب نے یعنی حضرت اعلیٰ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت داتا صاحب لاہوری سے دریافت کرو کہ کیا میری یہ مرض علاج پذیر ہے تو میں کس سے علاج کرواؤں اور میرے لیے کون سا معالج بہتر رہے گا۔ ان تینوں افراد نے چند منٹ مراقبہ کیا تو کہا کہ داتا صاحب فرماتے ہیں کہ دو حکیم لاہور میں موجود ہیں ایک اہلحدیث ہیں اور ایک اہل سنت کا دونوں فن طب میں ماہر ہیں۔ آپ ان میں سے کسی سے بھی علاج کروائیں۔ اس کے بعد حضرت نے ارشاد فرمایا کہ داتا صاحب بہت مختصر پسند ہیں لہٰذا آپ حضرات حضرت غوث بہاؤالحق ملتانی سے دریافت کریں کہ میرے لیے کون معالج بہتر رہے گا کہ میں وہاں جا کر علاج کرواؤں حضرت غوث رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی جواب داتا صاحب والا دیا کہ جب میں اپنے گاؤں سے منارہ میں آیا تو میں یہاں مقامی حکیم سے دوائی کی چند خوراکیں تھیں مجھے ان سے آرام ہوا۔ بعد دوبارہ میں نے اسی حکیم سے کہا کہ یہ دوبارہ بنا دو اس نے وہی نسخہ دوبارہ تیار کر کے دیدے۔ مگر اس بعد والی دوائیں سے کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ حکیم نے کہا تھا کہ یہی وہ پہلا نسخہ ہے جس سے آپ کو آرام ہوا تھا۔ آپ نے تینوں مراقبہ والے حضرات سے فرمایا کہ تم دریافت کرو کہ پہلے والے نسخہ کی اجزا دریافت کرو۔ اور دوسرے بعد والے نسخہ کی اجزا بھی دریافت کرو کہ کیا فرق ہے۔ نیز کیا نسخہ وہی ہے یا کہ بدلا ہوا ہے تو انہوں نے مراقبے میں دریافت کر لیا کہ پہلے والے نسخہ میں مروارید تھے اور دوسرے نسخہ میں صدف ڈالا گیا ہے جس میں مروارید شامل نہ تھے جس کی وجہ سے یہ نسخہ غیر موثر ہوا۔

آپ کی خدمت میں گذارش ہے کہ ۱۹۷۳ء ہی میں مجھے جو وظائف آپ نے ارشاد فرمائے تھے وہ چھوٹ گئے جناب اعلیٰ حضرت نے مجھے خواب میں تاکید فرمائی کہ یہ وظائف چھوڑنے والے نہیں ہیں۔ آئندہ سختی پابندی سے اس کو ادا کریں اور ساتھ ہی جناب نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اب تک بیعت، عام کرنے کی اجازت نہیں ہوئی مگر میں آپ کی بیعت کرتا ہوں آیا یہ خواب کی بیعت کچھ اثر رکھتی ہے یا کہ ایسے ہی ہے یا کہ محض خیال ہے۔ میرے ان خیالات کو جو کہ آپ کی خدمت میں پیش کئے جا رہے ہیں اگر آپ مناسب سمجھیں تو اسی طرح اپنے رسالہ میں درج کر دیں۔ اس میں تبدل و تغیر نہ ہو۔ والسلام

درس حکیم فیض رسول صدیقی۔

فیض آباد متصل مزار شاہ کیلا ڈاکخانہ کوپرہ تحصیل ڈسکہ ضلع سیالکوٹ

محترمی مکرمی جناب مدیر ماہنامہ المرشد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مزاج گرامی بخیر

گذارش ہے کہ کافی عرصہ سے المرشد کا قاری ہوں۔ المرشد میں حضرت جیؒ نمبر کے متعلق پڑھا۔ اپنی زندگی کا انمول واقعہ لکھ رہا ہوں۔ امید ہے کہ آپ اسے ضرور شائع فرمائیں گے۔ میں ۱۹۸۲ء میں منارہ اجتماع پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت نصیب ہوئی۔ کافی عرصہ سے مجھے کامل مرشد کی تلاش تھی۔ میرے والدین حضرت احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ اس وقت میں چھوٹا تھا اور میرا نام حبیب اللہ حضرت احمد علی علیہ رحمت نے رکھا تھا۔ ایک دن میرا چھوٹا بھائی گم ہو گیا میں اس کو تلاش کرنے جا رہا تھا کہ راستہ میں مجھے صوفی حکیم محمد شفیق صاحب ملے۔ انہوں نے مجھے دعوت دی کہ آج ہم منارہ شریف جا رہے ہیں میں نے کہا کہ آپ وہاں کیا کرنے جا رہے ہیں تو حکیم صاحب نے فرمایا وہاں ہمارے پیر و مرشد حضرت مولانا اللہ یار خاں صاحب سلسلہ اویسیہ کے بزرگ ہیں۔ ہم ان کی زیارت اور ان سے اللہ اللہ سیکھنے جا رہے ہیں۔ میرے دل میں بھی تڑپ پیدا ہوئی میں نے بھی وعدہ کیا کہ شام کو آپ کے ساتھ منارہ جاؤں گا۔ پھر سوچا کہ میرے پاس تو کرایہ کے لیے پیسے بھی نہیں ہیں۔ میں نماز ظہر تک پریشان رہا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ظہر کے بعد مجھے پیسے بھی مل گئے۔ نماز عصر کے بعد تیاری کی صبح فجر کے بعد منارہ پہنچ گئے۔ حضرت مولانا محمد اکرم

صاحب درس قرآن دے رہے تھے، درس سنا مسجد زیر تعمیر تھی۔ تھوڑا بہت کام کیا سو گئے۔ جمعہ سے پہلے میں باورچی خانہ گیا دیکھا ساتھی آٹا گوندھ رہے ہیں۔ جو کہ شایان کو اچھی طرح آٹا گوندھنا نہ آتا ہو گا۔ میں نے درخواست کی کہ اجازت ہو تو میں آٹا گوندھ دوں تو ساتھیوں نے کمال شفقت سے میری درخواست منظور کر لی۔ میں نے آٹا گوندھ دیا۔ خان صاحب باورچی تھے۔ کہنے لگے حافظ صاحب شام کو بھی ضرور آنا۔ جمعہ منارہ والی مسجد مولانا محمد اکرم صاحب نے پڑھایا بیان سن کر دل میں ارادہ کیا کہ حضرت کے ہاتھ پر بیعت ضرور ہو کر جاؤں گا۔ واپس دارالعرفان پہنچے تو خان جو کہ باورچی تھے کہنے لگے کہ حضرت جی نے کھانا کھانا ہے آٹا گوندھ دو۔ میں آٹا گوندھ ہی رہا تھا کہ ہمارے امیر ضلع صوفی برکت علی صاحب نے حضرت جی کے بیعت ہونے کے لیے کہا کہ حضرت بیعت فرمانے لگے ہیں۔ میں فوراً خدمت میں پہنچ گیا۔ حضرت جی بیعت کرنے کے بعد کچھ نصیحتیں فرماتے رہے۔ اور میں ان کو دباتا رہا۔ اسی سال لنگر مخدوم کے اجتماع کے بعد مورخہ ۸/۲/۸۱ کو صبح صادق کے وقت مجھے خواب آیا کہ میں پلنگ پر سویا ہوں شدید قسم کا زلزلہ آیا اور میں نیچے گر گیا۔ پلنگ الٹ گیا۔ فوراً مجھے جاگ آ گئی۔ اٹھا مرکز گیا جا کر ذکر کیا وہاں صوفی حاجی محمد انور صاحب شاہ کوٹ کی جماعت کے امیر ہیں ذکر کروا رہے تھے۔ ذکر کے بعد میں نے ساتھیوں کے سامنے خواب بیان کیا۔ میں خود بھی بہت پریشان تھا۔ اسی روز تقریباً دس بجے خبر ملی کہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ امیر صاحب نے سب ساتھیوں کو فوراً اطلاع کر دی۔ جو بھی ساتھی دوسرے ساتھی کو اطلاع دینے جاتا آہوں اور سسکیوں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا۔ اسی وقت ساتھی اکٹھے ہوئے اور چکڑالہ حضرت جی کے مزار پر حاضری کے لیے پہنچ گئے۔ اس کے بعد ہم سب ساتھی ایک ایسی ہستی سے محروم ہو گئے جنھوں نے دنیا کی بھلائی کیلئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کیلئے اور نور نبوت کو ہر دل میں پہنچانے کے لیے اپنی ساری عمر وقف کر دی تھی۔ اللہ کریم حضرت جی کی کوششوں کو قیامت تک امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی کیلئے زندہ رکھے۔ اور ہمیں دین و دنیا میں متبع شریعت حضرت جی کے فرمودات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

والسلام

آپ کا خادم حکیم حافظ حبیب اللہ

نوری شفا خانہ مین بازار شاہ کوٹ ضلع شیخوپورہ

خانیوال

۲۲-۱۱-۸۹

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

حضرت جی کی زندگی کے تین واقعات جو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے اور کانوں سے سنے ارسال خدمت ہیں:۔

(۱) یہ اکتوبر ۱۹۷۹ء کی بات ہے۔ تب میں سلسلہ عالیہ سے منسلک نہیں ہوا تھا۔ ملتان سے حضرت جیؒ کی زیارت کے لئے چکڑالہ حاضر ہوا۔ حضرت جیؒ نے بڑی شفقت فرمائی اور فرمایا کل یا پرسوں تک ہمارا ملتان کا پروگرام ہے۔ وہاں ملنا۔ واپسی پر پوچھا گیا کہ بذریعہ بس جاؤ گے یا ٹرین۔ میں چونکہ اس علاقے میں پہلی دفعہ گیا تھا۔ گاڑیوں کا اندازہ نہیں تھا۔ میں نے کہا حضرت میانوالی پہنچ کر جیسے مناسب ہوا وہی طریقہ اپناؤں گا۔ فرمایا بس کا سفر اچھا نہیں ہے ٹرین صحیح رہے گی میں نے آپ کے فرمان کا کوئی خاص نوٹس نہ لیا۔ ۳ بجے دوپہر میانوالی پہنچا۔ اٹک سے ملتان آنے والی ٹرین کا وقت شام ۶ بجے کا تھا۔ تین گھنٹے انتظار کرنا مشکل نظر آیا۔ تو بس میں سوار ہو گیا۔ بھکر کے قریب ہماری بس ایک ٹرالے کو راستہ دینے کے لیے سائڈ پہ رکی۔ ٹرالا گذر گیا۔ ہماری بس نے جونہی حرکت کی، پیچھے سے آنیوالی تیز رفتار بس ہماری بس کو سائڈ مارتی ہوئی آگے نکل گئی۔ خدا کا شکر ہوا کہ بس کے پچھلی طرف کونے پر لگا ہوا ٹین کا پترا ٹیڑھا ہونے کے سوا کوئی نقصان

نہ ہوا۔ اس وقت مجھے حضرت جیؒ کا فرمان یاد آیا کہ بس کا سفر اچھا نہیں ہے۔ حضرت ملتان تشریف لائے اور میں سلسلہ عالیہ سے منسلک ہو گیا۔

(۲) غالباً ۸۳-۱۹۸۲ء کی بات ہے۔ اعتکاف کے لئے دارالعرفان حاضر ہوا۔ حضرت جیؒ بھی موجود تھے۔ ۲۹ رمضان کو حضرت جیؒ نے گھر (چکڑالہ) تشریف لے جانا تھا۔ اس دن سرگودھا کے کسی ساتھی نے گاڑی لے کر صبح ۷ بجے دارالعرفان پہنچنا تھا۔ جس پہ حضرت تشریف لے جاتے۔ ساڑھے ۷ بجے کرنل صاحب نے حضرت جیؒ سے کہا کہ حضرت ۷ بجے گاڑی کو یہاں پہنچنا تھا ابھی تک نہیں آئی۔ حضرت جیؒ نے فرمایا۔ ۸ بجے پہنچے گی۔ جونہی گھڑی نے آٹھ بجائے کالے رنگ کی کار دارالعرفان کے برآمدے میں موجود تھی۔ حضرت جیؒ کار میں سوار ہوئے اور تمام ساتھیوں سے مصافحہ کر کے رخصت ہوئے۔

(۳) ایک دفعہ اعتکاف کے موقعہ پر ۲۶ رمضان المبارک کو حضرت ملک مختار احمد صاحب (پنڈی گھیب) کو عصر کے وقت اپنڈیکس کا شدید درد ہوا۔ کرنل صاحب نے حضرت جیؒ سے پوچھا کہ ملک مختار صاحب کو سرگودھا لے جانا ہے۔ شاید آپریشن ہو۔ حضرت جیؒ نے فرمایا۔ سرگودھا لے جاؤ۔ لیکن آپریشن نہیں ہوگا۔ دو دن تک سرگودھا سے ان کی کوئی اطلاع موصول نہ ہوئی۔ حضرت ملک مختار احمد صاحب سے میرے تعلقات تھے اس لئے پریشانی ہوئی۔ لیکن حضرت جی کے فرمان پر تسلی تھی۔ کہ آپریشن نہیں ہوگا۔ تیسرے دن وہ روبصحت سرگودھا سے دارالعرفان لوٹے۔ لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ حضرت جیؒ کے تینوں فرمان سچ ثابت ہوئے۔ والسلام

حسن محمد چک R/۱۰-۸۷ خانیوال

مکرمی مدیر صاحب، یہ بات ۱۹۷۸ء کی ہے کہ میرے ایک دوست محمد اکرم نے جو کہ میرے ساتھ ہی پاکستان ایئر فورس میں ملازم تھے مجھے بتلایا کہ حضرت جیؒ لاہور تشریف لا رہے ہیں اگر آپ کسی ولی اللہ کی زیارت کرنا چاہیں تو ضرور چلیں"۔ لہٰذا میں ان کے ہمراہ چلا گیا۔ غالباً ظہر یا عصر کا وقت تھا۔ حضرت جی بذریعہ کار جماعت کے کسی بزرگ دوست کی کوٹھی پر تشریف لائے تھے۔ جونہی حضرت جیؒ کار سے باہر تشریف لائے۔ ملاقات/زیارت کے لئے آنے والوں نے قطار بنالی۔ میں بھی اس قطار میں شامل اپنی باری کا انتظار کرتا رہا۔ حضرت جی نہایت سادہ سی شلوار کرتے میں ملبوس سر پہ کپڑے کی بنی ہوئی عام سی ٹوپی اور پاؤں میں اپنی علاقائی طرز (میانوالی) کی چپل اور ہاتھ میں بید نما کھونڈی تھی۔ جبہ و دستار سے جو کہ فی زمانہ اکثر پیروں کی ضرورت یا نشانی سمجھی جاتی ہے بالکل مبرا تھے مصافحہ کرنے کے ساتھ ہی اکثر احباب حضرت جیؒ کے ہاتھ کا بوسہ بھی لے رہے تھے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ یہ تو شرک ہے۔ مگر پھر یہ سوچ کر کہ کہیں دیگر احباب یہ نہ سمجھیں کہ میں نے ان کے مرشد کا خاطر خواہ احترام نہیں کیا۔ میں نے بھی بوسہ لینا چاہا۔ مگر حضرت جیؒ نے مجھ سے صرف مصافحہ کرنے کے بعد اپنا ہاتھ فوراً کھینچ لیا۔ مجھے بوسہ نہ لینے دیا اور کہا "شرک شرک" حالانکہ میرے بعد میں بھی بہت سے احباب نے حضرت جیؒ کے ہاتھ کا بوسہ لیا۔ میں اس وقت بہت شرمندہ ہوا۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل کی منافقت اپنے ولی پر ظاہر فرما دی تھی لیکن بعد میں مجھے خوشی بھی بہت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر رحم و کرم فرماتے ہوئے اپنے کامل بندہ کی زیارت نصیب فرمائی۔ جس کی مجھ گناہگار کو کافی دنوں سے تلاش تھی اور یہی بات ۱۹۷۹ء میں میرے لئے سلسلہ عالیہ میں

منسلک ہونے کا سبب بنی اور یہ بات کہ اللہ تعالیٰ کسی طرح سے دلوں کی بات اپنے ولیوں پر جب چاہیں منکشف فرما دیتے ہیں ۔ عرصہ دراز (۱۹۸۹ء) گزرنے کے باوجود دل و دماغ میں اسی طرح تروتازہ ہے جیسے کہ ابھی کل کی بات ہے۔ سچ کہا ہے کسی عارف نے ۔ یک زمانہ صحبت با اولیا بہ از صد سالہ طاعت بے ریا
اور غالباً مولانا روم نے بھی اس حقیقت کی طرف یوں اشارہ فرمایا ہے۔
مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم تا غلام شمس تبریزی نہ شد
اب تو اللہ کریم سے یہی دعا ہے کہ تادم حیات سلسلہ عالیہ سے منسلک رکھے اور ہر دم اپنا مبارک نام لینے کی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین۔

دعا کا طالب

عبدالستار خاں، ٹبہ سلطان پور ضلع وہاڑی

نظام پورہ ر۔ب / ۸۰

۲۵ نومبر ۹۵ء

مکرمی و محترمی ، السلام علیکم! بندۂ ناچیز کو حلقہ شاہ کوٹ کے دیگر ساتھیوں کے ہمراہ شیخ المکرم اعلیحضرت ادام اللہ فیوضہم کی صحبت میں حاضری کے کچھ مواقع نصیب ہوئے اس طرح آپؒ کے بعض ارشادات ، ملفوظات میرے علم و عمل میں بھی آئے ۔ جو تحریر کر رہا ہوں ۔

(۱) قسوت قلبی کو دور کرنے کے لئے نفی اثبات اور استغفار کی کثرت کرو ۔ کثرت سے مراد کم از کم تین تسبیح (۳۰۰) پڑھنا ہے ۔ مورخہ ۲۸/۹/۸

(۲) ہر قسم کی پریشانی دور کرنے کے لئے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ۵۰۰ بار روزانہ۔

(۳) حضرت یونس علیہ السلام کی دعا ان لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین ہ کم از کم تین تسبیح روزانہ۔

(۴) ہر نیک مجلس کے خاتمہ پر سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم پڑھیں ۔ کیونکہ یہ اہل جنت کی دعا ہے

(۵) معوذتین ۔ آیت الکرسی کو اپنا روزانہ کا معمول بنا لو۔

(۱) ارشادات لنگر مخدوم ۲۰/۸/۶

(۱) ہر فرض نماز کے بعد استغفر اللہ ربی من کل ذنب و اتوب الیہ ۲۱ بار

(۲) کلمہ طیبہ حصہ توحید ۱۰ بار اور گیارھویں بار مکمل کلمہ مع حصہ رسالت پڑھیں (چارپائی پر سوتے وقت)

(۳) سورۃ اخلاص ۳ بار سوتے وقت۔

(۴) آیت الکرسی ۱۱ بار روزانہ سوتے وقت پڑھیں ۔ بفضل تعالیٰ عجیب خواب دکھائی دیتے ہیں۔

(۵) درود شریف کی تسبیحات کی کثرت کریں ۔ دینی اور دنیاوی دونوں منفعتیں رکھتا ہے ۔

طالب الدعا

محمود احمد

نظام پورہ چک نمبر ر۔ب / ۸۰ ڈاکخانہ خاص شاہ کوٹ تحصیل ضلع شیخوپورہ

خطوط کی برکت

کئی مرتبہ ایسے بھی ہوتا کہ کسی پریشانی پر خط لکھ کر ڈاک میں ڈالتے ہی حالات سنور نے لگتے۔ کبھی خط پہنچنے اور کبھی جواب مِل جانے پر معاملہ بالکل درست ہو جاتا۔ ۱۹۶۸ء میں چکوال مکان بنوا رہا تھا لیکن پیسے کی کمی کی وجہ سے مکمل ہوتے دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ حضرت الکرمؒ کی خدمتِ اقدس میں عریضہ لکھا اللہ کریم نے آسانی فرما دی اور جتنا کام کروانا تھا سارا مکمل ہو گیا۔

حکیم محمد رفیق جاوید نے گوجرہ سے عریضہ لکھا۔ کاروبار بند ہو گیا ہے نوبت فاقوں تک آن پہنچی ہے جس کی وجہ سے گھر میں روزانہ جھگڑا ہوتا ہے" جواباً فرمایا" بیٹا خیال آتا ہے آپ کا کام کچھ عرصہ بعد ٹھیک ہو جائے گا۔ دعا کر دی ہے۔

خط کا جواب پہنچتے ہی حالات درست ہونے لگے جس کے بعد پھر کبھی رزق کی تنگی نہیں آئی۔ ان ہی حکیم صاحب کے ہاں بچے پیدا ہوتے ہی مرجاتے۔ یا حمل ضائع ہو جاتا۔ ساتھیوں نے مشورہ دیا تو حضرت شیخ کو اپنی پریشانی سے آگاہ کیا۔

جواباً فرمایا، بیٹا معلوم ہوتا ہے آپ کی بیوی کو اٹھراؤ کا مرض ہے۔ دیسی حکیم سے مشورہ کریں اور خود علاج کریں۔ نیز بچے کی پیدائش میں ایک ماہ رہ جائے تو مجھے خط لکھنا۔ میں بھی انشاءاللہ علاج بتاؤں گا۔ مرض ٹھیک ہو جائے گا۔ کام تو بدستِ قدرت ہے۔ دعا کر دی ہے حکیم صاحب نے دعا کے لفظ پڑھے تو اپنے شیخؒ مستجاب الدعوات ہونے کا یقین ہونے کی وجہ سے علاج بھی نہ کیا۔ اب چار بیٹوں کے باپ ہیں۔ اور سب بالکل تندرست جب کہ ڈاکٹروں کا کہنا تھا۔ بچوں کے جسم سے تمام خون نکال کر جب تک نیا خون نہ ڈالیں۔ بچوں کا زندہ رہنا محال ہے۔ لیکن مردِ کامل کی دعا نے سب مشکلیں آسان کر دیں۔

اولیا راہست طاقت از الہ
تیر جستہ باز گرداند ز راہ

حضرت جیؒ کے تین کمالات

چکڑالہ میں ایک مرتبہ آپ نے فرمایا، اللہ کریم نے مجھے تمام اولیائے کرامؒ کی نسبت تین خصوصی انعامات سے نوازا ہے

از (حافظ غلام قادری)

جو کسی دوسرے کو عطا نہیں ہوئے۔

۱۔ اولیائے کرام برزخ والوں سے فیض حاصل تو کرتے رہے ہیں لیکن کسی نے انہیں فیض دیا نہیں جب کہ مجھے اللہ تبارک تعالیٰ نے اس نعمتِ عظیم سے نوازا ہے میں نے برزخ والوں کو فیض دیا ہے

۲۔ اگر میں کسی پہاڑ کو ٹھوکر مار دوں تو وہ سونا بن جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اس کا ذرہ بھر لالچ نہیں رکھا۔

۳۔ جس شخص کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہو لیکن عذاب قبر میں مبتلا ہو میں اس کو توجہ دوں تو اس کا عذاب قبر معاف ہو جاتا ہے۔

کبھی فرمایا کرتے اگر مجھے تمام روئے زمین کی حکومت و بادشاہی دے دی جائے اور یہ اللہ۔ اللہ کی دولت چھوڑ دینے کو کہا جائے تو میں اس بادشاہی کو ٹھکرا دوں گا۔

مندرجہ بالا کمالات کے بارے اکثر احباب کا مشاہدہ ہے خصوصاً آپ نے برزخ والوں کو کیسے فیض یاب کیا اور اکثر و بیشتر برزخ والے اہل اللہ کی خواہش ہوتی ہے آپ کبھی ان کی قبر پر تشریف لائیں۔

ایبٹ آباد سے شنکیاری تشریف لے جا رہے تھے کہ گاڑی کے ساتھ ساتھ کسی شخص کو محسوس کیا۔ واپسی پر پھر دریافت کرنے پر پتہ چلا اس علاقہ کے کوئی بزرگ ہیں۔ پوچھنے پر انہوں نے استدعا کی کہ مجھے کچھ آگے مقامات طے کروا دیں۔ آپ نے انہیں مزید آگے چلا دیا۔ بے حد خوش ہوئے۔ فرمایا آج میرے شیخؒ کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔

پوچھا وہ کیا! تو بتایا کہ انہوں نے مجھے اس مقام تک پہنچا کر فرمایا تھا۔ مدتوں بعد کسی اللہ کے بندے کا یہاں سے گزر ہو گا اور وہ تمہیں اس سے آگے چلائے گا۔ جو لوگ ساتھ تھے اور رہے اُن کے لئے ایسی سینکڑوں مثالیں ہیں۔

تیسرے انعام کے بارے میں لاتعداد احباب گواہ ہیں

بلکہ ساتھیوں کو جب کبھی اپنے کسی عزیز کے عذاب کا علم ہوتا تو حضرت جیؒ سے عرض کرتے اور کتنے لوگ اس نسبت سے نہ صرف خود بلکہ برزخ میں اپنے بزرگوں کے لئے بھی ذریعہ نجات ثابت ہوئے کراچی سے کوئٹہ تشریف لے جاتے ہوئے ۱۹۶۹ء میں کرنل قمرالزمان جو ان دنوں توپخانے کی ایک یونٹ کی کمان کر رہے تھے کی دعوت پر آپ دو رات کے لئے حیدرآباد ٹھہرے راقم، راجہ یوسف صاحب اور نائب صوبیدار فرید صاحب ساتھ تھے۔ رات ملک امیر محمد خان کی بات چل نکلی آپ نے فرمایا اپنے علاقے میں فیصلے کرتے ہوئے میرے فتویٰ کی بڑی قدر کرتا تھا اس کو یقین تھا کہ یہ ہمیشہ حق بات پر فتویٰ دیتا ہے۔ فرمانے لگے اللہ نے ہم اعوانوں پر بڑا کرم کیا ہے۔ اس کو ظاہری حکومت عطا کی تھی۔ اور مجھے باطنی انعامات میں وافر حصہ عطا فرمایا ہے۔

ملک امیر محمد خاں بڑا غیرت مند شخص تھا اور دینی حمیت بھی اس میں موجود تھی۔ فرمایا۔ ایک مرتبہ ملک سے باہر کہیں دورے پر تھا کہ محرم میں مغربی پاکستان کے کسی شہر میں شیعہ سنی فسادات ہوئے وہاں پولیس افسر شیعہ تھا اس نے شیعہ کی مدد کی۔ ملک امیر محمد کو اطلاع ملی۔ کراچی سے آئی۔ جی پولیس کو فون کیا۔ لاہور مجھے ملو۔ ایئرپورٹ پر استقبال کو حاضر تھا۔ گورنر صاحب طیارے سے اُترے۔ گاڑی میں بیٹھ کر گورنر ہاؤس چلے گئے۔ گھبراہٹ تو آئی۔ جی پولیس کو سُن کر ہی شروع ہو گئی تھی۔ اب حیران۔ پیچھے گاڑی دوڑائی۔ گورنر صاحب کافی دیر بعد باہر آئے۔ دیکھا۔ آئی جی پولیس سوٹ میں ملبوس کھڑے ہیں۔ قریب ہو کر ٹائی پکڑ لی۔ اور اچانک دو جھٹکے دیئے کہ سنی شیعہ فساد کیوں ہوا؟ اور تم لوگوں نے کیا سمجھا ہے۔ سنیوں کا کوئی والی وارث نہیں آئندہ ایسی خبر ملی تو تمہاری خیر نہیں۔

راجہ یوسف سے فرمایا: ملک امیر خان سے پوچھو مجھے پہچانا ہے تو جواب ملا۔ جی ہاں میاں والی حکیم عبدالرحیم کے پاس ایک مرتبہ ملاقات ہوتی تھی؟ فرمایا اس کے قلب پہ انگلی رکھو اور خود چند مرتبہ اللہ ھُو کی ضرب لگائی۔

راجہ صاحب کہنے لگے حضرت! اب اُٹھ بیٹھا ہے۔

پھر مزید توجہ فرمائی ۔۔۔ تو کہا" لیکن فی الحال اس اظہار سے

عالم برزخ، قیامت صغریٰ ہے جہاں روح زندہ رہتی ہے اور عالم آخرت قیامت کبریٰ ہے۔ ارشادِ ربانی ہے۔

"یقیناً آخرت کا گھر ہی تو زندگی ہے۔"

اور ظاہر ہے کہ دنیا کی زندگی کے مقابلے میں اکمل زندگی ہے دنیا اور اس کی ہر شے کے لئے موت اور فنا ہے مگر آخرت کی زندگی ابدی ہے۔ اس لئے دارِ آخرت کی ہر شے کیا جزا کیا کل موت سے پاک ہے۔ جب رُوح کے لئے جزا سزا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ زندہ ہے کیونکہ مُردہ و معدوم کے لئے جزا و سزا نہیں اس لئے روح سنتی ہے دیکھتی ہے، بولتی ہے بلکہ اس کی ساری قوتیں اور تمام صلاحیتیں اسی جگہ کامل درجے پر معرضِ اظہار میں آتی ہیں۔

اہلِ سنت والجماعت کا اجمالی عقیدہ یہ ہے کہ برزخ میں رُوح بالذات مکلف ہے اور بدن تابع روح ہوتا ہے۔

اخفا بہتر ہے" اس لئے واللہ اعلم الحقیقۃ مزید اللہ نے اس کو کس نعمت سے نوازا۔

آخر میں فرمایا۔ اعوان بھرا آ ہیا

آخرت میں نیکیوں کی صرف واقفیت بھی جہنم سے خلاصی کا سبب بنے گی۔

لوگو! کسی ایسی ہستی کا دامن تھام لو! رحمتوں کے دریا موجزن ہیں! اور موقعہ ہاتھوں سے کہیں نکل نہ جائے اور تم تہی دامن ہی رہ جاؤ۔ نگاہِ مردِ مومن سے تقدیر ہی نہیں آخرت بھی بدل جاتی ہے۔ کتنے ایسے لوگ ہیں جن کو آپ کی توجہ نے عذاب الٰہی سے نجات دلوائی۔ بعض اوقات قبرستان سے گزر ہوا تو وہاں مدفون لوگوں کو عذاب میں تخفیف محسوس ہوئی۔

وظائف و

نسخہ جات

وظائف

احباب مصائب و پریشانیوں کا ذکر کرتے تو آپ کئی مرتبہ پڑھنے کو کوئی وظیفہ فرما دیتے۔ ذیل میں چند ایسے وظائف درج ہیں۔

پریشانی کیلئے:- گوجرہ سے عبدالرشید صاحب نے خط میں اپنی پریشانیوں کا لکھا تو حضرتؒ نے جواباً ارشاد فرمایا "بیٹا اولیاء اللہ کو دنیا میں مصائب سے واسطہ رہتا ہے مصیبت میں گھبرایا نہ کریں، ۷۸۶ مرتبہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم باوضو پڑھا کریں اور دُعا مانگیں۔

فیصل آباد والے محمد اعظم صاحب کو لکھا سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم ۱۰۰ مرتبہ، حسبنا اللہ ونعم الوکیل ۵ تسبیح معہ اوّل آخر ۱۰ دفعہ درود شریف پڑھیئے۔ اللہ تمام پریشانیاں دور فرمائیں گے۔

اصلاح اولاد:- ایس پی حبیب الرحمٰن صاحب نے اولاد کی اصلاح کے لیئے پوچھا تو حکم ملا۔ اول آخر درود شریف گیارہ یا اکیس یا اکتالیس مرتبہ اور درمیان میں دعا رب اجعلنی مقیم الصلوٰۃ ومن ذریتی ربنا وتقبل دُعاء ایک تسبیح روزانہ صبح کی سنتوں اور فرضوں کے بعد۔

طلب اولاد:- صبح و شام اکیس مرتبہ اور ہر نماز کے بعد گیارہ مرتبہ اوّل آخر درود شریف، التحیات میں بھی اسی کو پڑھا جائے۔ رب لا تذرنی فردًا وانت خیر الوارثین

دشمن کے شر سے بچنے کو:- ہر نماز کے بعد سورۃ القریش پڑھ کر دشمن کے شر سے پناہ مانگیں۔

کشائش رزق: لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم پانچ تسبیحات روزانہ۔

شدت سے درود شریف پڑھنے کی تلقین بھی فرمایا کرتے تھے۔ کہ درود کی کثرت سے حادثاتِ زمانہ کم ہوتے ہیں

اور رزق کی تنگی دور ہوتی ہے۔

رات کو سوتے وقت :- سورۃ الکافرون ۴ مرتبہ سورۃ اخلاص ۳ مرتبہ معوذتین۔ ایک ایک مرتبہ کلمہ طیبہ دس مرتبہ لا الہ الا اللہ اور گیارہویں مرتبہ ساتھ محمد رسول اللہ۔ سبحان اللہ ۱۰ دفعہ، الحمدللہ ۱۰ دفعہ اور اللہ اکبر ۱۰ مرتبہ

محمد ریاض ایک ساتھی کو آپ نے فرمایا

سورۃ فاتحہ ۳ مرتبہ درود شریف ۱۱ دفعہ سورہ یٰسین، چوتھا کلمہ گیارہ مرتبہ سورۃ کافرون کم از کم ایک ورنہ ۲ مرتبہ سورۃ اخلاص ۲ مرتبہ سبحان اللہ ۳۳ بار، الحمدللہ ۳۳ اور اللہ اکبر ۳۴ مرتبہ۔

قبولیت دعا :- ایک ساتھی مشتاق نے اپنی پریشانیوں اور نقصانات کا خط لکھا دعا کی درخواست کی تو جواباً آپ نے لکھا۔۔ ۵ مرتبہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھ کر جو دعا مانگو گے ان شاء اللہ قبول ہو گی۔

تہجد کیلئے :- ایک ساتھی نے عرض کیا حضرت تہجد اکثر رہ جاتے ہیں۔ فرمایا ذکر میں کمی ہے ذکر مستقل مزاجی اور کثرت سے کرو۔ ان شاء اللہ فرائض کے علاوہ تہجد، اشراق، چاشت اور اوابین بھی قائم ہو جائیں گے۔

درود شریف :- ذکر لسانی میں درود شریف کثرت سے پڑھنے کی تاکید فرمایا کرتے۔ کیونکہ اس سے نبی کریمؐ کی محبت دل میں پیدا ہوتی ہے اور آخرت میں آپ کے قرب کا وسیلہ ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا جو شخص یہ چاہتا ہے کہ قیامت کے روز حضورؐ کا قرب نصیب ہو تو اس کو درود شریف کثرت سے پڑھنا چاہیئے۔ ایک ساتھی نے عرض کیا حضور کون سا درود پڑھنا چاہیئے۔ جواباً فرمایا" درود ابراہیمی کی زیادہ فضیلت ہے"۔

عرض کیا" یہ تو بہت لمبا ہے"۔

فرمایا" جتنی محنت کی جائے اجر بھی اسی کے مطابق دیا جاتا ہے۔ میں خود درود ابراہیمی پڑھتا ہوں"۔

فرمایا" استغفار جھاڑو کی مانند ہے اور درود شریف عطر کی مانند ہے۔

درود شریف کے لیے جو وقت مقرر کرتے ہو اسی وقت پہ پڑھا کریں۔ کیونکہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے اس تحفے کی انتظار رہتی ہے۔

درود شریف کی برکات :- ایک مرتبہ ایک شخص کا واقعہ بیان فرمایا کہ وہ درود شریف کثرت سے پڑھا کرتا تھا مقروض ہو گیا۔ بیٹی کی شادی کے لئے گھر والوں نے اخراجات کا بندوبست کرنے کو کہا۔ خاصی پریشانی ہوئی قرض خواہ نے مقدمہ کر دیا۔ سحری کو مراقبے میں جب بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہوا۔ تو آپ نے پوچھا۔ کیوں پریشان ہو، عراق کے فلاں وزیر کے پاس جاؤ وہ تمہاری اس رقم کا بندوبست کر دے گا۔ عرض کیا۔ وہ کیسے میری بات کو تسلیم کرے گا۔

فرمایا۔" اس کو میرا سلام کہنا اور نشانی کے طور پہ بتانا کہ فلاں فلاں تاریخ اور فلاں روز درود شریف کا تمہارا تحفہ کیوں نہیں پہنچا"۔

پریشان حال شخص نماز سے فارغ ہو کر سویرے سویرے وزیر کے گھر پہنچا۔ دستک دی تو وزیر خود ہی باہر آیا۔ اجنبی کو حیرانی سے دیکھا۔ نبیؐ رحمت کا پیغام سُنا تو حیرت زدہ ہوا اجنبی سے نشانی کے طور پہ جب سُنا کہ تحفہ نہ پہنچنے کی وجہ آقاؐ دریافت فرما رہے ہیں؟ رونے لگا اور کہا ملکی امور میں مصروفیت کی وجہ سے میں ان ایام میں درود شریف نہ پڑھ سکا ورنہ تو روزانہ گیارہ ہزار مرتبہ درود شریف کا نذرانہ بارگاہ اقدس میں پیش کرتا ہوں۔

جتنی رقم کا حضورؐ نے حکم فرمایا تھا لا کر اس شخص کے حوالے کی اتنی ہی رقم حضور کا سلام پہنچانے اور پھر مزید اتنی ہی رقم اس خوشی پہ دی کہ میرا تحفہ روزانہ بارگاہ نبویؐ میں قبول ہو رہا ہے اور آخر میں کہا" بھائی آئندہ کوئی پریشانی ہو تو سیدھے میرے پاس چلے آنا، حضورؐ کو پریشان نہ کرنا"۔

قرض خواہ نے بروقت قرض ادا کرنے کی وجہ سے عدالت میں مقدمہ دائر کر رکھا تھا اور مقروض نے پچھلی پیشی پر مزید مہلت مانگی تھی۔ اب پیشی کے وقت جب یکمشت ساری رقم ادا کر دی تو قاضی نے پوچھا" پچھلی پیشی پہ تو آپ نے کچھ بھی

پاس نہ ہونے کی وجہ سے مزید مہلت چاہی تھی۔ اب اچانک اتنی رقم کا بندوبست کیسے کرلیا؟ مجبوراً سارے واقعہ کی تفصیل سُنا دی۔

قاضی نے کہا" اپنی رقم پاس رکھو جس کا قرض ادا کرنے کا حضورؐ بندوبست فرما رہے ہوں۔ وہ میں ہی اپنی جیب سے کیوں نہ ادا کردوں رقم جب قرض خواہ کے حوالے کی تو اس نے لوٹا دی کہ ایسے شخص کا قرض میں معاف کرچکا ہوں۔ آپ خود بھی درود شریف بکثرت پڑھتے ایک ہزار مرتبہ روزانہ پڑھنے کا معمول تھا۔ اس سے زیادہ جتنا ہو سکے۔

احباب کو بھی درود شریف کی کثرت کا حکم فرمایا کرتے تھے۔ گوجرہ کے عبدالرشید کو لکھا درود شریف کثرت سے پڑھا کرو۔ اس سے دنیاوی حوادث اور مصائب کم ہو نگے رزق کی تنگی دور ہو گی۔ اور قیامت میں قرب رسولؐ نصیب ہو گا۔

ایک ساتھی نے پوچھا کونسا درود شریف پڑھا جائے۔

فرمایا" درود ابراہیمی"۔

عرض کی" یہ تو لمبا ہے"۔

فرمایا" فضائل بھی تو اتنے ہی زیادہ ہیں۔ میں خود ہی پڑھتا ہوں"۔ ملتان میں ایک محفل میں فرمایا" درود شریف زیادہ سے زیادہ پڑھا کرو اور وقت مقررہ یہ پڑھا کرو کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو انتظار رہتی ہے۔ آپ کے اس تحفے کی"۔

ایک مرتبہ فرمایا پوری توجہ اور محبت سے پڑھا جانیوالا درود تازہ گلاب کے پھول کی صورت میں حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے توجہ کے بغیر باسی پھول کی طرح اور بلا قلبی محبت اور توجہ کے جو پڑھا جائے وہ باسی بکھری ہوئی پتیوں کی صورت میں۔ اس لئے دیکھ لیا کرو کہ آقاؐ کی خدمت میں کیا تحفہ پیش کر رہے ہو۔

کسی بزرگ کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا" استغفار جھاڑو کی طرح گناہوں کی صفائی کا ذریعہ اور درود شریف عطر لگانے کے مترادف ہے۔

صبح کی سنتوں اور فرائض کے درمیان۔ اللھم انا نسئلك ان تحیی قلبی بنور معرفتك ابدًا یا اللہ یا اللہ یا بدیع السموات والارض یا حی یا قیوم یا ذوالجلال والاکرام۔

روح

کتاب وسُنّت اجماعِ صحابہ اور عقلی دلائل سے ثابت ہے کہ رُوح ایک جسم ہے جو اپنی ماہیت کے لحاظ سے اس محسوس جسم عنصری کے مخالف ہے۔ وہ جسم نورانی، ہلکا، زندہ اور متحرک ہے، جو تمام اعضا، بدن میں نفوذ کر جاتا ہے۔ بدن میں اس کا سریان ایسا ہے جیسے گلاب کے پھُول میں پانی، زیتون میں روغن اور کوئلہ میں آگ کا سریان ہوتا ہے روح کا جسم لطیف ہونا اور اس جسم عنصری کا مخالف ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے۔

"پس جب بدن آدم کو پورا بنا چکوں اور اس میں رُوح پھونکوں۔"

قُلِ الروحُ مِن امرِ ربّی کہہ دو کہ رُوح تو میرے رب کے امر سے ہے۔"

اگر اس کی پیدائش کسی مادّہ مثلاً پانی، ہوا، آگ یا نور سے ہوتی تو اس کا ذکر کیا جاتا ہے معلوم ہُوا کہ یہ نُور سے بھی زیادہ لطیف ہے۔

بیعت کرتے وقت:۔ ظاہری بیعت کرتے ہوئے احباب کو نصیحت فرماتے۔

(ا) قضا نمازیں پوری کریں۔

(ب) ذکر لسانی نفی اثبات کثرت سے کیا کریں۔

(ج) استغفار ۳ تسبیح روزانہ، ورنہ ایک تو ضرور، اس کی بھی فرصت نہ ملے تو ہر نماز کے بعد ۲۰ مرتبہ پڑھ لیا کریں۔

(د) درود شریف ۳ تسبیح روزانہ

(ہ) فیصل آباد سے محمد سرور کو بیعت ہوتے وقت فرمایا سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم کا ایک تسبیح کرنا انشاءاللہ رزق میں کمی نہیں آئے گی۔

(و) نماز باجماعت، ذکر کی پابندی اور حلال حرام کی تمیز پاکیزہ غذا۔

(ز) تلاوتِ کلام پاک۔

حاکم کے سامنے پیش ہوتے ہوئے۔

کرنل گلزار کو آپ نے کسی پریشانی کے جواب میں لکھا جب تمہیں کسی حاکم کے سامنے پیش ہونا ہو تو آخری فیصلہ ہونے تک مندرجہ ذیل وظیفہ کرتے رہو انشاء اللہ فیصلہ تمہارے حق میں ہوگا

درود شریف نماز والا ۔ اول آخر ۷ مرتبہ

حسبی اللہ و نعم الوکیل ۵۰۰ بار

یہ وظیفہ سورج نکلنے سے لے کر غروب ہونے تک کسی بھی وقت کر لیں۔

حضرت اعلیٰ درجے کے طبیب تھے۔ تشخیص میں کمال رکھتے تھے۔ احباب کو امراض کے لئے کئی مرتبہ دوائیں بھی تجویز فرمایا کرتے۔ ذیل میں چند ایسے نسخے درج ہیں۔

برائے حافظہ

رات کو سوتے وقت سات دانے منقہ اور سات دانے بادام کھانے کو فرمایا۔

قوت باہ

کیلئے اللہ اللہ کیا کرو۔

دانت درد

نیلا تھوتھا ۔ ایک تولہ ۔ افیون ۳ ماشہ

طریقہ :۔ نیلے تھوتھے کو توے پر کھل کریں اور پھر افیون ملا دیں دانتوں پر درد والی جگہ مل لیں۔ اور پھر منہ سے پانی نکل جانے دیں۔ انشاء اللہ درد ٹھیک ہو جائے گا۔

قے

لارجیکٹل ۱/۱۸ حصہ ۱۲ خوراک کھلائیں۔

تبخیر (گیس)

گل مدار خشک ۴ تولہ، مرچ سیاہ ۱ تولہ، نمک ۱ تولہ زنجبیل ۱ ماشہ سب کو کوٹ کر گولیاں بنا کر کوکنار کی گولی جتنی مقدار بنا کر صبح و شام ایک گولی کھائیں۔

شوگر

جامن ۲۰ سیر، نمک ۱ پاؤ۔ برادہ فولاد ایک پاؤ سب کو مٹکے میں ڈال کر دھوپ میں رکھ دیں۔ برادہ گل جانے پر ۱۰ سیر پانی ملا کر عرق نکال لیں۔

(نوٹ پانی ملانے کے بعد بھی ۴ روز تک مٹکا دھوپ میں ہی رکھیں) خوراک ایک چمچ ۔ غذا کھانے کے بعد)

شربت جگر و یرقان وغیرہ

تخم کاسنی ۲ تولہ، تخم کثوث ۲ تولہ۔ ریوند چینی ۳ تولہ سرکہ دیسی ۱/۸ کلو چینی ۱ کلوگرام شربت بنائیں اور صبح و شام ایک گھونٹ شربت میں ۴ گھونٹ پانی ملا کر خالی پیٹ پیئیں۔ پرہیز ۔ بادی اور ثقیل اشیاء نہ کھائیں۔

رحم کی کمزوری

دور کرنے کو، کمرکس صاف کر کے گھی میں تر کر کے چینی ملا کر صبح و شام مناسب مقدار میں کھلائیں۔

دمہ

دور کرنے کو آز فومیڈین کی گولی روزانہ ایک عدد

کمزوریٔ دماغ

مغز بادام ۱۰ اگری کشتہ فولاد ۲ رتی ۔ ورق نقرئی ۵ عدد چینی ایک چھٹانک۔ بادام پانی میں بھگو کر صبح باقی چیزیں ملا کر نہار منہ ۴۰ روز تک کھائیں۔

کھانسی نزلہ زکام

جوکھار ۱/۲ ۱ تولہ، فلفل سیاہ ۳ تولہ، فلفل دراز ۲ تولہ انار دانہ ۱۲ تولہ، چینی ۲۴ تولہ ملا کر دوائی بنا لیں۔

محفل أُنس

محفل اُن کی ـــــ حافظ غلام قادری ـــــ ۱۷۱
خواتین کو نصیحت ـــــ بنتِ حوّا ـــــ ۱۷۹
سالانہ اجتماعات ـــــ قادری ـــــ ۱۸۱
خوشبو خوشبو ـــــ اِدارہ ـــــ ۱۸۵

محفلِ اُن کی

حافظ غلام قادری

حضرتؒ نے احباب کو نصیحت کرتے ہوئے وظائف کی تاکید کی اور فرمایا کہ "یاد رکھو! سونے سے پہلے کوشش کرو کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ دس یا اکیس مرتبہ پڑھا جائے یا سورہ اخلاص پڑھی جائے۔ درود شریف تیرہ بار پڑھا جائے۔ اگر سورہ ملک یاد ہو تو پڑھ لینی چاہیئے۔ قبر کے عذاب سے بچنے کا سب سے بہتر علاج ہے۔ یہ سب کچھ کرنے سے ہوتا ہے نہ کرنے سے نہیں۔ صرف یہ کہا جائے کہ کسی بزرگ کی محفل میں جانے سے سب کچھ ہو جاتا ہے۔ حضرت ابو طالب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنا پیار تھا۔ چچا ہیں، ساری زندگی ساتھ رہے۔ لیکن نہ کرنے سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام فرعون کے گھر تیس بتیس سال رہے لیکن نہ کرنے سے فرعون کو کیا فائدہ حاصل ہوا۔ کرنے سے سب کچھ ہوتا ہے۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ کسی بزرگ کی محفل میں چلا گیا اور وہ پھونک مار دے گا تو سب کچھ ہو جائے گا۔ کل میرے پاس چار آدمی آئے میں نے انہیں سمجھا کہ وہ جانتے ہیں کہ میری بڑی شہرت ہے۔ بڑا بزرگ ہوں۔ بس پھونک ماردوں اور بس وہ پہنچ جائیں وغیرہ وغیرہ۔ اکثر و بیشتر یہ سب دنیاوی مقاصد کے لیے آتے ہیں نہ نماز پڑھیں، نہ پاکی پلیدی حلال و حرام سے پرہیز کریں۔ نہ خدا کے رسول سے تعلق پیدا کریں۔ صرف دنیا کے مقاصد لے کر آجاتے ہیں۔ سلوکؒ رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہے کہ کام ایسے کریں جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے۔ یہاں مقدمے کی جیت ہار کا کوئی تعلق نہیں۔ یہ سب امور اس کی اپنی مرضی سے ہیں۔ اگر اللہ تعالےٰ راضی ہو جائے تو وہ اپنے بندوں کو سنبھال لیتا ہے۔ اب عوام میرے پاس نہیں آتے مجال ہے کہ کوئی جاہل طبقہ میرے پاس آئے۔ اگر آئیں تو صرف جن پڑ جائے تو تعویذ دو یا رقعہ دو فلاں آفیسر کے لیے! اتباع شریعت بڑی چیز ہے۔ ظاہری شریعت کے ہم مکلف ہیں اسی کی خاطر انبیاء علیہ السلام نے وطن چھوڑے تکلیفیں برداشت کیں۔ ان کے سر پھوڑے گئے۔ ان کے دانت مبارک شہید کئے گئے۔ انہوں نے مال چھوڑے، بیوی بچے چھوڑے صرف اسی کی خاطر۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کا خیال رکھا جائے۔ کوشش کرو کہ میں مدارس کے دورے پر جاؤں تو جو لوگ فارغ ہوں وہاں آجائیں اور پورا چلہ وہیں

کاٹیں ۔ جب لوگ وہاں آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ صبح کو فلاں کام ہے ۔ جو صبح پہنچتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ شام کو فلاں کام ہے ۔ ادھر طلب رضائے الٰہی اور فقیری کی ہے اور فرصت دنیاوی کاموں سے نہیں ۔ میاں محمد صاحبؒ نے سیف الملوک میں فرمایا کہ

لوڑن والا رہیا نہ خالی لوڑ کیتی جس سچی
رستے توں مڑ آیا خالی ، لوڑ کیتی جس کچی

جو آدمی ڈھونڈنے والا ہوتا ہے اور خلوص سے کوشش کرتا ہے ۔ ڈھونڈتا ہے تو اللہ تعالیٰ اخود اسے سنبھال لیتا ہے ۔ کوشش کریں تہجد پڑھ لیں ۔ تہجد چار رکعت سے کم نہیں ہوتی ۸ ، ۱۰ ، ۱۲ تک ہے ۔ ۱۲ رکعت بھی پڑھتے ہیں ۔ لیکن تاکید آٹھ اور دس کی ہے ۔ چار بھی پڑھ لیں یا چھ پڑھ لیں ۔ لیکن دو رکعت تہجد نہیں ہوتی ۔ اگر کوئی تھکا ہوا ہے یا کوئی تکلیف سے ہے تو عشاء کی نماز پڑھ کر وتروں کو موخر کر دے اور تہجد کے نوافل ادا کرے ۔ بعد میں وتر پڑھ لے ۔ پھر نفل تہجد تو ثواب تو مل جائے گا مگر اتنا نہیں ملے گا جتنا کہ وہ رات کو اٹھ کر تہجد ادا کرے ۔ بہرکیف ثواب مل جائے گا ۔ اگر روپیہ نہیں ملتا تو بارہ آنے مل جائیں گے آدمی کوشش کرے ۔ تہجد بہت بڑی عبادت ہے اگر کوئی اوابین کی کوشش کرے تو شام کی نماز کے بعد چھ رکعتیں پڑھے سنتیں ادا کرنے کے بعد چھ نوافل اوابین ادا کرے ۔ اگر کوئی تکلیف ہے تو دو رکعتیں ادا کرے تو یہ چھ بن جائیں گے ۔ بشرطیکہ کوئی ضروری کام نہ ہو ۔ یہ بھی محدثین کا قول ہے ہم مصروف لوگ ہیں ۔ ضروری ضروری باتوں کا خیال رکھیں ۔ صوفی بننے کے لیے ضروری ہے کہ فرائض کی پابندی کریں ۔ وضو کا خیال کریں ۔ بعض لوگ غسلخانے میں جہاں پیشاب کرتے ہیں وہاں استنجا کرتے ہیں ۔ آج کل چائے کی وجہ سے مثانے کمزور ہو جانے کی وجہ سے قطرے آجاتے ہیں ۔ وضو ٹوٹ جاتے ہیں ۔ اور اگر وضو نہیں ہے تو نماز کیسے ہوگی ۔ پیشاب کا خیال رکھا جائے ۔ خاص کر پیشاب کی چھینٹوں سے بچنا چاہیئے ۔

حضرت سعدؓ کو جنگ خندق میں تیر لگا (مستجاب الدعوات تھے) اور زخمی ہوئے آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ اگر قریش سے جنگ باقی ہے تو مجھے زندہ رکھ تاکہ میں ان سے بدلہ لوں ۔ چنانچہ خون بند ہو گیا ۔ اور آپ ٹھیک ہو گئے ۔ بعد ازاں فتح مکہ کے بعد خیبر پر حملہ ہوا ۔ اس جنگ کے بعد دل کی رگ پھٹ گئی جب موت آئی تو عرش معلیٰ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ، ، ہزار فرشتوں نے آپ کے جنازے میں شرکت کی ۔ لیکن دفن کرنے کے بعد نبی اکرمؐ فرماتے ہیں کہ دعا کرو تمہارے بھائی کی قبر تنگ ہو گئی ہے ۔ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ پیشاب کی چھینٹوں سے پرہیز نہیں کرتے تھے ۔ حضورؐ نے ان کی اہلیہ سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ بھیڑ بکریوں کے پیشاب کی چھینٹیں پڑتی تھیں ۔ یہ سن کر مجھے خیال آیا کہ اتنا بڑا آدمی کیسے پرہیز نہیں کرتا تھا ۔ تو ترمذی کی ایک شرح میں دیکھا کہ بھیڑ بکریوں کی چھینٹیں اس وقت پڑتی ہیں جب ان کو دوہا جاتا ہے تو اکثر وہ پیشاب کرتی ہیں ۔ لہٰذا جانوروں کے پیشاب کی چھینٹوں سے پرہیز کرنا چاہیئے ۔ چغل خوری عذاب الٰہی کا سبب ہے ۔ ادھر کی بات ادھر ۔ ادھر کی بات ادھر ۔ یہ عذاب الٰہی کا سبب ہے ۔ نماز کے ارکان پورے کرو ۔ قومہ اور جلسے کا خیال رکھو ۔ حضرت مجدد الف ثانی امام ربانیؒ فرماتے ہیں کہ امت محمدیہؐ نے قومہ اور جلسہ ترک کر دیا ۔ دوران نماز سجدے والی جگہ پہ دھیان رکھو ۔ جب تک نمازی کی نظر وہاں رہے اللہ کی رحمت اس کی طرف متوجہ رہتی ہے ۔ ادھر اُدھر دیکھنے سے اللہ بھی اپنی نظر رحمت اٹھا لیتے ہیں ۔ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کہو اور سیدھے کھڑے ہو جاؤ اور ٹھہرو ۔ اللہ اکبر کہتے وقت سیدھے سجدے میں چلے جاؤ ۔ قومہ اور جلسے کا خیال رکھو ۔ جلسے میں احتیاط سے دیکھیں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہیں تو ایک بار ہاتھ اٹھایا تو خیر دوسری دفعہ اٹھایا تو مکروہ ہو جائے گی ۔ تیسری دفعہ اٹھایا تو مفسد ہو جائے گی ۔ نماز پڑھو تو خیال رکھو کہ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہہ کر تکبیر کی مقدار ٹھہرنا واجب ہے ۔ جس کے ترک پر واجب رہ جاتا ہے ۔ جب نمازی متوجہ ہوتا ہے تو اللہ کی ذات بھی اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے ۔ اگر رکوع کرو تو پاؤں کے درمیان دیکھو ۔ نماز میں خیال رکھو ۔ پاکی پلیدی کے متعلق پنجاب کے لوگ بڑے محتاط ہیں ۔ مگر ہمارے ساتھی جو بلوچستان اور سرحد سے آتے ہیں ۔ وہ

اس کا خیال نہیں کرتے۔ غسلخانے سے لوٹے لے آتے ہیں اور پاک جگہ پر رکھ کر وضو کرتے ہیں۔ خدا کے بندو پاکی پلیدی کا خیال رکھو۔ کوزے کا پاک جگہ پر رکھدینا ٹھیک نہیں ہے۔ نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ تو ہاتھ اس طرح اٹھاؤ کہ نہ پوری انگلیاں بند ہوں۔ وحیٔ الٰہی میں توحید کے بعد نماز ہے نماز بہت بڑی عبادت ہے۔ یہ پہلا فریضہ ہے۔ سنتیں قریب الواجب ہیں ان کا خاص خیال رکھو۔ اگر بغیر عذر بیٹھ کر پڑھی جائیں تو نہیں ہوتیں۔ اگر عذر ہو تو فرض بھی بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے۔ ظہر کی پہلی چار سنتیں اور فرض کے بعد دو سنتیں مؤکدہ ہیں۔ اگر بغیر عذر کو بیٹھے گا تو ہو جائیں گی۔ لیکن ثواب میں کمی آجائے گی۔ لیکن فجر کی سنتوں کے بارے میں سخت تاکید ہے ظہر کی سنتیں موکدہ ہیں۔ مغرب کی دو سنتیں اور عشاء کے فرض کے بعد دو سنتیں موکدہ ہیں۔ نماز کا پورا پورا اور پورے وقت پہ ارکان کے ساتھ ادا کرو۔ میدان حشر میں سب سے پہلے نماز کے متعلق سوال ہو گا۔ تمام عبادات میں سب سے پہلے پوچھ نماز کی ہو گی۔ بارگاہ الٰہی میں جب ہم حاضر ہونگے کہ اللہ پاک فرمائے گا۔ بندے کے فرائض پورے ہیں؟ اگر کوئی کمی ہوئی تو چار سو رکعت سنت یا نوافل۔ یہ سنتیں اور نوافل ہم کیوں پڑھتے ہیں اس لیے کہ اگر فرائض میں کمی رہ جائے تو سنتیں پوری کرتی ہیں۔ اور سنتوں میں کمی رہ جائے تو نوافل پوری کرتے ہیں۔ سنتیں و نوافل کی چار سو رکعت ملا کر چار فرض فرض بنتے ہیں۔ ایک رکعت فرض کے برابر سو رکعتیں سنتیں اور نوافل کی ہیں۔ اگر چار سو کے حساب سے سنتیں و نوافل ملا کر فرض پورے ہو گئے تو بہتر نجات ہو گی۔ اگر فرض میں کمی پھر بھی رہ گئی تو اس کی سزا ایک رکعت فرض کے بدلے ... ۷۰ ستر ہزار سال جہنم۔ چار فرض کا حساب لگائیں کہ ایک رکعت کے بدلے ۷۰ ہزار اور چار فرض کے بدلے کئی لاکھ سال ہوں گے۔ اور جن لوگوں نے کبھی پڑھے ہی نہیں ہیں۔ ہاں اگر میرا رب معاف کرنا چاہے تو الگ بات ہے۔ ایک ہزار سال کا ایک دن ہو گا۔ یہ دن نہیں کہ تیس دن کا مہینہ اور بارہ مہینوں کا ایک سال بلکہ ایک دن ہزار سال کا ہو گا۔ آگے ستر ہزار سال کا حساب کر لو۔ بس سزا اس کی یہی ہے۔ نماز

کا خاص خیال کرو۔ فرائض راس المال ہیں۔ جس طرح ایک تاجر دس ہزار روپے کی تجارت کرتا ہے۔ تو سال کے بعد اس کے پاس دس ہزار ہی رہتا ہے تو وہ خسارے میں گیا۔ محنت کی دیکھ بھال کی تکلیف اٹھائی۔ لیکن مال وہی ہے۔ نوافل نفع ہیں۔ ترقی درجات نوافل میں ہیں۔ ہمارا جو معمول ہے اللہ اللہ کرنا اس سے روحانی ترقی ہوتی ہے۔ تزکیہ نفس ہو جاتا ہے۔ شرعی احکام سے رغبت ہو جاتی ہے۔ اللہ سے محبت ہو جاتی ہے۔ سب سے بڑی بات اللہ سے محبت کرنا۔ رسول اکرم ﷺ سے تعلق پیدا ہو جائے۔ نماز کی پابندی کرنی چاہیئے۔ اگر وقت نماز کا ایک فرض ضائع ہو گیا تو ساری عمر قضا پڑھتے رہو تو اس سے ایک رکعت کا ثواب نہیں مل سکتا۔ ہم فضول باتیں کرتے رہتے ہیں۔ اور دوسروں کو بھی ساتھ ملاتے ہیں۔ یہ سب باتیں لکھی جاتی ہیں۔ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ۔ باذوق صاحب کشف ساتھیوں کو میں دکھا سکتا ہوں۔ جو باتیں میں کر رہا ہوں یہ جو ساتھ ہے کھڑا لکھ رہا ہے بائیں طرف والا بیٹھا ہوا ہے۔ کچھ نہیں لکھ رہا۔ میں دین کی باتیں کر رہا ہوں۔ جب برائی کی باتیں ہوتی ہیں تو دائیں والا بیٹھ جاتا ہے۔ اور بائیں والا لکھتا ہے۔ میں گرمیوں میں کوئٹہ دورے پر گیا تو میرے ساتھ راجہ یوسف تھا۔ کہنے لگا کہ آج ایک چیز دیکھی کہ جب میں نے فرض پڑھے تو کوئی خیال نہیں کیا۔ لیکن جب سنتیں پڑھیں تو فرشتے نے لکھدیا۔ مکروہ۔ جب میں نے نوافل پڑھے تو اس نے لکھدیا مکروہ۔ میں نے پوچھا کہ میرے فرضوں کے ساتھ مکروہ لکھا ہو گا۔ فرشتے نے کہا ہاں۔ میں نے پوچھا غلطی کون سی کی ہے مجھے بتایا گیا کہ تیری واسکٹ کے بٹن کھلے ہوئے تھے۔ یہ صدر بنتا ہے۔ حضور ﷺ کا فرمان قانون بن جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر بٹن نہیں ہیں تو کانٹے لگا لو۔ اس قانون کی خلاف ورزی کی ہے یہ سب صرف ہمارے حلقے کے ساتھی سمجھ سکتے ہیں۔ عوام سنیں تو کہیں نہ جانے کیا بکواس کرتے ہیں۔ میاں محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

خاصاں دی گل عاماں اگے نہیں مناسب کرنی
مٹھی کھیر پکا محمد کتیاں اگے دھرنی

خاص لوگوں کے ساتھ بات کرنے والی عام لوگوں سے کی

جاتے تو اس کی مثال یہ ہے کہ میٹھے چاول پکا کر کتوں کے آگے رکھ دیئے۔ ایسے لوگوں کو نزدیک، لانا بھی باڑ کے کانٹوں کے برابر ہے بات، بالکل معمولی ہے۔ لیکن سب ایسا کرتے ہیں۔ کوٹ کے بٹن کھلے ہوئے، واسکٹ کے بٹن کھلے ہوئے۔

حضورؐ کے پاس ایک صحابی آئے ان کے بٹن کھلے ہوئے تھے۔ آپؐ نے فرمایا اگر بٹن نہیں ہیں تو کانٹے لگا لو۔ حضورؐ کا جو حکم ہے وہی دین ہے۔ وہی اسلام ہے۔ ان باتوں کو ہم معمولی سمجھتے ہیں "انیاں والا موہڑہ" چکوال سے اس طرف۔ میں وہاں طالب علمی کے دور میں پڑھتا رہا۔ وہاں تر کھان زیادہ رہتے ہیں ایک زمیندار ان سے مزاح کرنے لگا۔ کہ مولوی زمینداروں میں سے نہیں ہوتے۔ بلکہ غریب لوگوں سے ہوتے ہیں۔ کیونکہ زمیندار پڑھتے نہیں۔ اور غریب لوگ پڑھتے ہیں۔ میں نے وہاں کی مسجد میں جماعت کرائی۔ جو لوگ وہاں موجود تھے کہنے لگے یہ آدمی زمیندار گھرانے کا ہے۔ ان سے میں نے پوچھا کہ آپ کو کیسے پتہ چلا کہ میں زمیندار ہوں۔ کہنے لگے کہ جس وقت آپ نے قرآن شریف پڑھا تو آپ کا پتہ چلا کہ آپ زمیندار ہیں۔ میں نے کہا کہ میں غریب طبقہ کا بندہ زمیندار اعوان ہوں۔ اس دن سے ان کے ساتھ تعلقات ہیں۔ حتیٰ کہ میں وہاں سے فارغ ہو گیا۔ حدیث کا دورہ پڑھا۔ پھر تدریس کا کام کیا۔ حضرت کی خدمت میں حاضری دی۔ اللہ اللہ سیکھا۔ اس کے کافی عرصہ بعد ملاقات ہوئی، وہ بھی اسی طرح کے احباب ہیں۔ اس وقت بڑی طلب تھی۔ ان کا مطالبہ تھا کہ دس بارہ دن لگا لیے۔ اللہ اللہ کریں۔ بڑے دنوں کی چھٹیاں تھیں۔ آج کل تو وہ طلب مفقود ہے۔ معمول کر رہے ہوں تو پتہ چلتا ہے جیسے مردے ہوں۔ اس وقت پانچ یا چھ آدمی معمول کرتے وقت مسجد میں نظر آتی تھی۔ اکرم کے چار گھنٹے معمول کرنے کے بعد پھر ساتھی جاگتے تھے۔ تہجد کرنے کے بعد معمول کرتے تھے۔ اور اکرم ان کے ساتھ دو بارہ مل جاتا۔ اس طرح محنت تھی۔ میں نے انہیں کہا کہ انیاں والا موہڑہ چلے جاؤ وہاں ایک زمیندار غلام سرور ہے اس کو میرا سلام کہنا۔ عرصہ کافی گزر گیا پندرہ سولہ سال نہیں ملے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ حویلی خالی کرا دے۔ اور بچھونے وغیرہ بچھا دے۔ مجھے کہنے لگے واقعی ہے۔ میں نے کہا ہاں۔ بعد میں رہ گیا فجر کی نماز پڑھی

میں نے قرآت شروع کی تو سب رونے لگے۔ مجھے خود خیال تھا کہ پرندے بھی میرا قرآن سن کر پھر آگے نہیں جائیں گے کہ میری آواز سے پرندے بھی اڑتے ہوئے کھڑے ہوں گے۔ قرآن پاک سننے کے لیے۔ ایک آدمی نے کہا کہ آپ لوگوں نے نماز خراب کی ہے کہ رونا شروع کر دیا۔ میں نے کہا ذرا ٹھہر جا۔ اسے اپنے حلقے میں بٹھایا۔ توجہ کے زور سے القا کیا تو گرا۔ زار و قطار رویا۔ جب فارغ ہوا تو ساتھیوں نے کہا کہ ہمارا معمول خراب کر دیا ہے کل کہتا تھا کہ تمہاری نماز خراب ہو گئی۔ اور آج کیا بنایا۔ کہ ہمارا معمول خراب کر دیا۔ اور وہ پھر زار و قطار رونے لگا۔ اور مجھے کہنے لگا کہ آپ سے میرا تعلق ہے۔ آپ نے یہ چیز کیوں پوشیدہ رکھی۔ میں نے کہا کچھ پاس تھا ہی نہیں تو کیا پوشیدہ رکھا! مجھے حاصل ہی اب ہوا ہے۔ اس کے خیالات پر بڑا وزن پڑا۔ اور وہ ایک مستقل مزاج غیور مسلمان اور اسلام کی ایک تڑپ رکھنے والا ثابت ہوا۔ سال بعد پتہ چلا فوت ہو گیا۔ میں اس کی قبر پہ گیا پتہ کیا کیا احوال ہیں؟ کہنے لگا کوئی تکلیف نہیں۔ اللہ کا فضل ہے صرف دو چیزوں کا دکھ ہے کہ مرنے سے پہلے ملاقات نہ ہو سکی۔ دوسرا یہ ہے کہ حساب سے جان نہیں چھوٹ رہی۔ میں دکاندار تھا۔ زمیندار دانے وغیرہ دیتے تھے۔ جب میں ان سے ناپتا تو ایک آدھ دانا میرے والے دانوں میں گر جاتا۔ وہ حساب مجھے نہیں چھوڑ رہا۔ حقوق العباد کا خیال بہت ضروری ہے۔ حقوق العباد نہ توبہ سے معاف ہوتے ہیں نہ ندامت سے نہ فریاد سے۔ حقوق اللہ توبہ کریں تو معاف ہو جائے گا۔ بشرطیکہ شرک نہ ہو کفر نہ ہو۔ صرف ایمان پاس ہو۔ لیکن حقوق العباد کی دو صورتیں ہیں۔ یا اسے راضی کرے یا اس کا مال واپس کر دے اگر وہ معاف نہ کرے تو اللہ معاف نہیں کرتا۔ اللہ ظالم نہیں اب خیال کریں اور سب اپنے متعلق سوچیں۔ اب حالت یہ ہے حالات خراب ہیں۔ ایک سال پہلے ملتے تھے۔ تو پتا چلا کہ کابل پر عذاب آ رہا ہے۔ کابل پر سخت عذاب آئے گا۔ بوجہ بادشاہ کی خدا سے نافرمانی اور بغاوت۔ جس وقت ظاہر شاہ کی حکومت پر داؤد نے قبضہ کیا قتل و غارت ہوئی۔ سال بعد سمجھ آئی جبکہ وہی حالات واقعی حالات پیش آنے شروع ہو گئے۔ حالات بہت خراب ہو چکے ہیں۔ عرب ممالک کو دیکھ لو یا کوئی اور خطہ

بس یہ ہمارا علاقہ ہی صرف کچھ بچا ہوا ہے۔ جہاں اسلام کا نام تو ہے یہاں کی بے دینی بھی بڑھتی جا رہی ہے۔ تصوف تزکیہ باطن کا ذریعہ ہے۔ ہندوستان میں اس قدر صوفی گزرے ہیں۔ لیکن بزرگان دین سے فائدہ اٹھانے والے محدود چند ہی ملتے ہیں۔ دراصل محنت اور طلب کی کمی ہے اصل سبب ہے۔ جس بندے سے جو کام اللہ کروانا چاہتے ہیں۔ اس کی محبت اس کے دل میں پیدا کر دیتے ہیں۔ جن لوگوں نے مقدمہ بازی پیشہ بنا رکھا ہے۔ انگریزی قوانین، تعزیرات ہند یاد رکھا ہوتا ہے لیکن قرآن مجید کی ایک آیت یا نماز کا ایک مسئلہ بھی نہیں بتا سکتے۔ تصوف حال کا نام ہے۔ قال کا نہیں، حال ترقی کرتا ہے اور ہر وقت ترقی کرتا رہتا ہے۔

مولانا عبدالستار اور قریشی صاحب دونوں مناظرے میں میرے شاگرد ہیں۔ قریشی صاحب تو ملتے بھی نہیں۔ اسلام آباد ریاست بہاولپور میں مناظرہ تھا۔ اسمٰعیل کو پیسے کم ملے تو کہنے لگے بیٹیاں بیچ کر پیسے پورے کر کے مجھے دو۔ اس بات پر شیعہ ناراض ہوتے ہیں۔ جب یہ اسمٰعیل پریشان ہوا۔ وہیں قریشی صاحب سے میری ملاقات ہوئی۔ قریشی صاحب کہنے لگے "میرے لطائف تھے۔ لیکن آپ کے پاس بیٹھنے سے ختم ہو گئے۔ پھر اپنے شیخ کے پاس میں گیا"۔ لیکن دوبارہ میں نے کہا ٹھیک ہے۔ آپ کے انوار میرے اثر سے زائل ہوتے ہیں۔ اب میرے پاس آئیں تو میرے بھی انوارات کا اثر آپ کے لطائف پہ پڑے لیکن پھر انہیں کہیں موقع ہی نہیں ملا۔

دین پہ تو ہر بندہ ہی حملہ کرتا ہے لیکن اللہ خود اس کے محافظ ہیں۔ ابوالشیانے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ ریاکار مر گئے تو دین ختم ہو جائے گا۔ اللہ جس سے چاہے دین کی خدمت کا کام لے لے۔ میں حلفی طور پہ کہتا ہوں۔ اٹھارہ بیس سال کی آمدن سے میں نے کتب خانہ ڈیڑھ لاکھ کا خریدا ہے سوائے مدرسہ والوں کے کسی کا کتب خانہ مجھ سے زیادہ نہیں۔ مدرسہ والا اس لیے کہ چندے سے خریدتے ہیں۔ اور میں نے اپنی ذاتی کوشش اور پیسے سے یہ کتابیں اکٹھی کی ہیں۔ کبھی کسی سے پیسہ بھی نہیں مانگا۔ بارگاہِ نبوت سے میری ڈیوٹی لگائی گئی تھی۔ شیعہ کو آپ لوگ نہیں سمجھتے یہ دین اسلام کو جڑ سے

اکھیڑتے ہیں۔ حضورؐ کے بعد بیس سال کا عرصہ دین کی زبردست ترقی کا عرصہ ہے۔ جس میں قرآن و حدیث، حلال و حرام، نکاح و طلاق، جائز ناجائز مسائل یہ سب انہیں کے دور میں سب مسائل حل ہوتے ہیں ابوبکرؓ و عمرؓ بھی اس دین کی بنیاد پہ ہیں۔ ان دونوں کو ختم کر کے پہلا کوئی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ کا نبی ثابت کر کے تو دکھائے پھر تو کوئی دلیل ہی نہیں۔ صحابیؓ ہی صرف آپ کی رسالت کے دلیل ہیں۔ معجزے، حدیث و سنت، احکام سب کے ناقل تو صحابہؓ ہیں۔ صحابہؓ کو چھوڑنے سے دین ختم ہے۔ مودودی صاحب کو

دلائل السلوک بھیجی تھی۔

کوئی ساتھی ان کو جا کر ملا کتاب کے متعلق بات کی تو کہنے لگے کہ ہندوستان میں تین تحریکیں چلی ہیں۔ شیخ سرہندی پھر شاہ ولی اللہ کی لیکن یہ تحریک علمی تھی۔ اور تیسری اس شخص نے اب آ کر چلائی ہے۔ یہ تو میں تسلیم کرتا ہوں کہ تصوف کے بغیر نہ تو تحریک چلتی ہے نہ ہی کامیاب ہوتی ہے تصوف کے بغیر خلوص نہیں حاصل ہوتا۔ ہزار ساتھی دس دن اکٹھے رہیں تو بھی اختلاف نہیں ہو گا۔ کوئی تنازعہ نہیں ہو گا۔

"وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِہِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ"

اللہ کے نام کی برکت اور شیخ کی صحبت کی توجہ کا اثر ہے۔ یہاں چالیس روز اکٹھا رہتے ہیں۔ کبھی کوئی رنجش نہیں ہوتی۔ بلکہ ہر ایک دوسرے کی خوشی کی خاطر کوشش کرتا ہے۔ کوئی تکبر و غرور نہیں۔ بڑے بڑے افسر بھی اور چھوٹے بھی سب بھائی بھائی ہیں۔ یہ خلوص و محبت محض تصوف کی برکت سے ہے

خواتین اور ذکر اللہ

مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین کو بھی آپ نے نعمت سے محروم نہ رکھا۔ ان کو بھی باقاعدگی سے ذکر کرنے کا حکم دیا۔

ٹوبہ میں عورتوں کو فرمایا" نماز کا اہتمام کیا کرو۔ نماز دین کا سر ہے۔ جس طرح سر کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ بالکل اسی طرح نماز کے بغیر دین نہیں رہتا۔ نیز فرمایا" پیشاب کی چھینٹوں سے اپنے جسم کو بچائیں۔ بچہ پیشاب کرے تو جسم کو دھو کر پاک کر لیا کرو۔ ورنہ یہ ناپاکی بھی جہنم جانے کا سبب بن جاتی ہے۔"

راولپنڈی زاہد صاحب کے گھر عورتوں سے فرمایا۔
”زبان کی حفاظت کیا کرو۔ عورتیں زیادہ تر اپنی زبان کی وجہ سے جہنم میں جائیں گی۔ جہاں دو چار مل بیٹھیں کسی کی غیبت، کسی پر بہتان اور کسی کا گلہ شکوہ کرتی رہتی ہیں۔ اس کی بجائے اللہ اللہ کیا کرو۔ دین کی کوئی بات کرو۔ کوئی تسبیح پڑھ لو جس سے آخرت کا فائدہ ہو۔ زندگی کی قدر تو موت کے بعد آئے گی۔“

پھر فرمایا ”پاکی پلیدی، حرام حلال کا خاص خیال رکھا کرو نیز خاوند کے حقوق بہت زیادہ ہیں اور ان کا خصوصی خیال کرنا۔ اس کے مال کا خیال اور اولاد کی صحیح تربیت آپ لوگوں کی ذمہ داری ہے۔

اپنے آپ کو جہنم کا ایندھن بننے سے بچاؤ۔ ذکر باقاعدگی سے کرو۔ اور نمازوں کا خصوصی اہتمام کیا کرو۔“

سرگودھا شکیل صاحب کے گھر عورتوں کو ذکر کروا کر باہر تشریف لائے۔ تو بڑے افسوس سے فرمایا ”اتنی عورتوں میں سے کسی نے کوئی دین کی بات نہیں پوچھی! کوئی کہتی ہے دعا کرو میرا بیٹا امتحان میں پاس ہو۔ کسی کو یہ ملے اور کسی کو وہ! دنیا ہی دنیا ہے۔ اور سب دنیا کی طلب گار ہیں۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے جو نعمت عطا فرمائی ہے افسوس ہے اس کے لئے کسی نے بھی دعا نہیں کروائی۔ نہ کوئی طریقہ پوچھا کہ یہ ہمیں بھی حاصل ہو جائے“

خواتین کو ذکر کروانا

احباب کے ساتھ ساتھ آپ کی توجہ ان کے گھر والوں پر بھی رہتی۔ کیونکہ جب تک ماں دیندار نہ ہو اس کی گود میں پلنے والا بچہ کیسے نیک ہوگا۔ اور جب تک گھر کا ماحول دینی نہ ہو اللہ اللہ کرنے کا مکمل اثر نہیں ہو سکتا۔

ساتھیوں کو اپنے گھر والوں کے سلسلے میں اجازتِ عام تھی کہ اپنی والدہ۔ بہن۔ بیوی۔ بیٹی وغیرہ کو ساتھ بٹھا کر ذکر کروائیں۔ قلب والا ذکر کروائے۔ تو انہیں قلب کے اثرات حاصل ہو جائیں گے۔ لطائف والے کے ذکر کروانے سے لطائف منور ہو جائیں گے۔

اکثر فرماتے گھر والوں کو دین سکھانا مردوں کی ذمہ داری ہے۔ عورتیں پاکی پلیدی حرام حلال کی تمیز چھوڑ دیں تو ہمارے وظائف ذکر واذکار سب بے اثر ہو جاتے ہیں اولاد بے دین ہو جائے گی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک عورت چار مردوں کے لئے جہنم جانے کا سبب بنے گی۔ جن پر اس کو دین سکھانے کی ذمہ داری تھی۔ فرمایا۔ عورتیں نمازیں چھوڑ چکی ہیں۔ شرم و حیا اُٹھ چکا ہے کوئی انہیں سکھانے اور بتانے والا تو نہیں!

انہیں اللہ اللہ کراؤ دیندار ہو جائیں گی۔ ذکر الٰہی سے عقائد کی اصلاح ہو جاتی ہے اور خاتمہ ایمان پر ہونے کی امید ہے۔ کم از کم نجات ہی پا جائیں گی۔ اور صرف نجات پا جانا ہی اس زمانے میں بڑی ولایت اور کامیابی ہے۔ ساتھیوں نے ان ہدایات پر عمل شروع کیا تو بڑے مثبت اثرات حاصل ہوئے۔ بعض مستورات نے حضرتؒ کو خط میں اپنی کیفیات لکھنا اور مسائل پوچھنا شروع کئے۔ پھر جہاں کہیں آپ تشریف لے جاتے تو رفتہ رفتہ وہاں آپ کی بیٹیاں بھی بیتابی سے اپنے روحانی باپ اور مرشد سے نسبتِ روحانی قائم کرنے اور برکات حاصل کرنے کو بیتاب ہوتیں۔

روائتی پیروں کی بے دینی، عورتوں سے بے حجابانہ ان کی ملاقات اور ان کے اثرات کسی سے ڈھکے چھپے نہ تھے۔ آپ اس معاملے میں بہت محتاط تھے۔ اور سنتِ محبوب ﷺ کے مطابق پردے کا خیال کرتے ہوئے انہیں بیعت فرماتے جس کمرے میں خود تشریف رکھتے اس کے قریب والے کمرے میں انہیں بٹھا کر ذکر میں توجہ دیتے اور بعض اوقات پند و نصائح بھی فرماتے۔

پہلی خوش نصیب خاتون جنہیں خود حضرت کے گھر والوں سے بامر اللہ کے نام کی برکات نصیب ہوئیں وہ اب بھی دنیا کی خوش نصیب ترین عورتوں میں سے ہیں ملک خدا بخش صاحب منارہ شریف کی اکلوتی بہن اور حضرت المکرم کی رفیقہ حیات انہوں نے ۱۹۶۴ء میں اللہ اللہ شروع کی، ذکر کا حلقہ چکوال تک وسیع ہوا تو یہاں بھی مردوں کی طرح خواتین نے بھی اُخروی انعامات کے حصول کے لئے خوب محنت کی۔ تقریباً سبھی

ساتھیوں کے گھروں میں پابندی سے ذکر ہونے لگا۔

حافظ غلام جیلانی صاحب کی اہلیہ حضرت حافظ عبدالرزاق صاحب کی دختر نیک اختر اور میری والدہ محترمہؒ ان خوش نصیب خواتین میں سے ہیں جنہیں روحانی بیعت کی سعادت نصیب ہوئی۔ والدہ المکرمہؒ نے وفات کے بعد برزخی زندگی میں اس خصوصی نسبت کی برکات کے بارے فرمایا!

"دربار نبویؐ میں ان ہستیوں کی رفاقت نصیب ہوتی ہے دنیا میں جن کا نام لینا ہی صرف باعث سعادت سمجھ رکھا تھا۔" ان کی قبر ذکر کی برکات اس مرد حق کی توجہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس روحانی نسبت کی وجہ سے صاحب بصیرت لوگوں کے لئے میل ہا میل اور کئی علاقوں کے درمیان آج بھی بقعۂ نور ہے۔

خواتین کا پہلا باقاعدہ حلقۂ ذکر موہڑہ کورچشم چکوال کے قریب ایک دیہات میں قائم ہوا۔ حضرتؒ چونکہ اس گاؤں میں حصول علم کے وقت بھی کچھ عرصہ مقیم رہے تھے۔ آپؒ کو ان لوگوں سے اُنس تھا، ۱۹۶۲ء میں وہاں باقاعدگی سے تشریف لے جاتے رہے۔ کئی روز قیام فرماتے بعد میں مصروفیت بڑھی تو وہاں جانے کی فرصت نہ ملی۔ اللہ کرے۔ وہ خوش نصیب خواتین اس نعمت غیر مترقبہ کی حفاظت آخری سانس تک کرتی رہیں اور اللہ اللہ کی محفلیں وہاں قائم و دائم رہیں تاکہ کورچشموں کو بصیرت نصیب رہے اور اس مرد خدا کا لگایا ہوا یہ پودا قیامت تک گنہگاروں کو سایۂ رحمتِ خداوندی فراہم کرتا رہے۔

ہمارے خاندان کی سب عورتوں اور بچوں نے اللہ اللہ شروع کی۔ تو حضرت جیؒ بے حد خوش ہوئے فرمایا! یہ بہت بڑی سعادت ہے جس کی قدر و قیمت کا اندازہ برزخ میں ہی جا کر آئے گا۔ پنڈی اور کئی دوسرے بڑے شہروں میں خواتین نے باقاعدگی سے اس نعمت کے لئے مجاہدہ شروع کیا۔ ان کا شوق و جذبہ دیکھ کر دارالعرفان میں ۱۹۸۰ء میں مستورات کے لئے علیحدہ کمرہ تعمیر کیا گیا اور اب جگہ کی تنگی کی وجہ سے تین کمروں کا ۱۹۸۹ء میں اضافہ کر دیا گیا ہے۔ دارالعرفان کے اس حصے میں پردے وغیرہ

شیخ کیلئے شرائط

مگر شیخ بھی ہر کسی کو نہیں بنایا جا سکتا۔ لوگ جہلا کے پیچھے چل کر تباہ ہو رہے ہیں۔ یاد رکھیں شیخ کے لئے عالم ہونا ضروری ہے جاہل کی بیعت حرام ہے اور بیعت لینے اور کرنے والا دونوں فاسق و فاجر ہیں۔ ہاں یہ ضروری نہیں کہ وہ مروجہ نصاب تعلیم پڑھا ہوا ہو۔ صحابہ کرامؓ اور اکثر تابعین کتب پڑھے ہوئے نہ تھے بلکہ ارشاداتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جاننے والے تھے جو آپؐ نے ارشاد فرمایا انہوں نے ازبر کر لیا۔ اسی طرح اگر کوئی اُردو پڑھ کر ہی مسائل سیکھ لے یا سُن کر ہی یاد کر لے کوئی بھی صورت ہو ضروریاتِ دین سے واقف ہونا ضروری ہے۔ یہی مسلک اہل سنت ہے۔ نیز شیخ کے لئے صرف عالم ہونا ہی شرط نہیں بلکہ علم کے ساتھ عمل بھی ہو متبع شریعت ہو فرائض و سنت کا پابند ہو۔ شیخ کو چاہیئے کہ وہ نوافل ضرور پڑھے کہ اس سے قلب کی نگہداشت بھی رہتی ہے اور قرب الٰہی کا سبب بھی ہیں۔ سب سے ضروری ہے کہ فن سلوک کا ماہر ہو مگر جس علم کا دینی طالبین کی اصلاح و تزکیہ کا طریق) وہ طالب ہے اس میں شیخ کا ماہر ہونا ضروری ہے۔

قرآن کریم نے شیخ کی چار شرائط بیان فرمائی ہیں۔ (۱) اونٹ کی طرح مشقت برداشت کرنے والا ہو (۲) آسمان کی طرح بلند ہمت ہو۔ (۳) پہاڑوں کی طرح ثابت قدم (۴) زمین کی طرح متوازن یعنی اس میں عجز و انکسار ہو۔

کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے۔ جہاں ہماری بہنیں آکر ٹھہرتی ہیں اور اللہ کے نام کی برکات اپنے سینے میں سمیٹ کر لے جاتی ہیں۔ ہر سال کئی خوش نصیب ایسی بھی ہوتی ہیں جو فنا فی الرسول کی کیفیات و برکات سے بہرہ ور ہو رہی ہیں۔ مثلاً ۱۹۸۷ء میں ۲۳ بہنوں کو روحانی بیعت کے ذریعے دربار نبوی ﷺ میں رسائی اور نبی کریم ﷺ سے نسبتِ روحانی نصیب ہوئی۔ یہ کرامت ہے اس مرد قلندرؒ کی کہ اس دور کی عورت فنا فی الرسول ہو جائے۔

نہ تخت میں ہے نہ تاج میں ہے
جو بات مرد قلندر کی نگاہ میں ہے

اُجرتِ قرآن مجید

چکڑالہ میں نماز عصر کے بعد حضرتؒ نے فرمایا "ایک ملک صاحب فوت ہو گئے ہیں ان کے فاتحہ کے لئے چلو" دو چار ساتھی جن میں نائب صوبیدار محمد یار بھی تھے ساتھ ہو لئے وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے کسی نے پوچھا مولوی صاحب!

۱:۔ مرنے والا اگر لمبی بیماری گزار کر مرے تو کیا اس بیماری کا اس کو آخرت میں کچھ فائدہ ہوگا؟

۲: مرنے والے کے لواحقین جو ختم قرآن خود پڑھتے یا لوگوں کو اکٹھا کر کے پڑھواتے ہیں اس کا بھی فائدہ ہوتا ہے کہ نہیں۔ نیز اجرت لینے یا کھانا کھانے کے بارے کیا حکم ہے۔

آپ نے پہلے سوال کے جواب میں فرمایا "بیماری گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے اور عذاب قبر میں کمی کا باعث بنتی ہے۔

دوسرے سوال کے جواب میں آپؒ نے صحابہؓ کا ایک واقعہ بیان فرما کر مسئلہ کی وضاحت فرمائی۔

کچھ صحابہؓ سفر کے دوران رات ایک شہر میں قیام کو ٹھہرے وہاں کوئی مسلمان نہیں تھا۔ اس آبادی میں کسی نے بھی ان صحابہ کی مہمان نوازی نہ کی۔ اتفاقاً شہر کے سردار کو سانپ نے ڈس لیا لوگ پریشانی میں اِدھر اُدھر دوڑے تو اس اجنبیوں کی جماعت کے پاس بھی آئے۔

پوچھا جس شہر کے آپ لوگ رہنے والے ہیں وہاں کوئی آدمی ہے۔ جس پر آسمان سے اللہ کا کلام نازل ہوتا ہے کوئی ایسا عمل آپ لوگوں کو پتہ ہو تو ہمارے سردار کا علاج کر دیں۔ پہلے تو کوئی شخص اس علاج کے لئے تیار نہ ہوا۔ البتہ ایک صحابیؓ فرمانے لگے میں مفت میں دم نہیں کروں گا تین چار بکریاں دیتے ہو تو علاج کر دوں گا۔ لوگ رضامند ہو گئے لیکن باقی جماعت نے انہیں کہا کیا یہ جائز ہے؟

وہ صحابیؓ فرمانے لگے بکریاں ساتھ لے جاؤں گا۔ جائز ہوئیں تو رکھ لوں گا اور اگر حضورؐ نے فرمایا "نہیں" تو واپس کر دوں گا۔" دم کیا سردار درست ہو گئے اور وہ بکریاں لے کر عازم سفر ہوئے۔ دربار اقدس میں پہنچ کر معاملہ پیش کیا۔

حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بکریاں جائز ہیں اگر شک کا احتمال ہو تو ان میں میرا حصہ بھی رکھ دو۔"

اس واقعہ کی روشنی میں مسئلہ کی وضاحت فرمائی۔

۱:۔ بیمار کے لئے ختم قرآن بمنزلہ علاج کے ہے جو شفا پہنچانے کے لئے کیا گیا۔ جیسے صحابیؓ نے دم کر کے مرض سے نجات دلوائی اور بدلہ وصول کیا۔ اور اُسے جائز قرار دیا گیا۔ اسی طرح بیمار کے لئے قرآن شریف پڑھنے والوں کا روٹی کھانا جائز ہے۔

۲:۔ کسی کے مرنے کے بعد لوگوں سے ختم قرآن پڑھوا کر روٹی پکائی اور کھلائی جائے اس کا کہیں جواز نہیں کیونکہ اس مسئلہ پر سید انور شاہ کاشمیری جیسی جلیل القدر ہستی بھی خاموش ہے۔

۳:۔ تعلیم قرآن پر سلف کے نزدیک تو نہیں البتہ خلف گزارے جتنا مال کے لینے کو جائز کہتے ہیں۔ لیکن کیا اس پر ثواب بھی پڑھانے والے کو ہوگا یا نہیں اس مسئلے میں وہ بھی خاموش ہیں۔

۴:۔ تراویح میں سنانے یا اس طرح کے ختم پڑھوائے بغیر بھی قرآن کے مٹ جانے کا چونکہ ڈر نہیں اس لئے اُجرت بھی جائز نہیں۔

خواتین کو نصیحت

بنتِ حوا

انسان دنیا میں بہت سے لوگوں سے ملتا ہے کچھ کیساتھ تعلق پیدا کر لیتا ہے لیکن بعض ہستیاں ایسی ہوتی ہیں کہ انسان اُن کے ساتھ تعلق پیدا کر کے فخر محسوس کرتا ہے یہ تو دنیاداری کی بات ہے لیکن اگر کسی کا تعلق ایسی ہستی سے ہو جائے جو بھولے بھٹکے انسان کا تعلق پھر سے خدا سے پیدا کر دے تو واقعی یہ بڑے کرم کی بات ہے مجھے بھی ایسی ہی ہستی سے بیعت کا شرف حاصل ہے

یہ ۲۱ نومبر ۱۹۸۳ء کی بات ہے کہ جناب استاذ المکرم حضرت جیؒ نے ہم خواتین سے بیعت لی اور ساتھ ہی کچھ نصیحتیں کیں اس موقع پر آپؒ نے فرمایا۔

"میں نے آپ سے عہد لیا اور تم نے میرے ساتھ عہد کیا اس بیعت کو بیعت طریقت کہتے ہیں۔ ارشاد کا مطلب ہوتا ہے کہ رہنمائی کرنی اللہ اور رسولؐ کے احکام کی طرف۔ اور ان سے وعدہ لینا کہ اللہ اور رسولؐ کے احکام کی پابندی کی جائے۔ تمام احکامِ شرعی جس قدر ہیں ان میں سب سے پہلی چیز جو ہے وہ ہے نماز۔ نماز کی پابندی کرنا پوری زندگی۔ کیونکہ میدانِ حشر میں جس وقت تمام مخلوقات جمع ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ کی ذات جو بے مثل اور بے مثال ہے جس وقت کرسئ عدالت پر بیٹھے گا۔ اس عادل کی عدالت میں جو سب سے پہلا مقدمہ پیش ہوگا وہ نماز ہوگی۔ فرشتوں کو حکم ہوگا کہ میرے بندے کی نماز کے متعلق فرائض میں جو کمی ہے وہ بتاؤ۔ اگر نماز پوری ہے تو نجات ہو گئی اگر نماز کے فرائض واجبات پورے نہیں تو پھر سنتیں اور نفل جو ہیں وہ دیکھے جائیں گے۔ ۱۰۰ رکعت نفل سے ایک رکعت فرض بنے گی۔ ۲۰۰ رکعت نفل سنت سے فجر کی ۲ رکعت فرض نماز بنے گی اسی طرح باقی سب۔ اگر تو ایسے کمی پوری ہو گئی تو فبہا ورنہ ہر ایک رکعت کے بدلے سزا جو ہے وہ ہے ۷۰ ہزار برس جہنم۔

یہ خود سوچ لے انسان کہ میں نے کیا کیا۔ اپنی زندگی میں کبھی کعبہ کی طرف منہ بھی کیا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کبھی ہاتھ باندھ کر کھڑا بھی ہوا۔

عورتوں میں یہ بڑی بیماری ہے میں بہت تنگ پڑتا ہوں ان سے۔ آجائیں تو بالکل دین کی کوئی بات نہ پوچھتی ہیں نہ ہی کرتی ہیں اور نہ اُس کی طرف توجہ کرتی ہیں۔ کہ لڑکا پیدا نہیں ہوتا، لڑکی کی شادی نہیں ہوتی، دوکان نہیں چلتی، لگ گئے۔ گائے بھینس دودھ نہیں دیتیں، فلاں پریشانی ہے۔ بس سوائے اس کے کوئی بات نہیں ہوتی۔ میں ان سے بڑا تنگ پڑتا ہوں۔ مجبوری ہے کہ کوئی اللہ کا بندا ایسا بھی ہے کہ سنگریزے اکٹھے کرے شائد ان میں کوئی موتی نکل آئے۔ یہ اس لیے کہ کل میں اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوں گا تو وہ مجھ سے پوچھے گا، کہ میری کچھ بندیاں آپ کی خدمت میں آئیں آپ نے ان کو کیا جواب دیا کیا حکم بتایا۔ اس لیے یہ کام کرتا ہوں۔

نماز کی پابندی کرنا۔ یہ فرش جو ہیں ان سے پیشاب کی چھینٹیں اڑتی ہیں۔ قبر کا عذاب زیادہ پیشاب کی چھینٹوں سے ہوتا ہے اور یا چغلی سے۔ ایک کی بات دوسرے سے، دوسرے کی بات تیسرے سے کہنا۔ کیونکہ وہ بات بھی اسی طرح پلید ہے جس طرح پیشاب کے چھینٹے۔ بچوں کے پیشاب کی چھینٹوں سے بچو اس کا ہمیشہ خیال رکھنا۔ اس کا عذاب قبر بڑی سختی سے ہوتا ہے۔

آج ملک والے اعتراض کرتے ہیں کہ یہ کیوں کہتا ہے کہ قبر کے حالات معلوم ہو جاتے ہیں۔ نورِ نبوت سے معلوم ہوتے ہیں نبی کریمؐ کو معلوم ہوتے ہیں۔ نبی کریمؐ کو معلوم ہوتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ کو معلوم ہوتے ہیں ہمیں کیوں نہیں ہوتے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم پیغمبرؐ سے دور ہو چکے ہیں۔ ہمارا روحانی تعلق ٹوٹ چکا ہے اگر پیغمبرؐ کے ساتھ روحانی تعلقات پیدا

ہو جائیں، تو نورِ نبوت حاصل ہوتا ہے، نور سے روشنی پیدا ہوتی ہے۔ قلب میں روشنی آجاتی ہے۔ قلب دیکھنا شروع کر دیتا ہے۔ شیطان نظر آتا ہے۔ جن نظر آتے ہیں۔ ملائکہ نظر آتے ہیں۔ قبر کا عذاب و ثواب نظر آتا ہے۔ مار جو پڑتی ہے۔ اس کا پتہ چلتا ہے۔

آئندہ چل کر ہمیں ہر ہر قدم اور ہر ہر سانس کا حساب دینا ہے اللہ کو۔ یہ دنیا چند روزہ ہے۔ موت سر پر ہے۔ جس وقت موت آئے گی اس وقت پتہ چلے گا کہ خواب کی طرح دنیا گزر گئی۔ ہر کوئی خالی ہاتھ جائے گا۔ وہی تین گز کپڑا ملے گا جو کفن پہن کر جانا ہے آپ کے ساتھ دنیا کی کوئی چیز نہ جائے گی، جائے گی تو وہی نیک اعمال صالح جو خلوص کے ساتھ کیے۔ قبر میں دفن کرنے کے بعد نہ کوئی پوچھتا ہے کہ کیا حال ہوا ہے نہ کوئی صدقہ کرتا ہے۔ جو صدقہ کرتے ہیں وہ ریا کے لیے کرتے ہیں اور پڑھ کر کوئی شے نہیں بخشتے ہیں، کوئی ایصالِ ثواب نہیں کرتے

حرام کے مال سے پیٹ کو بچانا زبان کو فضول باتوں سے روکنا۔ لسانی ذکر بھی کیا کریں۔ خاص کر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ سوتے وقت خاص کر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔ ۱۰ دفعہ پڑھ کر، گیارہویں دفعہ محمد رسول اللہ بڑھا دیا کریں۔ سوتے وقت سورہ اخلاص کم از کم ۳ دفعہ زیادہ جتنی پڑھی جائے ثواب ہے۔ نبی کریمؐ فرماتے تھے کہ ۱۳ دفعہ ہر نماز کے بعد پڑھ لی جائے۔

قبر میں منکر نکیر سوال و جواب کر کے چلے جاتے ہیں۔ اس کے بعد امتحان ہوگا۔ امتحان ہونے کے بعد یا جنت ہے یا جہنم۔ عذابِ قبر جب شروع ہوتا ہے تو پہلا حملہ جو عذاب کا ہوتا ہے سر کی طرف سے ہوتا ہے۔ قرآن کریم کی آیات جو ہم پڑھتے ہیں، یہ قرآن کریم سر کی طرف سے آجاتا ہے۔ عذاب سے ڈھال بن جاتا ہے روک دیتا ہے حجاب بن جاتا ہے۔ پھر عذاب دائیں طرف سے حملہ آور ہوتا ہے۔ نمازی جو ہوتا ہے اس کی نماز اس طرف سے حائل ہو جاتی ہے۔ بائیں طرف سے روزہ حائل ہو جاتا ہے۔ پاؤں کی طرف سے جو صدقہ وغیرہ اللہ کی راہ میں کرتے ہیں یا نفل وغیرہ جو ہم پڑھتے وہ آجاتے ہیں۔ اس کے بعد نجات کی صورت ہوگی۔ اگر ان میں سے کوئی چیز نہیں تو گویا خیر نہیں۔ یہ زندگی چند روزہ ہے۔ برزخ جو ہے وہاں کئی ہزار سال رہنا ہے اس کے بعد نکل کر ہم نے ۵۰ ہزار برس میدانِ حشر میں رہنا ہے۔

اس کے بعد دار القرار ہے۔ جنت ہے یا جہنم جس میں ہمیں رہنا ہے۔ ابد الآباد رہنا ہے وہاں زندگی ختم نہ ہوگی۔ اس لیے کوشش کرنی چاہیئے کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کثرت سے زبان پہ رہے۔ بچوں کو بھی اس کی تعلیم کرنی چاہیئے۔ کوشش کریں گھر والوں کو بھی نمازی بنائیں دین سکھائیں۔

جو ڈاک میرے پاس آتی ہے اس میں سوائے پریشانیوں کے اور کوئی بات نہیں ہوتی۔ کوئی ایسی وبا پھیل گئی ہے اللہ تعالیٰ ہی مہربانی کرے خدا کی مخلوق جتنا خدا سے دور ہوئی اتنا ہی اللہ تعالیٰ نے اس کو ذلیل کر دیا۔ "الا بذکر اللہ تطمئن القلوب"۔ اطمینان قلبی اللہ کے ذکر کے ساتھ ہی ہے اس کے علاوہ اور کسی طرح ممکن نہیں۔ قدم قدم پہ پولیس کھڑی کر دی ہے پھر بھی کوئی امن نہیں۔ جن کو امن کے لیے کھڑا کیا ہے وہ ان سے زیادہ بدکردار ہیں۔

آپ نماز پڑھا کریں۔ نماز کے بعد دعا مانگیں قبول ہو جاتی ہے جو بھی مانگنا ہو اللہ سے مانگیں کوئی ولی ہو، نبی یا رسول یا اولوالعزم پیغمبر سب کو اللہ ہی دیتا ہے۔ سنتا اللہ تعالیٰ سب کی ہے پتھروں کی بھی سنتا ہے۔ لیکن قبول صرف نیکوں کی کرتا ہے۔ جو نیک نہ ہوں اُن کی دعا قبول نہیں کرتا۔

بے دین اور کافر کی دعا گمراہی ہوتی ہے۔ نیک بننے کی بہت ضرورت ہے۔ اللہ کے ساتھ تعلق رکھو۔ پیغمبرؐ کے ساتھ روحانی تعلق رکھو صورت یہ ہے سارا سرمایہ جو دین کا ہے سب سے بڑی جو دولت ہے اللہ کی محبت ہے اور پیغمبر کی اطاعت اور تابعداری ہے ساری چیزیں اسی کے ساتھ وابستہ ہیں آپ اللہ کے بن جاؤ۔ اللہ آپ کا، پیغمبر آپ کے۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔

قرآن بتاتا ہے اس وقت کے لوگوں کو کہ پہلے تمہارے حالات کیا تھے۔ تم قتل کرتے تھے، ایک دوسرے کی عزتیں برباد کرتے تھے جان تباہ، مال تباہ۔ اللہ نے تمہارے دلوں میں یہ ڈال دیا کہ اسلام دین کی رسی قرآن کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو۔ اس بات کو یاد رکھو کہ اللہ کا فضل تمہارے ساتھ کس طرح ہوا کہ تمہارے دلوں سے کھوٹ نکال کر تم کو ایک بنا دیا۔ ایک بننا کتاب اللہ کے ساتھ، پانچوں نمازوں کے ساتھ شریعت پہ عمل کر کے۔ اس کو چھوڑا تو ہلاکت کے اسباب پیدا ہو گئے۔ اختلاف، جھگڑے، فتنے، فساد، چوریاں، قتل، ہر قسم کی برائیاں، انسان خدا سے دور ہوا تو بس دھتکارا گیا۔ اس لیے خدا اور رسولؐ کے ساتھ تعلق قائم رکھنا"

اس کے بعد دعا ہوئی اور یوں یہ بابرکت محفل اختتام پذیر ہوئی۔

سالانہ اجتماعات

قادری

فیوضات و برکات کے حصول کیلئے اللہ کی مخلوق آہستہ آہستہ آپ کی طرف رجوع کرنے لگی۔ کوئی باقاعدہ خانقاہ وغیرہ نہ تھی، جہاں لوگ آتے اور قیام کرتے، توجہ حاصل کرتے اور کچھ روز کا باقاعدہ انہیں مجاہدہ کروایا جاتا۔ گھر میں اتنا بندوبست مشکل تھا۔ لہٰذا آپ دورے پہ جہاں کہیں تشریف لے جاتے، متوسلین کو اطلاع ملتی تو حاضر ہو جاتے۔ وہیں ایک دو رات کی صحبت سے فیض یاب ہوتے۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد یہ طریقہ بھی مشکل ہو گیا۔ کیونکہ وہاں بھی زیادہ مہمانوں کی آمد میزبان کو مشکل میں ڈال دیتی۔

چکوال، نورپور اور ڈلوال میں ایسے چند روزہ اجتماعات ہوتے رہے کسی مستقل پروگرام اور مناسب جگہ پہ کچھ روز لگاتار ذکر کی محفلوں کی ابتدا گرمیوں کی سالانہ چھٹیوں میں ۱۹۶۲ء سے باقاعدہ ہوئی۔ حضرت مولانا محمد اکرم صاحب نورپور سیٹھی سے شمال میں کوئی پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر جنگل میں اپنے ڈیرے پہ قیام پذیر تھے۔ حضرت وہاں تشریف لائے چند روز قیام فرمایا۔ دس پندرہ احباب بھی وہیں حاضر ہوئے۔ دس بارہ روز آپ کا وہاں قیام رہا۔ یہی ان اجتماعات کی بنیاد تھی۔ موسم بھی خوب تھا اور ماحول بھی پرسکون۔

ڈلوال

۱۹۶۳ء اور ۱۹۶۴ء میں حضرت مولانا محمد اکرم صاحب ڈلوال سکول میں بحیثیت معلم اپنے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ وہاں آپ کے تشریف لیجانے سے راجہ محمد یوسف صاحب کو سلسلہ کا تعارف نصیب ہوا۔ راجہ عبدالمالک شراب کشید کیا کرتے تھے۔ ان کی زندگی بدلی انہیں بھی اللہ کی برکات نصیب ہوئیں۔ چند اور احباب کی حلقہ میں شمولیت کے باعث حضرت کو مدعو کیا گیا۔ وہیں کچھ روز آپ نے قیام فرمایا اور لوگوں کو برکات نبوت سے مستفیض فرمایا۔

ڈلوال سے آپ کا تعلق حصول علم کی نسبت سے بھی تھا۔ مسجد خواجگان میں آپ کچھ عرصہ پڑھتے رہے یہیں آپ کی دستار بندی ہوئی اور صوبیدار حاکم خان کی خواہش پر آپ یہاں سے خانیوال تشریف لے گئے۔ وہاں خانیوال کے قریب ایک چک میں امامت و خطابت کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔

نورپور

۱۹۶۵ء سے ۱۹۶۶ء میں حضرت المکرم کے ڈیرے پر جنگل میں ہی حضرت تشریف لائے۔ کھلیان گھر کے سامنے ہوتا تھا۔ وہیں سحر و شام محفل

ذکر تھی ۱۹۶۷ء میں یہ اجتماع نور پور موڑ پر برلب سڑک ہوا ۔ یہ مکان ان دنوں حضرت المکرم مولانا اکرم صاحب کے کوئلہ کے کاروبار کا دفتر تھا یہاں سے چونکہ ساتھیوں کو آنے جانے کی بھی سہولت تھی ۔ جبکہ ڈیرہ دور ہونے کے علاوہ تلاش کر کے پہنچنا بھی ذرا مشکل تھا ۔ ۱۹۶۸ء کا سالانہ اجتماع بھی اسی جگہ ہوا ۔

منارہ سکول

۱۹۶۹ء کا سالانہ اجتماع منارہ میں ملک خدابخش صاحب کے گھر ہوا ۔ اب ساتھیوں کی تعداد خاصی بڑھ چکی تھی ۔ گھر میں اتنے لوگوں کا رہنا خاصا دشوار تھا ۔ اس لیے ۱۹۷۰ء میں منارہ مڈل سکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب سے بات کر کے ان سے چھٹیوں میں ان سے کچھ کمرے عاریتاً لے لئے گئے اور وہیں احباب حضرت المکرم کی معیت میں قیام پذیر ہوئے ۔ یہ چونکہ بہتر بندوبست تھا لہٰذا ہر سال یہیں اجتماع ہونے لگا ۔ بجلی نہ ہونے کیوجہ سے لالٹین سر شام ہر کمرے میں جلانے کو تیار کر لی جاتی ۔ کچھ ہی عرصہ بعد جنریٹر کا بندوبست کر لیا گیا ۔ سکول کے کمرے مختلف علاقوں کی جماعتوں کے نام سے منسوب ہوتے ۔ کوئٹہ ، ژوب اور سرگودھا سے آنیوالوں کا کمرہ علیحدہ ہوتا ۔ حضرت کے طلبہ بھی وہیں ان ایام میں اپنی تعلیم جاری رکھتے ۔ ایک کمرہ ان کے لیے مخصوص تھا ۔ حضرت قاضی صاحب کا قیام بھی طلبہ کے ساتھ ہی ہوتا کیونکہ وہ بھی حصول علم میں مشغول تھے ۔ جس کا سبب حضرت کا یہ فرمان تھا ۔

" قاضی جی " ! کاش آپ کو علم ظاہری بھی حاصل ہوتا " ۔

سو سال سے عمر تو تجاوز کر چکی تھی لیکن شیخ کے الفاظ پہ فوراً عمل شروع کر دیا ۔

پانی کی قلت

پانی کی قلت اس زمانہ میں منارہ کے مقدر میں تھی لوگ جوہڑوں اور تالابوں کے پانی پر عمر بسر کرتے ۔ بارش کے منتظر رہتے ۔ اتفاق تھا یا کرامت شیخ کہ اجتماع سے چند روز قبل اکثر بارش برستی ۔ تالابوں سے پانی خشک ہونے پر لوگ پوچھتے کہ ذکر کے لیے جماعت کب آ رہی ہے ؟ کچھ عرصہ بعد نور پور سے واٹر سپلائی کا پانی منارہ کو ملنے لگا ۔ لیکن وہ صرف اتنا تھا کہ جس سے لوگوں کی صدیوں پرانی عادت ہی خراب ہو سکی ۔ مقامی آبادی عرصہ سے پانی کی قلت پہ گزارہ کرنے کی عادی تھی ۔ جوہڑوں کے پانی سے نہانا دھونا اور پی لینے کے وہ عادی تھی ۔ لیکن اللہ اللہ سیکھنے کے لیے آنیوالے ان اللہ کے مہمانوں کے لیے یہ بندوبست بہت ضروری تھا اور ساتھ ہی مشکل بھی ۔ بعض اوقات غسل کرتے اور کپڑے دھوتے منارہ سے بوچھال اور کلر کہار تک ساتھی جاتے رہتے ۔ حضرت شیخ المکرم مولینا محمد اکرم صاحب نے اپنے ٹرک میں ایک ٹینکی فٹ کروا دی ۔ جس کو بوچھال واٹر سپلائی سے بھروا کر لایا جاتا ۔ سکول میں ڈرم اور گھڑے بھر لیتے اور مسجد میں وضو کیلئے بھی مسجد کے ٹینکوں میں پانی ڈال لیا جاتا ۔ یہ کام مخلص ساتھی کرتے اس خدمت میں سرگودھا اور بھیروالی جماعتیں سر فہرست تھیں ۔

کھانے کا بندوبست

جب تک منارہ میں حضرت مولانا محمد اکرم صاحب نے اپنے قیام کا بندوبست نہیں فرمایا تھا ۔ کھانا ملک خدابخش صاحب کے گھر پکتا ۔ وہاں سے سکول لا کر کھلانے کا وہ واقعہ اب تک بالکل میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ حضرت جو روٹیوں کا ٹوکرہ اور سالن کا دیگچہ سر پہ رکھے گھر سے سکول لا رہے تھے ۔ تعداد بڑھ گئی تو بابا روشن دین اور صوفی فیروز دین مرحوم یہ خدمت سرانجام دیتے رہے پھر حضرت مولانا محمد اکرم صاحب نے منارہ میں اپنا مکان تعمیر کر کے رہائش وہیں اختیار کر لی تو یہ بندوبست آپ کے گھر ہونے لگا ۔ سالن گھر والے خود بناتے اور روٹیاں پکانے کی ڈیوٹی ایک بوڑھی اماں کے سپرد تھی ۔

۱۹۷۳ء میں بارشوں نے سالانہ اجتماع میں بہت سی مشکلات پیدا کر دیں ۔ سیلاب کے باعث آمدورفت کے ذرائع مسدود ہوتے سے راشن پورا کرنے کا مسئلہ مشکل ہو گیا ۔ چھت ٹپکنے کے باعث رہائش کی جگہ نہ رہی تنور میں آگ جلانا اور روٹیاں پکانا ناممکن ہو گیا ۔

باہر سے ساتھیوں کا آنا محال ہو گیا ۔ جو موجود تھے انہیں واپسی کی اجازت عام تھی ۔ راشن کسی حد تک پورا کر لیا گیا ۔ احباب سکول سے مسجد میں منتقل ہو گئے ۔ حضرت ملک اکبر کی دعوت پہ اس کی کوٹھی پر تشریف لے گئے کچھ ساتھی بھی وہیں ساتھ تھے ۔ باقی مسئلے تو کچھ حد تک حل ہو گئے لیکن جب روٹیاں پکانے والی اماں نے تنور میں آگ جلانے اور روٹیاں پکانے سے بے بسی کا اظہار کر دیا تو اس کا کوئی متبادل حل نہ نکلا ۔

ان حالات میں حضرت شیخ المکرم نے خود تنور جلانے اور روٹیاں پکانے کی ڈیوٹی سنبھال لی ۔ یہی وہ ایثار اور خلوص ہے جو اللہ کے ہاں ضائع نہیں جاتا ۔ یوں بھی مہمانوں کی خدمت کبھی رائیگاں نہیں ہوتی ۔ لیکن یہ تو مہمان بھی اللہ

اللہ سیکھنے والے تھے۔ ان کی خدمت !! ؎

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

سکول کے صحن میں باقاعدہ فرش تو نہ تھا البتہ پتھر اس حد تک ہموار تھے کہ چلنا پھرنا مشکل نہ ہو لیکن ان پر گھنٹوں بیٹھ کر اللہ اللہ کرنا اور رات کو سونا سبھی کے لیے مشکل تھا۔ اور خاصکر شہروں کے رہنے والے افسر اور نازک طبع لوگ! لیکن خلوص اور جذبہ کی صداقت کی وجہ سے وہ بھی ان مشکلات کو خاطر نہ لاتے۔ بلکہ ان تکالیف نے ان کے عزم کو مزید حوصلے بخشے اور وہ کندن بنتے چلے گئے۔

۱۹۷۰ء سے ۱۹۷۹ء تک کے اجتماعات کی سعادت گورنمنٹ مڈل سکول منارہ کے حصے میں رہی اور ملک کے گوشے گوشے سے لوگ روحانی فیض حاصل کرنے یہیں آتے۔

دارالعرفان

کچھ ہی عرصے بعد وہ وقت بھی آن پہنچا کہ منارہ سکول کے چھ سات کمرے اور برآمدے باوجود اپنی وسعتوں کے تنگ ہوتے لگے۔ رہائش کو جگہ سکڑتی گئی۔ پھر یہ سب بندوبست بھی تو عارضی تھے جماعت کی تربیت کے لیے ایک مستقل مرکز کی ضرورت تھی۔ اتنی کثیر جماعت کا اکٹھے حاضر ہونا بھی مشکل تھا۔ اور جو ساتھی کسی وجہ سے حاضری سے محروم رہ گیا اس کو گویا دو سال بعد ہی یہ سعادت نصیب ہو سکتی تھی۔ ایسے بندوبست کی اشد ضرورت تھی کہ جہاں سارا سال احباب کو ایسے مواقع میسر آئیں کہ وہ حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے سینے نور نبوت سے منور کرتے رہیں۔

جگہ کا انتخاب کیا گیا کبھی چکوال کا نام آتا کبھی کسی اور جگہ کا۔ لیکن یہ سعادت علاقہ ونہار کو ہی نصیب ہوئی۔ راولپنڈی سے سرگودھا جانے والی سڑک پر پنڈی سے ۱۳۰ کلومیٹر اور کلر کہار سے ۲۵ کلومیٹر دور تین ہزار ایک سو فٹ کی بلندی پر قدرے ہموار خطہ ہے۔ جہاں کا موسم معتدل اور خوشگوار ہے۔ جس کو بابر نے بچہ کشمیر کہا تھا۔ اسی جگہ کو یہ سعادت نصیب ہو رہی تھی کہ دنیا بھر سے لوگ تزکیہ نفس اور روحانی اصلاح کے لیے یہاں آیا کریں۔ حضرت مولانا محمد اکرم صاحب کے کوئلہ کے دفاتر یہیں تھے جن کے ساتھ ہی گیارہ کنال زمین ان کی ملکیت تھی۔ سیٹھی کے کسی شخص سے ۶ کنال کا تبادلہ کیا۔ اور ۱۰ کنال کا ایک ٹکڑا اس روحانی انٹرنیشنل مرکز کے لیے وقف کر دیا۔

۱۹۷۹ء کے اجتماع کے دوران یہاں بنیادیں بھری گئیں۔ حضرت نے محراب کا پتھر رکھ کر دعا فرمائی۔ قاضی صاحب نے کشف قبلہ کی سمت درست کرتے ہوئے فرمایا۔

"مجھے نظر آ رہا ہے کہ یہ مسجد زمین کے سینے پہ تاقیامت قائم رہے گی۔" اللہ اسکو قائم رکھے۔

اخراجات

حضرت لاہوری کے شیخ حضرت دین پوری نے بلال پارک لاہور کی مسجد کا سنگ بنیاد اس شرط پر رکھا تھا کہ اس مسجد کی تعمیر کیلئے چندہ نہیں مانگا جائے گا۔

دارالعرفان کی تعمیر میں بھی یہی اصول کارفرما تھا اور اب تک نہ چندے کی نہ کوئی کتاب کاپی بنائی گئی نہ رسید بک۔

ساتھیوں نے جان و مال کے ایثار سے اس کی تعمیر میں بھرپور حصہ لیا۔ پانچ روپے سے لے کر پانچ صد ہا ہزار تک کا بخوشی ایثار احباب نے خود اپنے لیے قبول کر کے تعمیر کے کام کو لگا تار اور باقاعدہ بنا دیا۔ یوں دارالعرفان کے ان معماروں نے جنت و آخرت کے لیے باقاعدہ انوسٹمنٹ شروع کی۔

محنت و مزدوری

چھوٹے موٹے کام ستری و مزدور کرنے لگے لیکن تعمیر کے مشکل مراحل چھت ڈالنا، بنیادیں کھودنا، بھرائی کرنا۔ اس قسم کے تمام کام ساتھی خود کرتے۔ لنٹر ڈالتے کا جب بھی مرحلہ آتا تو کسی چند روزہ اجتماع کی صورت میں ساتھی اکٹھے ہو کر یہ خدمت سرانجام دیتے۔

حضرت کا کمرہ سب سے پہلے تعمیر ہوا۔ اور اس کے بعد ساتھ کا ملحقہ کمرہ خواتین کی رہائش کے لیے تعمیر کیا گیا تاکہ حوا کی بیٹی بھی اس نعمت سے محروم نہ رہے۔

۱۹۸۰ء کا اجتماع دارالعرفان میں ہوا گویا یہ اس جگہ کا باقاعدہ افتتاح تھا۔ آہستہ آہستہ تعمیر کا کام شروع رہا۔ ۱۹۸۳ء میں مسجد کی بالائی منزل کا چھت ڈالا گیا۔ ۱۰۰′ × ۴۶′ کا یہ سب سے بڑا چھت جس میں آٹھ تو بڑے بڑے بیم بھی بھرنے تھے۔ کام خاصا مشکل تھا۔ لیکن کرنل مطلوب صاحب کی انتظامی صلاحیتیں اور ساتھیوں کا جذبہ اس سے قبل بھی ایسے کئی مشکل کام پایہ تکمیل تک پہنچا چکا تھا۔

رات پارٹیوں کی تقسیم ہوئی۔ میجر احمد خان صاحب کو سیمنٹ بجری ملانے کا کام سونپا گیا۔ N E × عبدالقیوم گلگت والے اور بریگیڈیئر حنیف صاحب کو چھت پر بحیثیت ٹیکنیکل ایڈوائزر اور انجینئر کی ذمہ داریاں سونپی گئیں۔ باقی ساتھیوں کو چھوٹے چھوٹے گروپوں میں کام کیلئے تقسیم کر دیا گیا۔

احباب میں سے کوئی بھی جسمانی طور پر ایسی محنت کا عادی نہیں تھا۔ لیکن جسمانی کمزوریوں کو دینی جذبے نے قوت بخش رکھی تھی۔ بوڑھے نحیف اور ناتواں جسم والے بھی اس نیکی سے محروم رہنا نہیں چاہتے تھے۔ نہ ثواب میں جوانوں سے پیچھے۔ جس سے جتنا اور جو بن پڑا کر دکھایا۔

بجلی فیل ہو جانے سے لفٹ اور مکسر نے کام چھوڑ دیا۔ سیمنٹ ملانے کا کام جوانوں نے سنبھال لیا۔ اور لفٹ کو حضرت شیخ نے مڈ گیکر سے مصنوعی طور پر چلانا شروع کیا۔ صبح ۸ بجے سے رات ۱۰ بجے تک الحمدللہ چھت کا تمام کام پایہ تکمیل کو پہنچا جو کسی صورت کرامت سے کم نہ تھا۔ اس تعمیر کی خصوصیت یہ بھی کہ انسان سازی کے اس کارخانے کے مزدوروں میں نصف سے زائد فنا فی الرسول تھے۔

تعمیر کا یہ کام نئے آنیوالوں کو اس لحاظ سے حیران کر دیا کہ بوڑھے جوان افسر و ماتحت یہاں سبھی مزدور تھے۔ اور ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر کام کرنے میں خوشی اور سعادت سمجھ رہے تھے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست

تانہ بخشد خدائے بخشندہ را

یہ ایثار اور جذبہ، مساوات اور خلوص کہیں بھی اس دور میں ملنا مشکل ہے۔ وہ افسر جو اپنا بریف کیس اٹھانا، گاڑی کا گیٹ خود کھولنا اور بند کرنا گوارہ نہیں، وہی سرخ فیتے والے یہاں سیمنٹ کی بالٹی بھری نہ اٹھا سکیں تو خالی اٹھا لینا ہی سعادت سمجھ رہے تھے۔

مرد قلندر کی نگاہ نے سوچ کا انداز ہی بدل دیا۔ تکبر کی بجائے عاجزی، نخوت کی بجائے جذبہ اخوت و ایثار، دنیا کی بجائے آخرت اور رضائے باری ان کی طلب تھی۔ آج بھی دارالعرفان کی یہ عمارت اس جذبہ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ سارے کام کے دوران حضرت خود ساتھیوں کو کام کرتے دیکھتے اور ان کے دینی ذوق و شوق کو دیکھتے تو بے حد فرحت محسوس کرتے۔

ہر انسان کے سینے میں ایک ہی دل ہے، اور وہی محل تجلیاتِ باری کے لئے مخصوص ہے، اِس لئے باری تعالٰی اس میں غیر کا قبضہ پسند نہیں فرماتا، جب قلب تجلیات باری کا مسکن بن جاتا ہے تو تمام رذائل ذلیل ہو کر چلے جاتے ہیں۔ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۔ چنانچہ جب قلب کی پورے طور پر اصلاح ہو جاتی ہے تو غیر اللہ کا اس میں گزر نہیں ہوتا اور ولی اللہ کہہ اٹھتا ہے ”اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ“۔ معاصی کی وجہ سے قلب اندھا اور بہرہ ہو جاتا ہے مگر معالج روحانی کے علاج سے یہ امراض دور ہو جاتے ہیں، وہ قلب سقیم قلب سلیم بن جاتا ہے، اور اُخروی فلاح کیلئے راس المال بن جاتا ہے

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۝

”اُس روز نہ مال کام آئے گا نہ اولاد، ہاں مگر اللہ کے پاس جو شخص پاک دل لے کر آئے“ اس کیلئے مفید ثابت ہوگا۔

خوشبو خوشبو

ادارہ

اللہ تعالیٰ نے حق کی حفاظت اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔ اس کی رحمت یہ کب گوارا کر سکتی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو گمراہی کی وادیوں میں بھٹکتا چھوڑ دے۔ چنانچہ ہر دور میں وہ اپنے خاص بندوں کے ذریعے حق کی حمایت اور اصلاحِ خلق کی خدمت لیتا رہا اور صوفیائے کرام نے جس خلوص اور للّٰہیت سے یہ خدمت انجام دی ہے اس کی مثال ملنا مشکل نہیں۔

صوفیائے کرام کے ہاں تعلیم و ارشاد، تزکیہ و اصلاحِ باطن کا طریقہ القائی اور انعکاسی ہے اور یہ تصوف کا عملی پہلو ہے جس کا انحصار صحبتِ شیخ پر ہے۔

اتباعِ سُنّت کا حق اللہ والوں نے ادا کیا۔ جنہوں نے نبوت کے ظاہری اور باطنی دونوں پہلوؤں کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھا اور تبلیغ و اشاعتِ دین کو تزکیۂ نفوس سے کبھی جُدا نہ ہونے دیا۔ تمام ترکمالات اور سارے مناصب صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بدولت ہی حاصل ہوتے ہیں اور تصوف کا اصل سرمایہ اتباعِ سُنّت ہے۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ جو شخص کسی فن میں مہارت نہیں رکھتا اسے اس فن اور اہلِ فن پر تنقید کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ فلاسفر جنہیں علم و تحقیق پر بہت ناز ہے جب تصوف پر بحث کرتے ہوئے مسئلہ کشف پر آتے ہیں تو اُن کے لئے اس عاجزانہ اعتراف کے بغیر کوئی راستہ نہیں ملتا کہ ھٰذا طورٌ وراءَ طورِ العقل لا یدرکہٗ اصحاب قوۃ القدسیہ۔

تصوف کے لئے نہ کشف و کرامت ہے نہ دنیا کے کاروبار میں ترقی دلانے کا نام تصوف ہے اور آنے والے آئندہ واقعات کی خبر دینے اور اولیاء اللہ کو غیبی ندا کرنا۔ مشکل کشا اور حاجت روا نہ سمجھنا تصوّف ہے نہ اس میں ٹھیکیداری ہے کہ پیر کی ایک نگاہ سے مرید کی پوری اصلاح ہو جائے گی اور سلوک کی دولت بغیر مجاہدہ اور بدون اتباعِ سنت حاصل ہو جائے گی۔ نہ اس میں کشف و الہام کا صحیح اترنا لازمی ہے اور

نہ وجد وتواجد اور رقص و سرود کا نام تصوف اسلامی ہے۔ ان میں سے کسی ایک چیز پر بھی تصوف اسلامی کا اطلاق نہیں ہوتا بلکہ یہ ساری خرافات اسلامی تصوف کی عین ضد ہیں۔

٭

تصوف و سلوک القائی اور انعکاسی چیز ہے جو القاء اور صحبت شیخ سے حاصل ہوتی ہے۔ کتب تصوف سے نشان راہ تو مل سکتا ہے مگر منزل تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ حالات، واردات کیفیات اور روحانی ترقی کے لئے مراقبات کتابوں سے سیکھنے کی چیز نہیں کیونکہ واضع نے ان کے لئے الفاظ وضع نہیں کئے۔ یہ کمالات شیخ کے سینے سے حاصل ہوتے ہیں۔ جس نے ولایت و معرفت کا عملی نمونہ دیکھا ہی نہیں وہ عارف کیسے بنے گا۔ دربار نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تک رسائی و سلوک کے مقامات میں سے ایک اہم ترین مقام ہے جہاں سے سلوک کے اعلیٰ مقامات کے لئے فیض ملتا ہے ظاہر ہے کہ جو شیخ اس مقام رفیع تک رسائی ہی نہیں رکھتا اور پھر بھی سلوک طے کرانے کے لئے بیعت لیتا ہے وہ دھوکہ باز نہیں تو اُسے اور کیا کہا جائے۔

٭

کتب احادیث میں "حدیث جبریل"، کو اصول دین کے بیان میں بنیادی حیثیت حاصل ہے جس میں دین کو اسلام، ایمان اور احسان سے مرکب بیان فرمایا گیا احسان کی وضاحت یوں بیان کی گئی ہے۔

"جبریل نے کہا مجھے کہا احسان کے متعلق بتلایئے رسولؐ خدا نے فرمایا اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تو اُسے دیکھ رہا ہے۔ پس اگر تو اُسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔"

انبیاءؑ تین اغراض کے لئے مبعوث ہوتے رہے ہیں اول تصحیح عقائد، دوم تصحیح عقائد۔ دوم تصحیح اعمال، سوم تصحیح اخلاص۔ سو تصحیح عقائد کے فن کے کفیل علمائے اصول ہوتے ہیں، اعمال کی تصحیح کے کفیل فقہائے اُمت ہوتے ہیں اور فن خلوص و احسان کے کفیل صوفیہ کرام ہوتے ہیں۔

٭

کتاب و سنت اجماع صحابہ اور عقلی دلائل سے ثابت ہے کہ روح ایک جسم ہے جو اپنی ماہیت کے لحاظ سے اس محسوس جسم عنصری کے مخالف ہے۔ وہ جسم نورانی، ہلکا، زندہ اور متحرک ہے جو تمام اعضاء بدن میں نفوذ کر جاتا ہے۔ بدن میں اس کا سریان ایسا ہے جیسے گلاب کے پھول میں پانی، زیتون میں روغن اور کوئلہ میں آگ کا سریان ہوتا ہے۔ روح کا جسم لطیف ہونا اور اس جسم عنصری کا مخالف ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے۔

"پس جب بدن آدم کو پورا بنا چکوں اور اس میں روح پھونکوں۔"

قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي "کہہ دو کہ روح تو میرے رب کے امر سے ہے۔"

اگر اس کی پیدائش کسی مادہ مثلاً پانی، ہوا آگ یا نور سے ہوتی تو اس کا ذکر کیا جاتا ہے معلوم ہوا کہ یہ نور سے بھی زیادہ لطیف ہے۔

روح عالم امر کی چیز ہے۔ جب عقل انسانی عالم امر کا ادراک کرنے سے قاصر ہے تو عالم امر کی چیزوں کا ادراک کیونکر کر سکتی ہے اس لئے علوم عقلی یا علوم ظاہری سے روح کی معرفت محال ہے درحقیقت روح کی معرفت کا تعلق دلائل ذوقیہ، نور بصیرت یعنی کشف سے ہے اور جب دلائل ظاہریہ، ذوق اور کشف کی تائید کر دیں تو نورٌ علیٰ نور ہے۔

جہاں تک ذوق اور کشف کا تعلق ہے اس بارے میں صرف محققین اصحاب کشف اور ارباب ذوق کا فیصلہ ہی حجت قرار دیا جا سکتا ہے اور دیا جانا چاہیئے۔ محققین صوفیہ کاملین اصحاب کشف کا فیصلہ یہ ہے کہ یہ جسم لطیف نورانی ہے۔ اس کی شکل اس جسم کی شکل کے عین مطابق ہوتی ہے جس بدن کا وہ روح ہے قد و قامت اور ہیئت میں ہو بہو اس جسم کے مطابق ہوتی ہے۔

روح لطیفہ ہے نورانی ہے جس بدن میں وہ ہے اسی کی شکل پر ہے بدن سے جدا ہونے کے لئے اس کے لئے جسم مثالی کی ضرورت نہیں اس کی تفصیل یہ ہے کہ سب سے پہلے یہ معلوم کر لینا چاہیئے کہ حیات کسے کہتے ہیں۔ حیات نام ہے حس و حرکت، دیکھنا، سننا، بولنا۔ قوئ ظاہری و باطنی کا

موجود ہونا۔ روح دُنیا میں بدن کو زندگی بخشتا ہے۔ دنیا میں مادی چیزوں کو سنانے میں مادی آلات کا محتاج ہے نہ کہ اپنی حیات میں مادی بدن کا محتاج ہے بلکہ روح بدن کو حیات بخشتا ہے برزخ میں جاکر روح مادی دنیا کو اپنی آواز نہیں سُنا سکتا۔ اس لئے مادی آنکھیں اسے نہیں دیکھ سکتیں۔ مادی کان اس کی بات نہیں سُن سکتے حالانکہ وہ خود بولتا ہے سُنتا ہے اس کے سارے اعضاء ذاتی ہیں۔ روح خود جسم لطیف، اس کے کان لطیف، اُس کی آواز لطیف، اس کو تمام لطیف چیزیں لیتیں ہیں اس کی آواز سُن لیتی ہیں جیسا ملائکہ قلوب انبیاء، قلوب اولیا لطیف چیزوں کو دیکھنے یا سُننے سنانے میں کسی غیر جسم کے آلات کا محتاج نہیں۔

عالم برزخ، قیامت صغریٰ ہے جہاں روح زندہ رہتی ہے اور عالم آخرت، قیامت کبریٰ ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

"دریقیناً آخرت کا گھر ہی تو زندگی ہے۔"

اور ظاہر ہے کہ دنیا کی زندگی کے مقابلے میں اکمل زندگی ہے دنیا اور اُس کی ہر شے کے لئے موت اور فنا ہے مگر آخرت کی زندگی ابدی ہے اس لئے دار آخرت کی ہر شے کیا جزا کیا کل موت سے پاک ہے جب روح کے لئے جزا دسزا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ زندہ ہے کیونکہ مُردہ اور معدوم کے لئے جزا دسزا نہیں اس لئے روح سنتی ہے دیکھتی ہے، بولتی ہے بلکہ اس کی ساری۔

قوتیں اور تمام صلاحیتیں اسی جگہ کامل درجے پر معرض اظہار میں آتی ہیں۔

اہلِ سنت والجماعت کا اجمالی عقیدہ یہ ہے کہ برزخ میں رُوح بالذات معکف ہے اور بدن تابع رُوح ہوتا ہے۔

تہذیب تمدن

ہر تہذیب کی ایک روح ہوتی ہے جو اس کے مظاہر میں جھلک جاتی ہے دراصل یہی وہ چیز ہے جس سے وہ خاص تہذیب پہچانی جاتی ہے یہ تہذیبی روح وہ عقائد وافکار میلانات یا رجحانات ہوتے ہیں جو اس کے رگ وپے میں سما جاتے ہیں اور اس کے خد وخال میں ظاہر ہو کر اس کے تشخص کا تعین کرتے ہیں اسی سے اس تہذیب کی مرکزی اور حقیقی حیثیت و نوعیت کا پتہ چلتا ہے۔

اگر غور کیا جائے تو اس کرہ ارض پر بنیادی طور پر دو تہذیبیں دو تمدّن یا دو طرز حیات ہیں جن میں پوری انسانی آبادی بٹی ہوئی ہے ایک وہ تہذیب و تمدن وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقے اور اس کے فرستادہ انبیا رو رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے متبعین کے طرز حیات اور اسوۂ حسنہ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے یہی وہ ربانی تہذیب ہے۔ یہی وہ صراطِ مستقیم ہے۔ جس پر مقبول بندے گامزن رہتے ہیں اور رہیں گے۔ دوسری وہ تہذیب جو خصوصیات ربانی سے عاری ہے۔

بے سکونی

آج کی دنیا خالصتاً ایک مادی اور لادینی تمدّن کی طرف بڑھتی جا رہی ہے عقل کو دنگ کر دینے والی ترقی اور تہذیب و شائستگی کے باوجود کھوکھلی ہے یقین اور تشکیک کا شکار ہے ایک مسلسل تلاش و جستجو میں حیران و سرگرداں ہے مگر سر رشتہ مقصود ہاتھ نہیں آ رہا غور کرنے کی بات یہ ہے کہ وہ گوہر مقصود ہے کیا جس کے لئے انسان کا قلب و ضمیر ایک اضطراب مسلسل کا شکار ہے اور اسی اندرونی اضطراب ہی کے کچھ روپ ایسے ہیں جن سے آج کل کی اعجوبہ پسندی اور اعجوبہ کاری عبارت ہے جب گوہر مقصود ہاتھ نہیں آتا اور قلب و ضمیر کی خلش کم نہیں ہو پاتی روح کی پیاس بجھتی نہیں تو متمدن انسان اپنے علم و تحقیق کی تعبیرات فاسدہ کے سہارے اس آواز کو دبانا چاہتا ہے اور اس داعیہ فطرت کی اہمیت و حقیقت سے انکار کی روش اپنا کر وقتی طور پر اس مسئلہ کی سنگینی سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے وہ زندگی کی معنویت سے انکار کر کے اپنے اضطراب کو کم کرنا چاہتا ہے۔ مگر زخم آگہی ہے کہ اور گہرا ہوتا جاتا ہے۔ حقائق فطرت آئے دن بے نقاب ہو رہے ہیں اور علم و تحقیق کی ہر نئی سطح پر ایک نیا شعور ابھرتا دکھائی دیتا ہے زندگی کے نئے نئے رخ سامنے آ رہے ہیں۔

اضطراب

لیکن کیا کیا جائے انسان کی اس کج بینی اور کج فہمی کا کہ تجربہ و مشاہدہ کے باوصف اس کی گہرائی اور حقیقت پر غور

کرنے کی فرصت نہیں پا تا اور ایک آدھ لمحہ کے لئے بھی اپنے خواب شیریں سے بیدار نہیں ہونا چاہتا کچھ ایسی صورت ہے کہ اضطراب بڑھتا جاتا ہے ایک انجانے خوف کے مہیب اور طویل سائے پوری انسانیت پہ پھیلے جا رہے ہیں مستقبل باوجود انتہائی ترقی تہذیب و شائستگی اور علم و فضل کے حصول و ارتقاء کے باوصف تاریک سے تاریک تر ہوتا جا رہا ہے کہیں بڑھتی ہوئی آبادی کا مسئلہ پریشانی فکر کا سبب ہے اور کہیں موجود آبادی کے ترقی یافتہ ذہن کی ایجادات و اکتشافات اور ایٹمی توانائی کی کرشمہ سازیاں زندگی کے خواب کو پریشان کرتی نظر آتی ہیں انسان اپنے ہاتھوں اپنی تباہی و بربادی کے منصوبے تعمیر بھی کر رہا ہے اور غور بھی کرتا جاتا ہے۔ محسوس بھی کرتا ہے مجبور بھی ہے اور مختار بھی ہے عجیب کشمکش میں گرفتار ہے خود ہی گڑھا کھود رہا ہے اور خود ہی اس میں گرتا جا رہا ہے اس کی گہرائی اور گہرائی بڑھ رہی ہے۔ مگر مداوا ہاتھ نہیں آتا۔

☆

اس دکھی انسان کو اس ڈراؤنے خواب سے جو ہر لمحہ ایک تلخ حقیقت میں تبدیل ہوتا جا رہا ہے کون نجات دلائے اور اس مصیبت سے کون نکالے جس کے احساس نے اسے باوجود جملہ مرغوبات کے حصول کے پریشان کر رکھا ہے اس کی کیفیت کچھ ایسی ہو رہی ہے کہ لذائذ حیات موجود ہیں مگر تسکین نہیں۔

☆

بُرا ہو عقل و خرد کی ان بدمستیوں کا اور علم و تحقیق کی گمراہی کا کہ اپنی آنکھیں بند کئے تہہ بہ تہہ اندھیروں میں سرگرداں ہے اور اپنے اس خوابِ غفلت میں ہی بیداری کے خواب دیکھنے اور اس کی تعبیر پالینے کی فکر میں غلطاں ہے۔

کاش! کوئی اس اونگھتے جاگتے انسان کو اسلام کی نعمت لازوال سے آشنا کر دے تاکہ اس کے دکھوں کا مداوا ہو جائے۔

فلاح کا واحد راستہ

آفتابِ حقیقت خاتم النبیین سید المرسلین رحمۃ للعالمینؐ کی بعثت سے طلوع ہو چکا ہے۔ اس کی روشنی چار سو عالم میں پھیل چکی ہے۔ کھوئی لٹی اور بکھری ہوئی انسانیت کی فلاح اللہ تعالیٰ کے آخری رسول نبی امی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اتباع میں ہے۔

اور قلب و ضمیر کی روشنی اسی آفتاب ہدایت کی ضیا پاشیوں سے فیض یاب اور سیراب ہونے سے ہی ممکن ہے یہ دولتِ جاوید اور نعمتِ لازوال یہی سے ملے گی۔

اور انسانیت کی فلاح و کامرانی کا یہی واحد راستہ ہے۔

☆

سالانہ اجتماع کے موقعہ پر آپ نے فرمایا

۱:۔ آپ لوگ جو یہاں دُور دور سے آتے ہیں اپنی مصروفیات کو چھوڑ چھاڑ کر یہاں اس انداز سے رہتے ہیں اور اچھی خاصی مشقت برداشت کرتے ہیں تو آخر کیوں؟

اس امر پہ غور کریں کہ اس کا مقصد کیا ہے؟ یہی نا کہ اللہ کی رضا حاصل ہو۔ اس کے دین کی سمجھ اور اس پر عمل کرنا آسان ہو جائے، دل میں خلوص پیدا ہو جائے۔ اب جبکہ آپ یہاں سے رخصت ہو رہے ہیں تو یاد رکھیں کہ جو چیز بحمداللہ آپ نے یہاں سے حاصل کی ہے اور جو دولت آپ اپنے ساتھ سمیٹ کرلے جا رہے ہیں۔ اسے اللہ کی مخلوق تک پہنچائیں۔ اور خود بھی اس کی حفاظت کریں۔ شیخ کا کام ہے تربیت کرنا اور راہنمائی کرنا۔ اور وہ نعمت جو اللہ نے اسے دی ہے اس کے فیضان سے دلوں کی تشنگی بجھانا۔ اب یہ آپ کا کام ہے کہ اس کی حفاظت کریں اور پھر دوسروں کو دین کی دعوت دیں اور یہ نعمت لوگوں تک پہنچائیں۔

☆

۲:۔ اتباع سنت کا خاص اہتمام کریں، نماز کی پابندی کریں، نماز خشوع و خضوع اور تعدیل ارکان کے ساتھ ادا کریں۔ ذکرِ الٰہی پر مداومت اختیار کریں۔ اس کے بغیر اصلاح احوال مشکل ہے۔

☆

۳:۔ ذکرِ الٰہی پہ مداومت ضروری ہے اس کے بغیر اصلاح کا کوئی طریقہ نہیں۔ جب تک باطن کی اصلاح نہ ہو،

ظاہر کی اصلاح بھی نہیں ہو سکتی۔ اگر ظاہر کی اصلاح کسی قدر ہو بھی جائے تو باطن کی خرابی سے آہستہ آہستہ وہ بھی ضائع ہو جاتی ہے۔

٭

۴ :۔ سلوک اور منازلِ سلوک کی اہمیت کا صحیح احساس تو موت کے بعد ہی ہوگا۔ پھر پتہ چلے گا کہ یہ کتنی بڑی نعمت ہے۔ دنیا و مافیہا اور یہاں کی دولت و ثروت اور حکومت وغیرہ اس کے مقابلے میں ہیچ ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے یہ نعمت کسی کو عطا فرما دے تو پھر یہ ہر چیز سے مستغنی کر دیتی ہے۔

ایں آں سعادت ہست کہ حسرت برد براں
جو یائے تختِ قیصر و ملکِ سکندری

٭

۵ :۔ منازلِ سلوک جو کہ دراصل منازلِ قرب ہیں۔ ان کا مدار اتباعِ شریعت پر ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ شیخ مقتدا سے خلوصِ قلبی ہو ورنہ یہ دولت حاصل کرنا محال ہے۔

٭

۶ :۔ تصوّف تو سارے کا سارا ادب ہے۔ اس کے بغیر کام نہیں چلتا۔ جس شخص سے آپ فیض لینا چاہتے ہیں یا جو آپ کو توجہ دیتا ہے، معمول کراتا ہے۔ اس کا ادب ضروری ہے ورنہ اس راہ میں بغیر ادب و احترام کے فائدہ ممکن نہیں۔ وہ لوگ جو شیخ کی طرف سے معمول کرانے پر مقرر ہیں۔ ان کی حیثیت بڑے بھائی کی سی ہے۔ ان کا احترام ضروری ہے اور انہیں چاہیئے کہ وہ چھوٹے بھائیوں کی تربیت کریں اور ان سے شفقت و محبت کا سلوک کریں۔ لیکن یاد رہے کہ ادب، اطاعت و احترام اتباعِ شریعت کے ساتھ مشروط ہے۔ اگر معاملہ برعکس ہو تو پھر لا طاعة المخلوق فی معصیة الخالق۔

٭

۷ :۔ لطائف، مراقبات، سالک المجذوبی اور منازل یہ سب عبادات میں داخل ہیں۔ ان کی اہمیت کا صحیح علم تو موت کے بعد ہوگا۔ اس کے بعد لسانی اذکار ہیں تو قرآن کریم کی تلاوت کریں۔ ذکر نفی اثبات لا الٰہ الا اللہ کی کثرت کریں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم پر درود کثرت سے بھیجیں استغفار پڑھیں۔ کم از کم ایک تسبیح کی مقدار دن رات میں ضرور پوری کریں۔ رات سونے سے پہلے دس مرتبہ یا بیس مرتبہ لا الٰہ الا اللہ ضرور پڑھیں۔ سورۂ اخلاص پڑھیں۔

٭

۸ :۔ اگر کسی شخص کو تنگدستی ہو تو میری طرف سے تمام جماعت کو اجازت ہے کہ اول آخر درود شریف اور لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پانچ تسبیح پڑھیں انشاء اللہ کچھ مدت کے بعد یہ تکلیف دور ہو جائے گی۔

٭

۹ :۔ جب ذکر الٰہی دل میں سما جاتا ہے تو اس کی اصلاح شروع ہو جاتی ہے اس سے پیشتر جن خواہشات، عقائد اور مرغوبات نے ڈیرہ جما رکھا تھا۔ ذکر الٰہی انہیں وہاں سے نکال باہر پھینک دیتا ہے۔ شرک، تکبر، انانیت اور دوسری خباثتیں بالآخر وہاں سے نکل جاتی ہیں۔

مختلف ملکوں سے میرے پاس خطوط آتے رہتے ہیں جن میں تصوف و سلوک کے متعلق استفسارات ہوتے رہتے ہیں، جن کے جواب میں میں اکثر یہی لکھتا ہوں کہ "اگر کوئی شخص خلوص دل سے میرے پاس آئے اور آداب و شرائط کے ساتھ رہے اور پھر بھی اسے سلوک حاصل نہ ہو سکے تو سمجھ لے کہ اس میں اس کے حصول کی استعداد ہی نہیں ہے۔ تمام دنیا میں پھر پھرا کے دیکھ لے یہ چیز کہیں سے حاصل نہ ہوگی۔"

٭

ایک مولوی صاحب اکثر اپنی تقاریر اور مواعظ میں ہمارے سلسلہ پر اعتراض کیا کرتے تھے۔ ہوا یہ کہ ان کے ایک بھائی ہمارے ذکر و تربیت میں شامل ہو گئے۔ ان کے بدلے ہوئے حالات جب انہوں نے دیکھے تو سوچ میں پڑ گئے کہ یہ ہوا کیا ہے؟ ـــــ ہماری کتاب "اسرار الحرمین" ایک عمر رسیدہ عالم دین کے پاس لے گئے۔ یہ بزرگ، بیان کیا جاتا ہے کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور مجاز ہیں۔ ضلع سرگودھا کے کسی دیہات میں آبادیوں سے دور اپنی زرعی

اراضی پر رہتے ہیں، عابد، زاہد، ذاکر، شاکر آدمی ہیں ——
مولوی صاحب نے کتاب کے دو حصے جن میں مشاہدات حرمین شریفین کا بیان ہے۔ ان کے سامنے رکھے اور پوچھا کہ حضرت! کیا یہ باتیں درست ہیں اور ایسا ممکن ہے؟

آپ کتاب کے ان حصوں کا مطالعہ فرماتے رہے اور پھر فرمایا کہ ہاں! بھائی یہ سب درست اور صحیح ہے۔ لیکن بات یہ ہے کہ اب ایسے لوگ کہاں! اس دور میں تو اس قسم کے لوگ نہیں پائے جاتے۔ مولوی صاحب نے عرض کیا حضرت اس کتاب کے مصنف جن کے احوال کا کچھ ذکر اس کتاب میں ہے اس وقت موجود ہیں ہیں تو فرمایا۔ کہ بھائی ایسے شخص کے تو پاؤں دھو کر پینا چاہیئے۔ وہ صاحب کہاں تشریف فرما ہیں، مولوی صاحب نے کہا، آج کل آپ مُنارہ (ضلع جہلم) میں اپنے شاگردوں کے تربیتی اجتماع کی نگرانی فرما رہے ہیں۔

٭

میں اپنے کسی شاگرد (ساتھی) کو دنیا کے کام کاج سے نہیں روکتا۔ خواہ وہ سلوک کے کیسے ہی منازل سے گزر رہا ہو۔ مختلف پیشوں کے لوگ اپنے اپنے پیشہ کے مطابق کام کریں، مزدور مزدوری، صنعت کار صنعت وحرفت، زمیندار زمینداری و کاشت کاری اور ملازمت پیشہ افراد اپنی ملازمت کے فرائض انجام دیں —— کام کریں اور سارا سارا دن کام کریں۔ لیکن خرافات سے بچیں، بیہودہ گوئی اور لایعنی سے اجتناب کریں صبح و شام گھنٹہ نصف گھنٹہ پھر اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں۔ ذکر الٰہی میں مصروف ہوں، نماز پنجگانہ کی پابندی کریں۔ اگر اللہ کا بندہ بننا چاہتے ہیں "حزب اللہ" (اللہ کی جماعت) میں داخل ہونا چاہتے ہیں تو احکام شریعت مطہرہ کی پابندی کریں۔ ورنہ اس سے کٹ گئے تو "حزب الشیطان" میں داخل ہو جائیں گے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کو کام کاج سے منع نہیں فرمایا۔ ہاں صرف ان پیشوں سے روکا جو شرعاً ناجائز ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں سے کوئی عطر فروشی کا کام کرتا تھا تو کوئی کھجوروں کی تجارت تو کچھ تجارت پیشہ تھے تو کچھ کاشت کاری کرتے تھے۔

٭

لسانی اذکار اور عبادات نافلہ کی بجا آوری کے لئے صرف جاننا کافی ہے کسی شیخ مقتدا کی تربیت وصحبت کی ضرورت نہیں۔ لیکن راہ سلوک میں بغیر توجہ شیخ کے چلنا محال ہے مقام احدیت تک پچاس ہزار سال کی مسافت ہے، دنیا کی تو اتنی عمر بھی نہیں۔ جب سالک پر احدیت کا دروازہ کھل جاتا ہے تو اُسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اب راہ سلوک پر چل سکتا ہے۔ اس راہ میں قدم قدم پر شیخ کامل کی ضرورت ہے۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شائد تسبیحات و اذکار کی خاص تعداد پڑھنے یا خاص خاص اوراد و وظائف پورا کر لینے سے ہی سلوک کے مقامات حاصل ہو جائیں گے۔

٭

یہ درست ہے کہ تسبیحات اور اوراد و وظائف کا پڑھنا نیکی ہے اور کارِ ثواب ہے لیکن اس کا تعلق ولایت خاصہ سے نہیں، ولایت عامہ سے ہے۔ جس کا حصول ہر مسلمان کے لئے ممکن ہے اور اس میں شیخ کی توجہ یا صحبت کی ضرورت نہیں۔

٭

صوفیائے کرامؒ کے احوال عجیب ہوتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے برق تپاں۔ جب چمکتی ہے تو دنیا کو روشن کر دیتی ہے اور کچھ پتہ نہیں چلتا۔

٭

اس دور میں الحاد و زندقہ کی آندھیاں چل رہی ہیں ہر طرف ظلمت ہی ظلمت ہے بے پناہ ظلمت! اگر یہاں کوئی سالک فنا فی اللہ یا بقا باللہ کے مقام والا بھی مل جائے (بشرطیکہ وہ کہیں ہو بھی) تو اس میں اتنی طاقت نہیں کہ کسی طالب کو کچھ کرا سکے۔ بلکہ اس زمانے میں سالک المجذوبی والے سے بھی یہ کام مشکل ہے کہ وہ کسی طالب کو اپنی توجہ سے عالم بالا کی طرف رہنمائی کرسکے۔ اس گمراہی کے مقابلے میں بڑی طاقت، اور قوی استعداد کی ضرورت ہے۔ جتنی گمراہی زیادہ ہوتی ہے اس کے مقابلے کے لئے اتنی ہی زیادہ طاقت کی ضرورت ہوتی ہے

٭

اگر میرے رونگٹے رونگٹے میں ایک ایک ہزار زبان ہو اور ہر زبان ایک ایک ہزار بولی بول سکتی ہو تو بھی اللہ کریم کا شکر یہ ادا کرنے سے قاصر ہے۔

٭

میرا رجحان علومِ ظاہریہ کی طرف زیادہ ہے۔ مجھے جو وقت بھی فراغت کا ملے، رات ہو یا دن، خاص طور پر رات کے وقت، (تنہائی میں) میں قرآن کریم اور حدیث نبوی پر غور کرتا ہوں، جس طرح قرآن کریم اور حدیثِ نبویؐ پر غور کرتا ہوں جس طرح قرآن و حدیث کے اسرار و رموز اس علم (تصوف) سے کھلتے ہیں اور اس کے مشکلات حل ہوتے ہیں اور کسی علم سے نہیں ہوتے۔ اس لئے جو وقت بھی میسّر آئے اس میں صرف کرتا ہوں۔

☆

جو لوگ میرے پاس آتے ہیں مجھے تنبہ ہے کہ ان کے متعلق مجھ سے پوچھا جائے گا۔ اس لئے میں خطوں کے جواب میں بھی اور ویسے ملنے والوں سے بھی ہمیشہ یہی کہتا ہوں کہ . . . اتباعِ شریعت اتباعِ سنت، نماز کی پابندی۔ میری یہی کوشش ہوتی ہے کہ اتباعِ شریعت اور اتباعِ سنتِ نبویہ، حلال و حرام کی تمیز، ذکر اللہ پر دوام، کی تلقین کروں ..... آپ کے متعلق مجھ سے پوچھا جائے گا۔ کہ یہ لوگ تمہارے پاس آئے تھے تم نے انہیں کیا بتلایا! ہماری ہمیشہ یہی کوشش ہوتی ہے کہ اللہ کریم سلف صالحین کے رستے سے نہ ہٹائے، صحابہ کرامؓ تابعین، تبع تابعین، سلف صالحین کا راستہ ہی صراطِ مستقیم ہے۔ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم۔ اسی راستے پر چلو۔

☆

یہ معاملہ بڑا نازک ہے۔ ساری جماعت غور سے سُن لے۔ اتباعِ شریعتِ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر کوئی چیز نہیں مل سکتی۔ وہ لوگ جاہل و مجہول اور گمراہ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ شریعت اور چیز ہے اور طریقت کچھ اور ہے۔

خلاف پیغمبر کسے راہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

شریعت کا مغز ہے، نچوڑ ہے فقر یعنی تصوف اور احسان۔ شریعت بیج کے مانند ہے اور طریقت اس کا ثمر، جب بیج ہی نہ ہو گا تو پھل کہاں سے آئے گا۔ عقائد اصل یعنی جڑ ہیں۔ فروعی مسائل اس شجرہ طیبہ کی شاخیں ہیں۔ اور تصوف و احسان اس کا ثمر، جب اصل ہی نہ ہو تو پھل کہاں سے آئے گا۔

☆

روح سے فیض

اہلِ سنت والجماعت کا اجتماعی عقیدہ ہے کہ صاحبِ قبر سے فیض ہوتا ہے روح زندہ ہے اور اس کی موت صرف انقطاع عن البدن ہے۔ اسی کو فنائیت کہہ دیا جاتا ہے اس کی فنائیت تو "آنی" ہے مگر بقا دوامی۔ روح کی بدن سے جدائی کو ہی موت کہہ دیا جاتا ہے ورنہ رُوح پر موت وارد نہیں ہوتی جیسے جنت دوزخ ان کے عذاب و ثواب، لوحِ محفوظ، کرسی یہ سب چیزیں ہیں تو حادث ہی قدیم نہیں، مگر یہ فنا نہ ہوں گی یہی حال روح کا ہے۔ مگر ایک بات یاد رکھنے کی ہے کہ روح سے حصولِ فیض کے لئے روح کے ساتھ ربط کا قائم ہونا ضروریات میں سے ہے اور مبتدی اگر سو سال بھی کسی قبر پر بیٹھا رہے جب کوئی زندہ شیخ اس کو یہ ربط پیدا نہ کرائے، خود بخود حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ ہمارے اور اُن کے درمیان ہزاروں حجابات حائل ہیں۔ یہ بات نہیں کہ وہ محض چند فٹ زیرِ زمین ہیں۔ بلکہ وہ ایک اور عالم میں ہیں۔ سو کوئی ایسی ہستی ضروری ہے جو اپنی توجہ سے حجابات پھاڑ کے رکھ دے اور وہاں تک پہنچا کر اُن سے ربط پیدا کرا دے۔ ان سے ایسا تعلق کا رشتہ قائم ہو جائے تو فیض شروع ہو جاتا ہے۔

روح سے فیض

اہل سنت والجماعت کا اجتماعی عقیدہ ہے کہ صاحبِ قبر سے فیض ہوتا ہے رُوح زندہ ہے اور اس کی موت صرف انقطاع عن البدن ہے۔ اسی کو فنائیت کہہ دیا جاتا ہے اس کی فنائیت تو "آنی" ہے مگر بقا دوامی۔ روح کی بدن سے جدائی کو ہی موت کہہ دیا جاتا ہے ورنہ روح پر موت وارد نہیں ہوتی جیسے جنت دوزخ ان کے عذاب و ثواب، لوح محفوظ، کرسی، یہ سب چیزیں ہیں تو حادث ہی قدیم نہیں۔ مگر یہ فنا نہ ہوں گی یہی حال روح کا ہے۔ مگر ایک بات یاد رکھنے کی ہے کہ روح سے حصولِ فیض کے لئے روح کے ساتھ ربط کا قائم ہونا ضرورت میں سے ہے اور مبتدی اگر سو سال بھی کسی قبر پر بیٹھا رہے، جب کوئی زندہ شیخ اس کو یہ ربط پیدا نہ کرائے، خود بخود حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ ہمارے اور اُن کے درمیان ہزاروں حجابات حائل ہیں۔ یہ بات نہیں کہ محض چند فٹ زیرِ زمین ہیں۔ بلکہ وہ ایک اور عالم میں ہیں۔ سو کوئی ایسی ہستی ضروری ہے جو اپنی توجہ سے حجابات پھاڑ کے رکھ دے اور وہاں تک پہنچا کر اُن سے ربط پیدا کرا دے۔ ان سے ایسا تعلق کا رشتہ قائم ہو جائے تو فیض شروع ہو جاتا ہے۔

ضرورتِ شیخ

ہر عارف ذاکر تو ہوتا ہے مگر ہر ذاکر عارف نہیں ہوتا۔ اور محض ذکر کے لئے شیخ کی ضرورت بھی نہیں۔ اذکار مسنونہ بہت ہیں۔ بے شک پڑھا کرے اور ذکر کیا کرے۔ مگر حصول معرفت کے لئے طالب کو شیخ کی ضرورت ہے۔ اور منازل سلوک بغیر شیخ کی راہنمائی کے کوئی نہیں پا سکتا۔ بلکہ ایسی ضرورت ہے جیسے کسی اندھے کو رہنمائی کی کیونکہ اس کی راہ میں بے شمار سخت گھاٹیاں ہیں جن میں سے کسی میں بھی گرنا سخت ہلاکت اور تباہی کا سبب ہے اور سالک خود تو اس راہ سے آشنا نہیں اس لئے ضروری ہے کہ آگاہِ راز اس کی راہنمائی کرے اور نشیب و فراز سے بچاتا ہُوا نکال لے جائے اور شیخ کا اتباع کامل طور پر کرے۔ منازل سلوک میں انسان کتنی بھی بلندی پر چلا جائے۔ ربط با شیخ ہی اس کی اساس و بنیاد ہے جیسے پتنگ کتنی بھی بلندی پر چلی جائے، ڈور اس کے لئے ضروری ہے اگر یہ رشتہ ٹوٹ جائے تو وہ اڑنے کی جگہ بتدریج گرنا شروع ہو جائے گی اور بالآخر درختوں اور جھاڑیوں میں اُلجھ کر برباد ہو جائے گی۔

لطائف میں طالب کی مثال بالکل ایسی بیمار کی سی ہے جو دوا اور غذا وغیرہ کے معاملہ میں ڈاکٹر کے تابع ہے۔ ڈاکٹر ہی جان سکتا ہے کہ اس کی دوا کیا ہے اور کس شے سے پرہیز اس کی صحت کے لئے ضروری ہے تو بالکل اس مریض کی طرح صحت کی طلب میں تلخ دوائیں پینا اور مرغوب غذاؤں سے پرہیز کرنا ہے ایسے ہی طالب کو شیخ کی اطاعت ضروری ہوتی ہے۔

شیخ کے لئے شرائط

مگر شیخ بھی ہر کسی کو نہیں بنایا جا سکتا۔ لوگ جہلا کے پیچھے چل کر تباہ ہو رہے ہیں۔ یاد رکھیں کہ شیخ کے لئے عالم ہونا ضروری ہے۔ جاہل کی بیعت حرام ہے اور بیعت لینے اور کرنے والا دونوں فاسق و فاجر ہیں۔ ہاں یہ ضروری نہیں کہ وہ مروجہ نصاب تعلیم پڑھا ہُوا ہو۔ صحابہ کرامؓ اور اکثر تابعین کتب پڑھے ہوئے نہ تھے بلکہ ارشاداتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جاننے والے تھے جو آپؐ نے ارشاد فرمایا انہوں نے ازبر کر لیا۔ اسی طرح اگر کوئی اُردو پڑھ کر ہی مسائل سیکھ لے یا سُن کر ہی یاد کرے کوئی بھی صورت ہو، ضروریاتِ دین سے واقف ہونا ضروری ہے۔ یہی مسلک اہل سنت ہے۔ نیز شیخ کے لئے صرف عالم ہونا ہی شرط نہیں بلکہ علم کے ساتھ عمل بھی ہو، فرائض و سنت کا پابند ہو۔ شیخ کو چاہیئے۔ کہ وہ نوافل ضرور پڑھے کہ اس سے قلب کی نگہداشت بھی رہتی ہے اور قربِ الٰہی کا سبب بھی ہیں۔ سب سے ضروری ہے کہ فن سلوک کا ماہر ہو۔ یہ تو ممکن ہے کہ کوئی طالب شیخ سے زیادہ متقی ہو مگر جس علم کا (یعنی طالبین کی اصلاح و تزکیہ کا طریق)، وہ طالب ہے اس میں شیخ کا ماہر ہونا ضروری ہے۔

قرآن کریم نے شیخ کی چار شرائط بیان فرمائی ہیں۔

(۱) اونٹ کی طرح مشقت برداشت کرنے والا ہو (۲) آسمان کی طرح بلند ہمت ہو۔ (۳) پہاڑوں کی طرح ثابت قدم (۴) زمین کی طرح متوازن یعنی اس میں عجز و انکسار

ہو

منکرین تصوف

مگر فی زمانہ جو اعظم المصائب ہے وہ یہ کہ علم اُٹھتا جا رہا ہے اور علماء ختم ہو رہے ہیں خصوصاً یہ فن تصوّف (احسان و تزکیہ و سلوک) کا علم تو بالکل ہی کمیاب ہو رہا ہے۔ لوگ اپنی جہالت اور دوں ہمتی کی وجہ سے انکار میں مبتلا ہیں۔ حالانکہ کتاب اللہ پر اگر نظر کی جائے تو اوّل تا آخر اس میں ایک قدر مشترک نظر آتی ہے یعنی اس کی ساری تعلیمات دُنیا سے چھڑا کر متوجہ الی اللہ کرتی ہے جس قدر آسمانی کتب نازل ہوئیں یعنی ایک صد اور چار۔ ان کا جملہ علم ان چار کتابوں میں ہے، ان سب کا قرآن کریم میں اور قرآن کریم کا سارا مفہوم سورۂ بقرہ میں ملتا ہے سورۂ بقرہ کا خلاصہ سورہ فاتحہ میں اور سورۂ فاتحہ کا خزانہ بسم اللہ ہے۔ بسم کا راز اس کی "ب" میں ہے کہ یہ بائے تلبس ہے یعنی ساری کائنات سے کٹ کر اللہ سے واصل ہو جا۔ یہی بعثتِ انبیاء کا مقصد ہے۔ اللہ سے بچھڑی ہوئی مخلوق اور شیطنت کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی انسانیت، اُدھر سے کٹ کر اللہ تعالیٰ سے جُڑ جائے۔ مگر بدنصیبی یہ ہے اسی شے کا انکار کیا جا رہا ہے اصل مصیبت یہ ہے لوگوں سے یہ علم اُٹھ گیا۔ جہالت کی بنا پر انکار کئے دیتے ہیں۔ اس انکار کرنے والوں کے مقابل ایک اور گروہ ہے جو رنگ نما، اور رنگ فروش ہے جو دعویٰ کرتے ہیں مگر افسوس عملاً کچھ نہیں کر پاتے۔ رنگ ساز نہیں۔ عوام کا یہ حال ہے کہ بے چارے رہبر اور رہزن میں تمیز سے عاری ہیں، یہ طبیب اور دوا فروش کے فرق کو نہیں جانتے اور مریض کے پاس معالج کے پاس جانے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ آج کل تو تقریباً سارے ہی دل کے مریض اور مختلف بیماریوں کا شکار ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔

شرائطِ ذکر

تصوّف میں تین مدارج ہیں۔ پہلا درجہ ذکر لسانی کا ہے زبان سے ذکر کرے۔ اللہ اللہ کرے۔ سبحان اللہ، لا الٰہ الا اللہ پڑھے۔ درود و استغفار اور مختلف وظائف پڑھے یہ ایسا درجہ ہے کہ جیسے ادویات کو کوٹا چھانا جائے۔ یہ استعمال کی تیاری ہے۔ اگر یہیں بس کر دے تو شفا کا حصول محال؟

اس سے آگے ذکر قلبی اور لطائف ہیں۔ یہ دوسرا درجہ ہے لطائف کرنے لگا گویا دوا کا استعمال شروع ہو گیا۔ اب جیسے جیسے دو کھاتا جائے گا اس میں صلاحیت آتی جائے گی۔ اور جب صحت ہوگی تو چلے پھرے گا گویا منازل سلوک میں سیر شروع ہو جائے گی۔ اب اس دوا کے استعمال کے ساتھ مضر اغذیہ سے پرہیز بھی حصولِ صحت کی شرائط میں سے ہے جن گھروں میں اللہ کا ذکر ہو انہیں غیر پسندیدہ چیزوں سے پاک رکھا جائے۔ اتباعِ شریعت کے ساتھ اجتناب عن المعاصی کا اہتمام ہو۔ تخلیہ ہو۔ شور و غل سے ہٹ کر تمام تر توجہ اللہ کی طرف لگا۔ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تخلیہ کے لئے غارِ حرا میں تشریف لے جاتے تھے۔ سو یہ سنتِ انبیاء ہے۔ اگر دن اور روشنی ہو کپڑا لپیٹ لیا جائے نیز جہاں ذکر کیا جائے وہ جگہ پاک صاف ہو۔ پھر قلب میں در آنے کے تمام راستوں کو بند کر دیا جا۔ اس کی مثال حوض کی ہے۔ جیسے باہر سے آنے والا پانی آلودہ نہ کر دے اس لئے تمام نالیوں کو بند کر دیا جائے منہ آنکھیں بند ہوں۔ کانوں کو بند رکھا جائے۔ پھر خود اس کے اندر سے چشمہ نکالا جائے۔ اسی میں ذکرِ الٰہی کی مشین لگائی جائے۔ جو اس کو سیراب کرے اور باہر کی کوئی ناپسندیدہ شے اس میں داخل نہ ہو سکے۔ جس قدر انقطاع عن الدنیا حاصل ہو گا اسی قدر دل کی طرف توجّہ کامل ہو گی۔ یہی توجہ اور ذکرِ الٰہی دل سے انوار کے فوارے نکالیں گے، تجلیاتِ باری تعالیٰ کا یہ آبِ مصطفیٰ ایسے ہی دل سے نکلے گا جو صاف ستھرا اور علائقِ دنیا سے خالی ہو گا۔ پھر اس کی برکات کا اندازہ نہیں کہ یہ ایک عالم کے دلوں کو دھو ڈالے گا۔ اور جو بھی اس سے اپنا دل روشن کرنا چاہے گا یہ منوّر کرتا جائے گا۔ انشاء اللہ۔

حضرت جی اللہ یار خان دے ناں

شالا سدا آباد تے شاد رکھیں ساڈے شیخ دا ایہہ مزار سوہنا

اللہ یار سرکار دا ناں سوہنا سچی مچی اوہ رب دا یار سوہنا

پیا وسدا مرشد آباد اندر سنت نبیؐ دا اوہ وفادار سوہنا

شرک و بدعت عقیدے دے دور اندر کر دا حق دا رہیا پرچار سوہنا

ایس دور دے ساریاں صوفیاں چوں رب کیتا اے بڑا وقار سوہنا

ساڈے شیخ دے نال نئیں ریس کر دا ایس جگ دا لکھ ہزار سوہنا

دم دم نال محبتاں ونڈا سی کر دا نال مریداں دے پیار سوہنا

سوہنا اوہ تے او ای ہندا اے یارا انجم جند اُہنا اے عمل کردار سوہنا

بڑے پیار دے نال جواب دِتا جدوں پچھیا کسے سوال سوہنا

اوہدی گل سوہنی اوہدی سوچ سوہنی اوہدے ذہن دا ہر خیال سوہنا

بیعت نبیؐ دے ہتھ کرا دیندا رب دِتا سی اوہنوں کمال سوہنا

گناہگاراں نوں گل نال لاوندا سی خیراں منگدا دم دم نال سوہنا

نظر کرم دی جندے تے پے جاندی ہو جاندا سی ماضی تے حال سوہنا

ایس صدی دے اُت ہنیریاں چہ بن کے آیا سی اک مثال سوہنا

پیدا ہویا سی جدوں ایہہ ولی اللہ اوہ دن مہینہ تے سال سوہنا

انجم نکدی گل مکا ایتھے اوہدے چُنّے دا اِک اِک وال سوہنا

(ڈاکٹر محمد مشتاق انجم قصور)

تحریریں

اور

تقریریں

سلسلہ اویسیہ ــــــــــ ۱۹۶

تلخیص دلائل السلوک ـــ ابوالحسن تقوی ـــ ۲۰۴

تصوّف کی اہمیّت ــــــــــ ۲۱۱

کوئٹہ میں تقریر ـــ صُوبیدار سرور ـــ ۲۱۹

خواتین سے خطاب ــــــــــ ۲۲۵

سِلسِلَہ اَوَیسِیَہ

اِس وسیع کائنات میں اللہ تعالےٰ نے انسان کو لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ اور وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ کا شرف عطا فرما کر اشرف المخلوقات کے مقام پر فائز کیا اور اسے خلافتِ ارضی کا منصبِ جلیلہ سونپا۔ یُوں تو اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کا شمار نہیں لیکن انسان کو جس خصوصی نعمت سے نوازا گیا، وہ انبیاءِ کرام کے ذریعے اُس کی ہدایت کا سامان ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت کے ساتھ اللہ تعالےٰ نے جہاں اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ کا اعلان فرمایا وہاں اہلِ ایمان کو اپنا یہ احسان بھی یاد دلایا کہ لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ اور اس احسان کی تفصیل میں یہ ارشاد فرمایا کہ اس آخری رسُول کے ذریعے اللہ کی اس نعمت سے مستفید ہونے کی ایک صورت یہ مقرر کی کہ یہ رسول اِن کا تزکیۂ باطن اور ان کی رُوحانی تربیت کرتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تلاوتِ آیات اور تعلیم کتاب وحکمت کے ساتھ اپنے جلیل القدر شاگردوں یعنی صحابۂ کرامؓ کی اس طرح تربیت کی اور تزکیۂ باطن کے وہ نمونے پیدا کئے کہ رہتی دُنیا تک اُس کی نظیر نہیں مل سکتی جس طرح تعلیمِ کتاب اور تدوینِ شریعت کا یہ سلسلہ صحابۂ کرامؓ کی جماعت سے آگے منتقل ہوتا چلا آیا۔ اسی طرح تزکیۂ باطن اور تربیتِ روحانی کا طریقہ بھی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سیکھ کر آئندہ نسلوں کو پہنچایا اور مختلف ادوار کے تقاضوں کے مطابق تدوینِ حدیث وفقہ کی طرح تزکیہ وتربیت کے پہلو کی تدوین منظم صُورت میں عمل میں آئی۔ اوّل اوّل تو یہ صُورت تھی کہ جو صحابی یا تابعی جہاں پہنچا، معاشرے کی تربیت شروع کردی۔ بعد میں دین کا یہ پہلو جب منظم ہوا تو تربیت وتزکیہ کے چار بڑے سلسلے ہمارے ہاں رائج اور مقبول ہو گئے جنہیں سلسلہ قادریہ، نقشبندیہ، سہروردیہ اور چشتیہ، کہتے ہیں، اِن سلسلوں میں تربیتِ رُوحانی کا بنیادی اُصول ایک ہی رہا ہے اور وہ ہے ذکرِ الٰہی کی کثرت، البتہ ذکرِ الٰہی کے طریقوں میں ہر صاحبِ سلسلہ نے مختلف رنگ اختیار کیا، اس طرح طریقۂ کار میں جزوی اختلاف کی وجہ سے چار بڑے طریقے مسلمانوں میں رائج ہو گئے۔ ممکن ہے طریقِ تربیت میں اختلاف آب و ہوا

مزاج اور طبائع کے اختلاف کی وجہ سے انتخاب کیا گیا جیسے ایک ماہر طبیب ایک ہی دوا مختلف مزاج والے مریضوں کو مختلف صُورتوں میں دیا کرتا ہے۔

ان چاروں سلسلوں میں دو پہلو ہمیشہ جاذبِ توجہ رہتے ہیں۔ اول یہ کہ اِس سلسلے میں طریقۂ تربیت باطنی کیا ہے؟ دوسرا یہ کہ کسی سلسلے کے شیخ کو یہ فن حضورِ اکرم سے کن واسطوں سے پہنچا۔ اِسی پہلو پر نگاہ رکھتے ہوتے یہ بات لازمًا سامنے آجاتی ہے کہ ہر شیخ نے یہ فن اپنے شیخ کی صحبت میں رہ کر اس سے سیکھا ہوگا اور اس کے شیخ نے اسے ایک خاص درجے تک تربیت کرنے کے بعد دُوسروں کی تربیت کرنے کی اجازت دی ہوگی۔ اِسی اجازت نامے کو صوفیاء کی اصطلاح میں خرقہ کہتے ہیں۔ خواہ اس کی صُورت کوئی بھی ہو۔ اگر کسی شیخ کے متعلق یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس نے کسی کامل سے اس کی صحبت میں رہ کر فیض حاصل نہیں کیا اور اجازت نامہ نہیں لیا تو اُس کا سلسلہ منقطع شمار کیا جاتا ہے کیونکہ اس میں اتصال اور تسلسل نہیں پایا جاتا۔

بظاہر یہ بات قاعدہ کلیہ کی صُورت میں سامنے آتی ہے، حقیقت میں یہ قاعدہ اکثریہ ہو سکتا ہے، مگر قاعدہ کلیہ نہیں کیونکہ اوّل تو رُوحانی تربیت رُوح کا معاملہ ہے اور رُوح سے اخذِ فیض یا اجرائے فیض کا انحصار بدن کے اتصال پر نہیں، اِس کی مثالیں صُوفیائے کرام میں جا بہ جا ملتی ہیں۔ مثلاً ابُوالحسن خرقانی کو حضرت بایزید بسطامی سے رُوحانی فیض بھی مِلا، اجازتِ تربیت بھی ملی۔ اور آپ کے خلیفہ مجاز بنے حالانکہ بایزید بسطامی ان سے قریبًا ایک سو سال پہلے دنیا سے رُخصت ہو چکے تھے جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت ابوالحسن خرقانی نے اپنے شیخ حضرت بایزید بسطامی کا نہ تو زمانہ پایا نہ ان کی صحبت میں رہے، نہ ان سے تربیت و اجازت ملی تو پھر اِس کی صُورت اس کے بغیر کیا ہو سکتی ہے کہ ان کی رُوح سے فیض اور خرقہ حاصل کیا۔

رُوح سے فیض حاصل کرنے کو اصطلاحِ صوفیہ میں اویسی طریقہ کہتے ہیں۔ اِس سے یہ مراد نہیں کہ یہ سلسلہ حضرت اویس قرنیؓ سے ملتا ہے بلکہ اویسیہ سے مُراد مطلق روح سے فیض حاصل کرنا ہے۔
چونکہ رُوح سے اخذِ فیض اور اجرائے فیض دونوں صورتیں ہوتی ہیں، اِس لئے سلسلۂ اویسیہ کی یہی دونوں خصوصیات ہیں۔ اِس اصطلاح کو حضرت اویس قرنی سے اگر کوئی نسبت ہو سکتی ہے تو شاید اِس بناء پر کہ انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی صحبت میں رہ کر تربیت حاصل نہیں کی تھی۔ بلکہ حضور کی رُوح

پُرفتوح سے اخذِ فیض کیا تھا۔ اِس لئے کہا جاسکتا ہے کہ وہ پہلے اویسی تھے۔

ہمارے سلسلے کا نام نقشبندیہ اویسیہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ میں اپنے شاگردوں کی تربیت نقشبندیہ طریقہ کے مطابق کرتا ہوں۔ اور میں نے اپنے محبوب شیخ رحمۃ اللہ کی رُوح سے اخذِ فیض اور اجازت لی ہے۔ میرے اور میرے شیخ مکرم کے درمیان کوئی ۔۔۴۰ سال کا فاصلہ ہے، میں نے اسی اویسی طریقہ سے اپنے شیخ کی رُوح سے فیض بھی حاصل کیا، خلافت بھی ملی۔ اور بحمد اللہ میرے محبوب شیخ کا فیض تربیع اس وقت دُنیا کے گوشے گوشے میں پھیل رہا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے همعات ص۸۶ پر سلسلہ اویسیہ کی خصوصیات کا ذکر فرمایا ہے:۔ "این فقیر آگاہ کردہ اند کہ طریقہ جیلانیہ بمنزلہ جوئے است کہ مسافتے برزمین میرود و مسافتے دیگر در زمین مستتر می گردد در مسام زمین نفوذ میکند۔ بعدازاں بوضع چشمہ باز ظاہر می شود و مسافتے بر روئے زمین می رود ثم ہلم جرا۔

وتسلسل خرقہ دریں طریقہ اگر متصل است اما تسلسل اخذ نسبت دریں طریقہ متصل نیست یک بار سلسلہ ظاہر میشود۔ بعدازاں مفقود میگردد باز بطریق اویسیہ از باطن کسے ظہور می نماید ایں طریقہ بحقیقت ہمہ اویسیہ است و متوسلان ایں طریق در روحانیاں علو و مہابتے دارند۔

واما القادریۃ فقریبۃ من الاویسیۃ الروحانیۃ۔

خلاصہ یہ ہے کہ جیسے پانی زیرِ زمین موجود رہتا ہے، کسی وقت چشمہ کی صورت میں باہر اُبل پڑتا ہے اور زمین کو سیراب کرتا ہے، اِسی طرح حقیقی تصوّف و سلوک بھی کبھی کبھی غائب ہوجاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو پیدا کرتا ہے، اور اُس کی ذات کے واسطہ سے تصوّف و سلوک کا چشمہ اُبل پڑتا ہے۔ اور ایک مخلوق کے قلوب کو سیراب کرتا ہے۔ اِسی وجہ سے سلسلہ اویسیہ ظاہر میں متّصل نہیں ہوتا۔ مگر حقیقت میں وہ متّصل ہوتا ہے، جو لوگ رُوح سے اخذِ فیض اور اجراءِ فیض سے واقف نہیں ہوتے وہ بے چارے اِس اتصال کی حقیقت کو کیسے سمجھ سکتے ہیں؟ اور اَخَذَتۡهُ الۡعِزَّةُ بِالۡاِثۡمِ کے تحت جاہلانہ اعتراض کے بغیر کچھ کر نہیں پاتے،

(۲) حضرت امام الہند کی عبارت سے یہ معلوم ہوا سب سے زیادہ زود اثر سلسلہ اویسیہ ہے، کیونکہ روحانی

سلسلہ ہے۔ پھر قادریہ ہے۔

(۴) یہ بھی معلوم ہوا کہ سلسلۂ اویسیہ کے متوسلین بڑی عظمت اور ہیبت کے مالک ہوتے ہیں۔ ہمعات میں صـ۶۳ پر اسی وجہ سے فرمایا کہ" بسا است کہ اویسی عالم ارواح است اجمالاً۔ یعنی سلسلۂ اویسیہ عالم ارواح ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ہمعات صـ۲۱ پر فرماتے ہیں۔

حاصل کلام آں ایں است کہ یک خانوادہ میانِ مشائخ عظام اویسی است کہ اکثر بزرگان دریں خانوادہ بودند و سردار سلسلۂ ایشاں خواجہ اویس قرنی است کہ بحسبِ باطنی از سرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تربیت یافتہ پس حضرت شیخ بدیع الدین ہم بیر اویسی است کہ در باطن تربیت از روحانیت حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یافتہ است واز کبار مشائخ ہندوستان است۔	مشائخ عظام میں ایک سلسلۂ اویسیہ بھی ہے جس کے سردار خواجہ اویس قرنی ہیں، ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روحانی طور پر فیض حاصل ہوا۔ اور شیخ بدیع الدین کو بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روحانی طور پر فیض ملا اور وہ ہندوستان کے کبار مشائخ سے ہوئے ہیں۔

معلوم ہوا کہ:-

- اویسی وہ ہوتا ہے جسے کسی ولی اللہ کی روح سے فیض حاصل ہوا ہو۔
- بڑے بڑے اولیاء اللہ اس سلسلۂ اویسیہ کے طریقہ سے فیض لیتے رہے ہیں۔
- اس سلسلہ والے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح پُرفتوح سے بھی فیض لیتے ہیں۔

بحمد اللہ کہ اس فقیر کو اب بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پُرفتوح سے فیض حاصل ہو رہا ہے۔

اس سلسلے کے متعلق اصل بات جو نہ جاننے والوں یا نادانوں کو کھٹکتی ہے، وہ یہ کہ کیا روح سے اخذِ فیض اور اجرائے فیض ہو سکتا ہے؟ اس کے جواب کی دو ہی صورتیں ہیں، یا تو جاننے والوں پر اعتماد کرو، یا اس بحر میں خود اُتر کر دیکھو۔ دوسری صورت تو وہی اختیار کر سکتا ہے جس میں طلب اور خلوص ہو، البتہ پہلی صورت

کے سلسلے میں چند ایک مثالیں پیش کی جاتی ہیں ۔

(۱) فتاویٰ عزیزیہ ۱ : ۹۳ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی۔

سوال :۔ کسے صاحب باطن یا صاحب کشف	کوئی صاحب باطن یا صاحب کشف کسی ولی اللہ
بر قبور ایشاں مراقب شدہ چیزے از	کی قبر پر جا کر مراقبہ کرے تو اس سے رُوحانی
باطن اخذ می تواند یا نہ ؟	فیض لے سکتا ہے یا نہیں ؟
جواب دمی تواند نمود ۔	ہاں لے سکتا ہے !

فتویٰ کی زبان میں اختصار ملحوظ ہوتا ہے اس لئے حضرت نے مختصر جواب دیا۔ اس کی تفصیل شفاء العلیل ص۱۰۲ پر دی ہے ۔

" مولانا نے فرمایا کہ میں نے حضرت ولی نعمت یعنی مصنف سے پوچھا کہ شیخ ابو علی فارمدی کو کہ ابوالحسن خرقانی کے ساتھ نسبت رکھتے ہیں۔ ان کا اس رسالہ میں کیونکر ذکر نہ کیا، فرمایا کہ یہ نسبت اویسیہ کی ہے یعنی رُوحی فیض ہے ۔ اس رسالہ میں غرض یہ ہے کہ نسبت صحبت کی من وعن عالم شہادت میں جو ثابت ہے مذکور ہو، لیکن اویسیت کی نسبت قوی اور صحیح ہے ۔

شیخ ابُو علی فارمدیؒ کو ابوالحسن خرقانیؒ سے رُوحی فیض ہوا ہے، ان کو بایزید بسطامیؒ کی رُوح سے اور ان کو امام جعفر صادقؒ کی رُوحانیت سے تربیت ہے، چنانچہ رسالہ قدسیہ میں خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ:۔

امام جعفر صادقؒ کو اپنے نانا حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر سے نسبت حاصل ہوئی ہے، ان کو حضرت سلمان فارسی سے، ان کو حضرت ابو بکر صدیق سے اور ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ۔

خواجہ ابو علی فارمدی کو نسبتِ اویسیت حاصل ہے ابوالحسن خرقانی کے ساتھ، اور ان کو بایزید بسطامی سے رُوحی فیض پہنچا ۔ اور ان کی تربیت امام جعفر صادق کی رُوحانیت سے ہوتی ۔ اور امام جعفر صادق کو اپنے نانا قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق کے ساتھ انتساب حاصل ہے اور ان کو حضرت سلمان فارسی رضؓ اور آپ کو خلیفہ رسول اللہ صدیق اکبر ابو بکر بن ابی قحافہ کے ساتھ، اور حضرت صدیق نے جو کچھ حاصل کیا، سرورِ عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل کیا ۔ اس نسبتِ اویسیت کو صدیقیہ، نقشبندیہ نظامیہ قدوسیہ کہتے ہیں

(تذکرۃ الرشید حصہ دوم صفحہ ۱۰۸)

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کا تربیت باطنی وفیوضاتِ روحانی میں قطب العالم شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہٗ کی ذات بابرکات کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھنا نسبتِ اویسیہ وفیضانِ روحانیہ کے علاوہ اِس لئے بھی ہے کہ سلاسل اربعہ مشہورہ میں حضرت شیخ کا واسطہ غالباً قائم ہے (ایضاً ص ۱۰۹)

(۳) فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ا : ۱۴۰ پر شفاء العلیل کی یہ عبارت نقل کر کے لکھا ہے ۔

"اِس عبارت سے واضح ہوا کہ نسبتِ اویسیہ کے معنی روحی فیض کے ہیں، اور یہ نسبت قوی اور صحیح ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ نسبتِ اویسیہ کے لئے یہ ضروری نہیں کہ خواجہ اویس قرنی سے کوئی مرید ہوا ہو۔ اور یہ بھی واضح ہوا کہ نسبتِ اویسیہ کا انکار غلط ہے، چونکہ اویس قرنی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روحی فیض حاصل ہوا اور صحبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُن کو حاصل نہیں ہوئی ..... اِس لئے جس کو روحی فیض کسی بزرگ سے حاصل ہوگا اس کو نسبتِ اویسیہ سے تعبیر کریں گے ۔"

(۴) عقائد علمائے دیوبند مرکزی رسالہ ہے جس پر مسلکِ دیوبندی کا مدار ہے اس میں سوال نمبر ۱۱ روح سے فیضِ باطنی کے متعلق ہوا ہے اور علمائے دیوبند نے مفصل جواب دیا کہ وہ روح سے باطنی فیض کے قائل ہیں اور صرف قائل نہیں بلکہ

و اما الاستفادة من روحانية المشائخ الاجلة و وصول الفيض الباطنية من صدورهم او قبورهم صحيح على الطريقة المعروفة فى اهلها و خواصها لا بما شائع فى العوام ۔	بہرحال مشائخ سے روحانی فیض حاصل کرنا اور فیضِ باطنی کا پہنچنا ان کے سینوں سے یا ان کی قبروں سے صحیح ہے، اس مشہور و معروف طریقے سے جو ان اولیاء و صوفیہ میں مروج ہے اور خاص خاص بندوں کو حاصل ہوتا ہے ۔ وہ طریقہ نہیں جو عوام میں مروج ہے ۔

یہ تو روح سے اخذِ فیض اور اجرائے فیض کے علمی جوابات ہیں، رہی دوسری صورت تو وہ ذوقی چیز ہے۔ لطف ایں مے نشاسی بخدا تا نہ چشی ، اگر کوئی اللہ کا بندہ یہ ذوقی جواب بھی چاہتا ہے تو صلائے عام ہے ۔ طلب اور خلوص لے کر آجائے اور ممکن اور محال میں تمیز کرے ۔ ورنہ صرف باتیں بنانے سے وہ حاصل نہیں ہو سکتا جو عملی طور پر کرنے سے حاصل ہوتا ہے ۔

ے لباس فہم بر بالائے او تنگ　　　سمند وہم در صحرائے او لنگ

نہ چندی گنجد آنجا و نہ چونی — فرو بند لب از کم در فزونی ؎

مشائخ اور علمائے حق کی توضیحات سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ روح سے اخذِ فیض اور اجرائے فیض صرف ممکن ہی نہیں، بلکہ امر واقع ہے۔ اور امام الہند کے کلام سے معلوم ہوگیا کہ سلسلۂ اویسیہ میں روح سے اخذِ فیض ہوتا ہے اور اس کے لئے اتصالِ ظاہری شرط نہیں، ہاں اتصالِ نسبت ضرور ہوتا ہے۔ یہی نسبتِ اویسیہ ہوتی ہے۔

ملتان کے ایک مشہور پیر صاحب نے ہمارے حلقہ کے ایک مولوی صاحب سے فرمایا کہ آپ کا سلسلہ متصل نہیں ہے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ حضرت! جس سلسلہ میں شیخ اپنے شاگرد کی روحانی تربیت اس طرح کرے کہ اس کے لئے زمان و مکان کی قید اٹھ جائے اور اسے عالمِ برزخ میں پہنچا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سامنے پیش کر دے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دستِ مبارک میں اپنے شاگرد کا ہاتھ دے کر یہ منظر دکھا دے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ وہ سلسلہ تو ٹھیرا منقطع اور جس سلسلے کے شیخ کے پاس مرید مدتوں رہے اور ساری عمر اُس کے پاس آنے جانے میں کھپا دے اور شیخ میں اتنا نور بھی نہ ہو کہ مرید کے لطیفۂ قلب کو ہی منور کر سکے، وہ سلسلہ ٹھیرا متصل — قربان جائیے اس اتصال پر — جن لوگوں کی بایں جبّہ و قبّہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک رسائی نہ ہو، ان کا سلسلہ متصل اور جو اللہ کا بندہ ایک دو نہیں سینکڑوں شاگردوں کو دربارِ نبوی تک پہنچاتے اس کا سلسلہ منقطع — آپ کو یہ اتصال مبارک جو آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہی نہ پھٹکنے دے — اور ہمیں یہ انقطاع اچھا جو دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں پہنچا کر حضورِ دائمی عطا کر دے۔ کسی ایسے منظر ہی کو دیکھ کر کہنے والے نے کہہ دیا۔

ع

زاغوں کے تصرّف میں عقابوں کے نشیمن

٭ اللہ تعالیٰ دین کا صحیح فہم عطا فرمائے تو بڑی نعمت ہے

تلخیص
دلائل السلوک

ابوالحسن نقوی

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۔

تصوف اور صوفیائے کرامؒ کے متعلق عوام بلکہ بعض علماء کے دلوں میں بھی کچھ شبہات پائے جاتے ہیں اور بعض اوقات لوگ اس قسم کی غلط فہمیوں کا شکار ہو جاتے ہیں کہ طریقت اور شریعت دو الگ چیزیں ہیں یا یہ کہ (معاذ اللہ) تصوّف تکلیفات شرعیہ سے آزادی کا نام ہے، ان غلط فہمیوں کے ازالہ اور عوام وخواص دونوں کی علمی تشفی کی خاطر اللہ رب العزت نے یہ رسالہ تحریر کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اگرچہ میری زندگی کا اکثر حصہ متکلمین کے نہج پہ اسلام کی حقانیت کے اثبات اور فرقِ باطلہ کی تردید میں گزرا ہے اور کلامی مباحث اور تصوّف وسلوک میں بظاہر تغایر اور بعد نظر آیا ہے لیکن احقاقِ حق کے لیے علم کلام سے کام لینے اور تصوف کے ذریعہ ایمان و یقین کی کیفیت پیدا کرنے میں فرق صرف دلیل سمعی اور دلیل ذوقی کا ہے مگر بایں ہمہ لوگ یہ سن کر حیران ضرور ہوتے ہیں کہ وہ شخص جسے کل تک ہم ایک مناظر اور مبلغ اسلام کی حیثیت سے جانتے تھے آج تصوف، ذکر، حلقۂ ذکر، تزکیۂ نفوس اور منازل سلوک پر اظہار خیال ہی نہیں کر رہا بلکہ اپنا روحانی رشتہ صوفیائے کرام سے جوڑ رہا ہے مگر ان کی حیرت پر تعجب ہوتا ہے۔

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ کیا وہی آپ کے رب کی رحمت تقسیم کرتے ہیں اور اس کا جواب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حق کی حفاظت اپنے ذمہ لے رکھی ہے اس کی رحمت یہ کب گوارا کر سکتی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو گمراہی کی وادیوں میں بھٹکتا چھوڑ دے چنانچہ ہر دور میں وہ اپنے خاص بندوں کے ذریعہ حق کی حمایت اور اصلاح حق کی خدمت لیتا رہا اور صوفیہ کرامؒ نے

(ہر دور میں) جس خلوص وللہیت سے یہ خدمت انجام دی ہے اس کی مثال ملنا ممکن نہیں۔

صوفیہ کرامؒ کے ہاں تعلیم وارشاد وتزکیہ واصلاح باطن کا طریقہ القائی اور انعکاسی ہے اور یہ تصوف کا عملی پہلو ہے جس کا انحصار صحبت شیخ پر ہے بقول امام ربانی مجدد الف ثانیؒ "تصوف کا تعلق احوال سے ہے زبان سے بیان کرنے کی چیز نہیں"۔ صحیح اسلامی تصوف کے خدوخال کا تعین اور اس کی حقیقت سے علمی حلقوں کو روشناس کرانا نہایت ضروری ہے۔ اللہ اور بندے کے درمیان علاقہ قائم رکھنے والی چیز اعتصام بالکتاب والسنہ ہے، یہی مدار نجات ہے قبر سے حشر تک اتباع کتاب وسنت کے متعلق ہی سوال ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ محققین صوفیہ کرامؒ نے شیخ یا پیر کے لیے کتاب وسنت کا عالم ہونا لازم قرار دیا ہے اگر کوئی شخص ہوا میں اڑتا آئے مگر اس کی عملی زندگی کتاب وسنت کے خلاف ہے تو وہ ولی اللہ نہیں بلکہ جھوٹا ہے۔ شعبدہ باز ہے کیونکہ تعلق باللہ کے لیے اتباع سنت لازمی ہے کما قال تعالیٰ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ ۔ آپ فرما دیجئے اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔"

تصوف دین کا ایک اہم شعبہ ہے جس کی اساس خلوص فی العمل اور خلوص فی النیّت پر ہے اور جس کی غایت تعلق مع اللہ اور حصول رضائے الٰہی ہے قرآن وحدیث کے مطالعہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور آثار صحابہؓ سے اس حقیقت کا ثبوت ملتا ہے قرآن حکیم میں اسے تقویٰ، تزکیہ اور خشیۃ اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور حدیث شریف میں اسے "احسان" سے موسوم کیا گیا ہے اور اسے دین کا ماحصل قرار دیا گیا ہے اس کی تفصیل حدیث جبریلؑ میں موجود ہے مختصر یہ کہ تصوف، احسان، سلوک اور اخلاص ایک ہی حقیقت کی مختلف تعبیریں ہیں۔ اہل فن نے اس کی تعریف یوں کی ہے۔

هو علم تعرف به احوال تزكية النفوس وتصفية الاخلاق وتعمير الظاهر والباطن لنيل السعادة الابدية ويحصل به اصلاح النفس والمعرفة ورضاء الربّ وموضوعه التزكية والتصفية والتعمير المذكورات وغايته نيل السعادة الابدية

تصوف وہ علم ہے جس سے تزکیہ نفوس اور تصفیہ اخلاق اور ظاہر وباطن کی تعمیر کے احوال پہنچانے جاتے ہیں تاکہ سعادت ابدی حاصل ہو نفس کی اصلاح ہو اور رب العالمین کی رضا اور اس کی معرفت حاصل ہو اور تصوف کا موضوع تزکیہ تصفیہ اور تعمیر باطن ہے اور اس کا مقصد ابدی سعادت کا حصول ہے۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ جو شخص کسی فن میں مہارت نہیں رکھتا اسے اس فن اور اہل فن پر تنقید کا حق نہیں پہنچتا چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ فلاسفہ جنہیں اپنے علم وتحقیق پہ بہت ناز ہے جب تصوف پر بحث کرتے ہوئے مسئلہ کشف پر آتے ہیں تو ان کے لیے اس عاجزانہ اعتراف کے بغیر اور کوئی راستہ نہیں ملتا کہ۔

هذا طور وراء طور العقل لا يدركه الا اصحاب قوة القدسيه۔

تصوف اسلامی اصول دین سے ہے اور یہ عبارت ہے خلوص واحسان سے اور بغیر خلوص نہ توحید مقبول ہے نہ ایمان وعمل، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

"اہلسنت کا مدار شریعت اور طریقت پر ہے انہی دونوں باتوں کو موقع ریاست اور بزرگی کا گنتے ہیں" اہل سنت اور صوفیہ محققین نے تصوف اور عقیدہ تصوف کو کتاب وسنت سے وراثتہً پایا ہے اس میں سلف سے خلف تک یکسوئی کے ساتھ متفق رہے ہیں یہ صوفیہ کرامؒ کا اجماعی مسلک ہے ہاں وقتاً فوقتاً جو خرابیاں اس میں پیدا ہوتی رہیں محققین اس کی اصلاح کرتے رہے۔ تصوف وسلوک تواتر سے ثابت ہے اور اتنی بڑی جماعت کا تواتر ہے جو علم وعمل، زہد وتقویٰ اور خشیت میں اپنی نظیر نہیں رکھتی ایسی اور اتنی بڑی جماعت کا جھوٹ پر متفق ہونا عقلاً محال ہے حجۃ الاسلام حضرت امام غزالیؒ المنقذ من الضلال میں فرماتے ہیں

ان سيرتهم احسن السير وطريقتهم اصوب الطريق واخلاقهم ازكى الاخلاق، بل لو جمع عقل العقلاء وحكم الحكماء وعلم الواقفين على اسرار الشرع من العلماء ليغيروا شيئاً من سيرهم واخلاقهم ويبدلوه بما هو خير منه لم يجدوا اليه سبيلا وان جميع حركاتهم وسكناتهم في ظاهرهم

وباطنهم مقتبسة من نور مشكوة النبوّة وليس وراء نور النبوّة على وجه الارض نورٌ ليتضاءَ به۔"

میں دعویٰ تو نہیں کرتا مگر بطور تشکر اور تحدیث نعمت اتنا واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اگر کسی میں طلب صادق ہو، نکتہ چینی اور امتحان مقصود نہ ہو اور اس کے علاوہ اور غرض فاسد نہ رکھتا ہو تو چھ ماہ کے لیے اس ناچیز کے پاس آ جائے، اس پر چند پابندیاں عائد کی جائیں گی مثلاً صالح اور پاک غذا اور وہ بھی مقدار میں کم دی جائے گی، قلت کلام کا عادی بنایا جائے گا، نیند کم کرنی ہو گی، خلوت میں رکھا جائے، ذکر و اذکار میں مشغول رکھا جائے گا دو وقت توجہ دی جائے گی پھر انشاء اللہ تعالیٰ وہ دیکھ لے گا کہ روح کیسے پرواز کرتی ہے اور دورانِ پرواز کیسے نظر آتی ہے یہ چھ ماہ کا عرصہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عرصہ کی مقدار پر ہے اور کثرت ذکر ارشادِ ربانی کی تعمیل کے طور پر کرایا جائے گا کہ

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ

اور خلوت و قلتِ کلام کی پابندیاں اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا کے مطابق تربیت سالک کے لیے ضروری ہیں

عزیزمن! طلب صادق کا فقدان ہے، عوام کا تو ذکر ہی کیا علماء بھی اس کی ضرورت کے احساس سے محروم ہیں

اِلّا ما شاء الله، علماء کا کہنا یہ ہے کہ ظاہر شریعت پر عمل کر لینا کافی ہے میں کہتا ہوں کہ تزکیہ باطن کے بغیر شریعت پر کما حقہ، عمل ہو ہی نہیں سکتا، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھنے سے اِلٰہ ظاہری کی نفی تو ہو گئی مگر جب تک تزکیہ نفس نہ ہو گا اِلٰہ باطنیہ کی نفی نہ ہو سکے گی

علمائے ظواہر حلال و حرام بیان کر سکتے ہیں مگر حلال و حرام میں تمیز نہیں کر سکتے کیونکہ اس کا انحصار نورِ بصیرت پر ہے اور وہ ناپید ہے اللہ تعالیٰ نے سمجھنے کے لیے انسان کو تین قوتیں عطا فرمائی ہیں وہم، عقل اور نورِ بصیرت عقل کے مقابلے میں وہم ہیچ ہے اور نورِ بصیرت کے مقابلے میں عقل کوئی چیز نہیں، عالم ظاہر ہیں نورِ بصیرت سے محروم ہے یہ دولت انبیاء علیہم السلام کے ہاں سے ان کے صحیح ورثاء علمائے ربانیین اور صوفیائے کرام کو ملی ہے یہ القائی اور انعکاسی چیز ہے جو القاء اور صحبت شیخ سے حاصل ہوتی ہے۔

شیخ کامل کے لیے ضروری ہے کہ وہ

(۱) عالم ربانی ہو کیونکہ جاہل کی بیعت ہی سرے سے حرام ہے۔

۲۔ صحیح العقیدہ ہو، کیونکہ فساد عقیدہ اور تصوف و سلوک کا آپس میں کوئی رشتہ ہی نہیں۔

۳۔ متبع سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہو، کیونکہ سارے کمالات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع سے حاصل ہوتے ہیں

۴۔ شرک و بدعت کے قریب بھی نہ جائے کیونکہ شرک ظلم عظیم ہے اور بدعت ضلالت گمراہی ہے۔

۵۔ علم تصوف و سلوک میں کامل ہو، کیونکہ جس راہ سے واقف نہ ہو اس پر گامزن کیسے ہو سکتا ہے۔

۶۔ شاگردوں کی تربیت باطنی کے فن سے واقف ہو اور کسی ماہر فن سے تربیت پائی ہو۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روحانی تعلق قائم کر دے جو بندے اور خدا کے درمیان واحد واسطہ ہیں۔

اس ناچیز کا طریقہ یہ ہے کہ اولاً اپنے ہاتھ پر بیعت طریقت کبھی نہیں لی صرف تعلیم دیتا ہوں (لیکن اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق اور مشائخ کی اجازت سے ظاہری بیعت بھی لی جاتی ہے تاکہ وہ لوگ جن میں اعلیٰ استعداد نہ ہو۔ وہ بھی اس سلسلہ کی برکات سے محروم نہ رہیں) اور ابتدائی منازل سلوک طے کرا کے دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کر دیتا ہے جو تمام جہان کے پیر ہیں صرف زبانی جمع خرچ کافی نہیں کہ پیر صاحب فرما دیں کہ لو تمہیں دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچا دیا بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ سالک خود مشاہدہ کرے کہ منازل سلوک طے کر رہا ہے اگر دربارِ نبویؐ تک رسائی نہیں رکھتا پھر بیعت لیتا ہے تو وہ دھوکہ باز ہے ماخوذ ہو گا۔ پس کامل و ناقص کی یہی پہچان ہے خوب سمجھ لو[1]

---

[1] حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ التکشف عن مہمات التصوّف ص۲۹، میں اس آیہ کریمہ " وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ" کے تحت لکھتے ہیں عام فی کل مدع کذاب سواء یدعی النبوة او الولاية كيف ما كان مهما كان كاذبا دخل تحت هذه الاية۔" یہ ہر جھوٹے مدعی کو عام ہے خواہ نبوت کا دعویٰ کرے یا کسی قسم کی ولایت کا جب جھوٹا ہو گا اس کے تحت میں داخل ہو گا۔ (تائید الحقیقة بالذات العتیقہ ملخصا من شواهد الاحکام الصوفیه من القرآن)

منازلِ سلوک

جب سالک کے لطائف منور ہو جائیں اور اس میں مزید استعداد پیدا ہو جائے تو شیخ کامل اسے سلوک کی منازل اس ترتیب سے طے کراتا ہے اول استغراق اور رابطہ کرایا جاتا ہے پھر مراقبات ثلاثہ، پھر دوائر ثلاثہ، پھر مراقبہ اسم الظاہر والباطن، پھر سیر کعبہ، سیر صلوٰۃ اور سیر قرآن اور اس کے بعد فنا فی الرسول ﷺ کی منزل آتی ہے، اس کے بعد مراقبہ فنا و بقا کرایا جاتا ہے اس کے بعد سالک المجذوبی کے منازل طے کرائے جاتے ہیں، خیال رہے کہ سالک المجذوب اور مجذوب سالک میں بڑا فرق ہے، سالک المجذوب متبع شریعت ہوتا ہے اور مجذوب سالک باطنی قویٰ کے جل جانے کی وجہ سے ظاہراً متبع شریعت نہیں ہوتا، اس سے کسی کو فیض نہیں مل سکتا کیونکہ وہ راستے سے واقف نہیں ہوتا۔ اس سے آگے سلوک کی منازل ماوراء الوراء ہیں، گو باقی سلسلوں میں سالک سالک المجذوب منتہی ہوتا ہے مگر ہمارے سلسلہ نقشبندیہ اولیسیہ میں سالک المجذوب مبتدی ہوتا ہے، ولایت صغریٰ یعنی ولایت اولیاء کی انتہا مقام تسلیم ہے اس سے آگے ولایت انبیاء علیہم السلام شروع ہوتی ہے جسے ولایت کبریٰ کہتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہو تو ولایت اولیاء کے منازل انتہا تک طے ہو سکتے ہیں اور کرائے جا سکتے ہیں مگر چونکہ اس کی انتہا عالم امر اور عالم حیرت میں جا کر ہوتی اس لیے مدت درکار ہے اور ولایت انبیاء علیہم السلام کی انتہا نہ کسی ولی کو بتائی گئی ہے نہ معلوم ہو سکتی ہے۔

ولایت علیا جو ولایت انبیاء علیہم السلام ہے ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جن کو انبیاء علیہم السلام سے ظاہری اور باطنی مناسبت ہو۔ ظاہری مناسبت یہ ہے کہ کامل اتباع شریعت ہو۔ احکام ظاہری کی بجا آوری میں ہرگز سستی نہ ہو، اتباع سنت میں قدم راسخ ہو، شریعت حقہ سے بے اتفاقی اور تصوف و سلوک کا آپس میں کوئی رشتہ نہیں، اور مناسبت باطنی یہ ہے کہ جس طرح انبیاء علیہم السلام کے قلوب منور ہیں اور ملائکہ کے وجود منور ہیں اسی طرح عارف کا باطن بھی منور ہو۔

بعض صوفیہ کرام کا خیال ہے جیسا کہ امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ ولایت انبیاء علیہم السلام مقام رضا پر منتہی ہوتی ہے مگر مقام رضا کے آگے دائرہ کمالات رسالت اور دائرہ کمالات اولوالعزمی ہیں اور اس پر تمام محققین کا اتفاق ہے کہ یہ دائرے مقام رضا کے بعد آتے ہیں پھر مقام رضا کو انتہا کیونکر قرار دیا جائے۔

ان تمام دائروں کے مراقبات میں اصل مقصود مراقبہ ذات باری تعالیٰ کا ہے اور اس کی ذات کے فیض کا انتظار ہے پس کمالات نبوت و رسالت اور کمالات اولوالعزمی کا منشاء وہی ذات ہے مگر باعتبار حیثیت کے یہ مراقبات اور ان کی کیفیات بدلتی ہیں مثلاً اس حیثیت سے کہ وہ ذات منشاء ہے جمیع قربات یعنی مسجودیت وغیرہ کا، یہ دائرہ حقیقت صلوٰۃ کا ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ وہ ذات تمام احتیاجات اور تمام رذائل سے مبرا اور منزہ ہے یہ دائرہ حقیقت صوم کا ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ وہ ذات منشاء ہے کتب سماوی کا اور ذات واسع، بے کیف و بے جہت ہے اس کو دائرہ حقیقت قرآن کہتے ہیں۔ قرآن مجید ذات واسع بے کیف کا مظہر ہے دائرہ حقیقت صوم کے علاوہ باقی تینوں دائرے حقیقت الٰہیہ ہیں اس کو سیر الی حقائق الٰہیہ کہا جاتا ہے یہ تمام دائرے مقام رضا سے آگے ہیں ان کے بعد دائرہ قیومیت اور اس کے بعد دائرہ افرادیت، پھر دائرہ قطب وحدت اور اس کے بعد دائرہ صدیقیت ہے جو سلوک کی انتہا ہے۔

مقام احدیت سے لے کر دائرہ اولوالعزمی تک نصف سلوک ہے اور باقی نصف اس کے بعد ہے۔

ولایت کی انتہائی منزل دائرہ صدیقیت ہے اس سے آگے منازل سلوک خاص نبوت کی منازل ہیں کسی ولی اللہ کا اس منازل میں جانا ایسا ہے جیسا شاہی محل میں کسی مالی یا ماشکی یا خاکروب کا چلا جانا یا جیسے جنت میں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ غیر انبیاء جائیں گے جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنت میں ازواج مطہرات کا جانا ہے، ان منازل کی تفصیل یہ ہے۔

دائرہ قرب نبوت، قرب رسالت، قرب اولوالعزمی، قرب محمدی ﷺ، وصال محمدی ﷺ، قرب الٰہی، وصال الٰہی، رضائے الٰہی، قرب رحمت، بحر رحمت، خزانہ رحمت، منبع رحمت اور حجابات الوہیت، ان حجابات کے طے کرنے کے لیے عمر نوح علیہ السلام

بھی ناکافی ہے حجابات کے بعد بھی غالباً اور منازل سلوک ہوں گے مگر ابھی تک علم نہیں ہوا، ممکن ہے اس گنہگار پر اللہ تعالیٰ اپنا خاص فضل فرما کر آگے منازل بھی طے کرا دے وہ قادر کریم ہے اس کی رحمت سے کوئی بعید نہیں" "ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ" ان منازل کو طے کرنے کے تین ہی طریقے ہیں۔

اوّل:- یہ کہ عارف کی تربیت روح و فتوح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود فرمائے۔

دوم:- یہ اتباع نبوی کے واسطے سے براہِ راست اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات سے فیض ملے۔

سوم:- یہ جس کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم یا فیض ربی سے تربیت مل رہی ہو اس کی تربیت میں رہ کر کامل بن کر اس کی غیبی توجہ سے فیض حاصل کرے۔

اس دولت کا ملنا شیخ کامل کی صحبت اور انعکاس و انعکاس کے بغیر محال ہے ہم نے مقصد اور ذریعہ حصول مقصد کی نشاندہی کر دی ہے

چنیں مردے بپائی خاکِ اُوشو ۔ اسیرِ حلقہ فتراکِ اوشو

مقام منازل کے طے کرنے کے لیے پانچ شرائط ہیں۔

(۱) شیخ کامل واکمل اور صاحبِ تصرف ہو جو توجہ دے کر سالک کو اس راہ پر چلاتا جائے مگر اس کے لیے عرصہ تک دوام صحبت شیخ لازمی ہے، گاہے گاہے توجہ اور صحبت شیخ سے تو ولایت صغریٰ کے منازل طے ہونے سے رہے۔

(۲) کسی کامل روح سے رابطہ پیدا ہو جائے لیکن یہ مبتدی کا کام نہیں البتہ منازل طے ہونے کے بعد ایسا ہو سکتا ہے اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کامل کے مزار پر جا کر اس کی روح سے رابطہ قائم کر کے فیض حاصل کرے، اس کے لیے بھی مسلسل کافی عرصہ تک محنت کرنے کی ضرورت ہے جس طرح زندہ شیخ کی صورت میں مسلسل توجہ لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔

(۳) قبر پر جانے کی بجائے روحانی طور پر رابطہ قائم کر کے فیض حاصل کرے، فیض سے مراد وہ روحانی تربیت ہے جو اہل اللہ سے حاصل کی جاتی ہے جہلاء والا فیض نہیں کہ قبروں کا طواف کرتے رہیں، قبروں پر سجدے کرتے رہیں یا ندا غائبانہ کرتے رہیں اور انہیں حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے رہیں۔

(۴) شیخ زبردست جذبے کا مالک ہو مقناطیسی قوت رکھتا ہو، اس کے انوار میں اتنی طاقت ہو۔ کہ سالک کی روح کو اپنے انوار کے ذریعے کھینچ کر لے جائے اور توجہ غیبی سے روحانی طور پر سالک کی تربیت کرے۔

(۵) سالک اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے درمیان نسبت پیدا ہو جائے جس کی وجہ سے سالک کو اس طرح فیض ملے جیسے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو براہِ راست فیض ملتا ہے فرق اتنا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہوتا مگر ولی اللہ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان اتباع نبوی ؐ کا واسطہ ہوگا یعنی اسے یہ فیض بواسطہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ملے گا اور حضورؐ کی جوتیوں کے صدقے یہ فیض حاصل کرے گا۔

آخری دو شعبوں میں جن حضرات کا ذکر کیا گیا ہے اس قسم کے آدمی صدیوں کے بعد کہیں پیدا ہوتے ہیں۔ جس طرح انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں اولوالعزم رسول قلیل بلکہ اقل ہیں۔ اولیاء اللہ میں ایسے آدمی بلند مناصب پر فائز ہوتے ہیں۔ یہ غوث، قیوم، فرد یا قطب وحدت ہوتے ہیں۔ ان کے بلند مناصب کی وجہ سے ان کی توجہ اور فیض رسانی میں بڑا فرق ہے۔ قیوم کی ایک توجہ غوث کی سو توجہ کے برابر ہوتی ہے اور اسی سے سلسلہ آگے چلتا ہے، قیوم، فرد اور قطب وحدت دراصل اولوالعزم رسولوں کے مناصب ہیں، ان تینوں کی شان اولیاء اللہ میں اس طرح ہوتی ہے جس طرح انبیاء کرامؑ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہے ان مناصب میں سب سے اونچا درجہ صدیقیت ہے، اس کی ترتیب یوں ہے غوث، قیوم، فرد، قطب وحدت اور صدیق ان مناصب پر صحابہ کرامؓ تو کافی تعداد میں تھے مگر بعد میں بہت ہی قلیل لوگوں کو یہ مناصب عطا ہوئے مگر خیال رہے ان مناصب میں بظاہر مشابہت کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہم پلہ کوئی نہیں ہو سکتا ان کی فضیلت نص سے ثابت ہے اور وہ شرف صحبت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے پوری امت میں ممتاز ہیں

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روحانی بیعت

ابتدائی منازل سلوک طے کرانے کے بعد ہمارے سلسلہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روحانی بیعت کرائی جاتی ہے عملی طور پر بھی اس کے شواہد موجود ہیں اولیائے سابقین اہل اللہ نے اللہ کے بندوں کا رابطہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا ہو اور

حضورؐ کے توسط سے اللہ تعالیٰ اور بندے کا باہمی تعلق استوار ہو گیا ہو۔

علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ:

"تاج ابن عطا اللہ نے فرمایا کہ میرے شیخ عارف کامل ابوالعباس المرسیؒ نے فرمایا کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپؐ کا ہاتھ پکڑ کر مصافحہ کیا۔"

اسی طرح عارف علی وفاؒ نے فرمایا۔

"میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رو برو دیکھا پھر آپؐ نے میرے ساتھ معانقہ فرمایا پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کی نعمت بیان کیا کر"

نیز:

"از شیخ ابوالمسعودؒ آوردہ کہ مصافحہ می کرد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم را بعد ہر نماز"

اور آخر میں امام الہند شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی تفصیل سنیئے

"چوں ایں معرفت جلیلہ بخاطرم جا گرفت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبسم کناں سر از جیب مراقبہ بیروں آوردند و دو دست خویش برداشتند و اشارت فرمودند بہ بیعت و مصافحہ ایں فقیر برخاست و زانو بہ زانو متصل ساخت و دو دست خود درمیان دو دست آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہادہ بیعت کرد و بعد از فراغ از بیعت چشم فرو بستند الخ"

ترجمہ: "جب یہ معرفت میرے دل میں جاگزیں ہوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے مراقبہ سے سر مبارک اٹھایا اور اپنے دونوں مبارک ہاتھوں سے میری طرف مصافحہ اور بیعت کا اشارہ فرمایا، یہ فقیر اٹھا، اپنے زانو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زانوؤں کے ساتھ ملائے اور اپنے دونوں ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں کے درمیان رکھے اور بیعت کی، بیعت لینے سے فارغ ہوئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھیں بند فرمالیں"۔

سلسلۂ اُویسیہ

روح سے فیض حاصل کرنے کو اصطلاح صوفیہ میں اُویسی طریقہ کہتے ہیں اس سے یہ مراد نہیں کہ یہ سلسلہ حضرت اویس قرنیؒ سے ملتا ہے بلکہ اویسیہ سے مراد مطلق روح سے فیض حاصل کرنا ہے چونکہ روح سے اخذ فیض اور اجرائے فیض دونوں صورتیں ہوتی ہیں اس لیے سلسلہ اویسیہ کی یہی دونوں خصوصیات ہیں اس اصطلاح کو حضرت اویس قرنیؒ سے اگر کوئی نسبت ہو سکتی ہے تو شاید اس بنا پر کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں رہ کر تربیت حاصل نہیں کی تھی بلکہ حضورؐ کی پر فتوح سے اخذ فیض کیا تھا۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ وہ پہلے اویسیؒ تھے روحانی تربیت روح کا معاملہ ہے اور روح سے اخذ فیض یا اجرائے فیض کا انحصار بدن کے اتصال پر نہیں۔ اس کی مثالیں صوفیائے کرامؒ میں جا بجا ملتی ہیں مثلاً ابوالحسن خرقانی کو حضرت بایزید بسطامیؒ سے روحانی فیض بھی ملا اجازت تربیت بھی ملی اور آپ کے خلیفہ مجاز بنے حالانکہ بایزید بسطامیؒ ان سے قریباً ایک سو سال پہلے دنیا سے رخصت ہو چکے تھے جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت ابوالحسن خرقانیؒ نے اپنے شیخ حضرت بایزید بسطامیؒ کا نہ تو زمانہ پایا نہ ان کی صحبت میں رہے نہ ان سے تربیت و اجازت ملی تو پھر اس کی صورت اس کے بغیر کیا ہو سکتی ہے کہ ان کی روح سے فیض اور خرقہ حاصل کیا۔

ہمارے سلسلہ کا نام نقشبندیہ اویسیہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ میں اپنے شاگردوں کی تربیت نقشبندیہ طریقہ کے مطابق کرتا ہوں اور میں نے اپنے محبوب شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی روح سے اخذ فیض اور اجازت لی ہے میرے اور میرے شیخ مکرم کے درمیان کوئی ۸۰۰ سال کا فاصلہ ہے، میں نے اسی اویسی طریقہ سے اپنے محبوب شیخ کی روح سے فیض بھی حاصل کیا، خلافت بھی ملی، اور بحمد اللہ میرے محبوب شیخ کا فیض تربیت اس وقت دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل رہا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ ہمعات ص ۸۶ پر سلسلہ اویسیہ کی خصوصیات کا ذکر اس طرح فرماتے ہیں۔ "ایں فقیر را آگاہ کردہ اند کہ طریقہ جیلانیہ بمنزلہ جوئے است کہ مسافتے بر زمین میرود و مسافتے دیگر در زمین مستتر می گردد در مسام زمین نفوذ میکند۔ بعد ازاں بوضع چشمہ باز ظاہر می شود و مسافتے بر روئے زمیں می رود ثم ہکذا ہکذا۔ و تسلسل خرقہ دریں سلسلہ اگر متصل است اما تسلسل اخذ نسبت دریں طریقہ متصل نیست یک بار سلسلہ ظاہر میشود بعد ازاں مفقود می گردد، باز بطریق اویسیہ از باطن کسے ظہور می نماید ایں طریقہ بحقیقت ہمہ اویسیہ است و متوسلان ایں طریق در روحانیاں علو و مہابتے دارند۔ واما القادریة فقریبة من الاویسیة الروحانیة"

خلاصہ یہ ہے کہ جیسے پانی زیر زمیں موجود ہوتا ہے کسی وقت چشمہ کی صورت میں باہر ابل پڑتا ہے اور زمین کو سیراب

کرتا ہے اسی طرح حقیقی تصوف و سلوک بھی کبھی کبھی غائب ہوجاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو پیدا کرتا ہے اور اس کی ذات کے واسطہ سے تصوف و سلوک کا چشمہ ابل پڑتا ہے اور ایک مخلوق کے قلوب کو سیراب کرتا ہے اسی وجہ سے سلسلہ اولیسیہ ظاہر میں متصل نہیں ہوتا مگر حقیقت میں وہ متصل ہوتا ہے جو لوگ روح سے اخذ فیض اور اجزائے فیض سے واقف نہیں ہوتے وہ بے چارے اس اتصال کی حقیقت کو کیسے سمجھ سکتے ہیں۔ اور اَخَذَتْهُ بِالْعِزَّةِ بِالْإِثْمِ کے تحت جاہلانہ اعتراض کے بغیر کچھ کر نہیں پاتے۔

حضرت امام الہندؒ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ زود اثر سلسلہ اولیسیہ ہے کیونکہ روحانی سلسلہ ہے پھر قادریہ

(۲) یہ بھی معلوم ہوا کہ سلسلہ اولیسیہ کے متوسلین بڑی عظمت اور ہیبت کے مالک ہوتے ہیں ہمعات ص ۶۳ پر فرماتے ہیں: بساست کہ اولیسی عالم ارواح است اجمالاً۔ یعنی سلسلہ اولیسیہ عالم ارواح ہے۔

ہمعات ص۲۱ پر فرماتے ہیں۔

حاصل کلام ایں است کہ یک خانوادہ میاں مشائخ عظام اولیسی است کہ اکثر بزرگان دریں خانوادہ بودند و سردار سلسلہ ایشاں خواجہ اویس قرنیؒ است کہ بجب باطنی از سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تربیت یافتہ پس حضرت شیخ بدیع الدین ہم اولیسی است کہ در باطن تربیت از روحانیت حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یافتہ است و از کبار مشائخ ہندوستان است"۔

مشائخ عظام میں ایک سلسلہ اولیسیہ بھی ہے جس کے سردار خواجہ اویس قرنیؒ ہیں۔ ان کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روحانی طور پر فیض ملا اور شیخ بدیع الدین کو بھی حضورؐ سے روحانی طور پر فیض ملا اور وہ ہندوستان کے مشائخ کبار میں سے ہوئے ہیں۔

معلوم ہوا کہ۔

(۱) اولیسی وہ ہوتا ہے جسے کسی ولی اللہ کی روح سے فیض حاصل ہوا ہو۔

(۲) بڑے بڑے اولیاء اللہ اس سلسلہ اولیسیہ کے طریقے سے فیض لیتے رہے ہیں۔

(۳) اس سلسلہ والے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح پر فتوح سے فیض لیتے ہیں۔ اس سلسلہ کے متعلق اصل بات جو جاننے والوں یا نادانوں کو کھٹکتی ہے وہ یہ کہ کیا روح سے اخذ فیض اور اجزائے فیض ہوسکتا ہے؟ اس کے جواب کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو جاننے والوں پر اعتماد کرو یا اس بحر میں خود اتر کر دیکھو، دوسری صورت تو وہی اختیار کرسکتا ہے جس میں طلب اور خلوص ہو البتہ پہلی صورت میں مشائخ اور علماء حق کی توضیحات سے یہ بات ظاہر ہے کہ روح سے اخذ فیض اور اجزائے فیض صرف ممکن ہی نہیں بلکہ امر واقع ہے ملاحظہ ہو عقائد علماء دیوبند بجواب سوال نمبر ۱۱

"واما الاستفادة من روحانية المشائخ الاجلة ووصول الفيض الباطنية من صدورهم او قبورهم صحيح على الطريقة المعروفة فى اهلها وخواصها لا بما شائع فى العوام۔"

ترجمہ: "بہرحال مشائخ سے روحانی فیض حاصل کرنا اور فیض باطنی کا پہنچنا ان کے سینوں سے یا ان کی قبروں سے صحیح ہے اس مشہور و معروف طریقے سے جو ان اولیاء و صوفیہ میں مروج ہے اور خاص خاص بندوں کو حاصل ہوتا ہے وہ طریقہ نہیں جو عوام میں مروج ہے"۔

روح سے اخذ فیض اور اجزائے فیض اگر کوئی اللہ کا بندہ اس کا طالب ہے تو صلائے عام ہے طلب اور خلوص لے کر آجائے اور ممکن اور محال میں تمیز کرلے ورنہ صرف باتوں سے وہ حاصل نہیں ہوتا جو عملی طور پر کرنے سے حاصل ہوتا ہے"۔

لباس فہم بہ بالائے او تنگ — سمند وہم در صحرائے او لنگ
نہ چندی گنجد آنجا و نہ چونی — فرو بند لب از کم و زفزونی

امام الہند شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ کے ارشادات سے واضح ہے کہ سلسلہ اولیسیہ میں روح سے اخذ فیض ہوتا ہے اور اس کے لیے اتصال ظاہری شرط نہیں ہاں اتصال نسبت ضرور ہوتا ہے یہی نسبت اولیسیہ ہوتی ہے۔

تصوّف کی اہمیّت

یہ تقریر استادِ مکرم حضرت مولانا اللہ یار خاں صاحب مدظلہٗ نے منگچر ضلع قلات کے مقام پر علمائے کرام کے ایک مجمع میں فرمائی۔

ہم اپنے آپ کو اہلِ سنت والجماعت کہتے ہیں۔ اہل سنت والجماعت وہ جماعت ہے وہ مذہب ہے جس نے نبوت کے دونوں پہلوؤں کو سنبھال لیا ہے۔ ہمارے چار فقہی مذاہب یعنی شافعی، مالکی، حنبلی اور حنفی نے نبوت کا ظاہری پہلو سنبھال لیا ہے اور ہمارے چار سلسلوں نے باطنی پہلو جو نبوت کا ہے اُس کو انہوں نے سنبھال لیا ہے اس کو کہتے ہیں اہل سنت والجماعت جنہوں نے دونوں پہلوؤں کو سنبھالا ہے اگر کوئی شخص ظاہری پہلو کو سنبھال لے۔ اُس کا وہ وارث بن جائے اُس کو کتاب سے حصہ ملا چونکہ یہ نبوت کا ظاہری پہلو ہے علوم نبوّت سے عبارت ہے قرآن کریم حدیث نبوی ؐ لیکن یہ جو ظاہری پہلو ہے اس کو ہر ایک انسان حاصل کر سکتا ہے۔ مثلاً قرآن کریم کو حدیث نبوی ؐ کو سکھ، ہندو، یہودی عیسائی یہ سارے پڑھ سکتے ہیں۔

باطنی پہلو کو تعبیر کیا جاتا ہے۔ نورِ نبوت سے، آدمی مسلمان بھی ہو ایماندار بھی ہو لیکن بدکار ہو تو یہ حاصل نہیں کر سکتا۔ اس کے سمجھنے کے لئے ضرورت اس چیز کی ہے کہ ظاہری پہلو کبھی کبھی منسوخ بھی ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور سمجھ لو کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام آخری وقت میں نازل ہوں گے اُس کا تعین تو اللہ تعالیٰ کو پتہ ہے۔ کیونکہ شبِ معراج میں جس وقت آقائے نامدار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس پہنچے ہیں اس بحث کو ابن جریر رحؒ نے اور ابن کثیر رحؒ نے اور در منثور نے بڑا مفصل بیان کیا ہے کہ قیامت کا مسئلہ بھی اس کے سامنے پیش ہوا تھا تمام انبیاء نے انکار کیا کہ ہمیں کوئی علم نہیں۔ لا علم بس یہی کچھ کہتے تھے عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے جس وقت یہ مسئلہ پیش ہوا۔ انہوں نے فرمایا تو مجھے علم نہیں۔ لیکن اتنا مجھے علم ہے جب میں زمین پر اُتروں گا اُس وقت قیامت بالکل قریب ہوگی اور عیسیٰ علیہ السلام آقائے نامدار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں آئیں گے اور وہ درجہ صحابیت کا رکھتے ہیں کہ حضور ؐ کی زیارت نصیب ہوئی ہے اُن کو بیت المقدس میں، اور اُن کا ظاہری پہلو جو نبوت کا ہے ختم ہو جائے گا۔

انجیل منسوخ ہو چکی ہے منحرف ہو چکی ہے۔ اُس پر کوئی عمل نہ ہوگا اس لئے ظاہری پہلو نبوت کا بالکل ختم۔ باطنی پہلو نبوت کا بالکل اسی طریقے پر قائم ہوگا۔ بخاری میں موجود ہے کہ یاجوج ماجوج کے قصہ میں یہ حدیث بھی آتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت یہ نکلیں گے۔ وہ سدِ سکندری کو توڑ کر باہر آئیں گے اُس وقت اللہ تعالیٰ عیسیٰ کی طرف وحی کرے گا کہ میرے بندوں کو لے کر کوہ طور پہاڑی پہ چلے جاؤ۔ وحی کا سلسلہ بدستور باطن کے ساتھ رہے گا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جس وقت حاضر ہوں گے تو قرآن کریم انہوں نے پڑھا ہوا نہیں۔ حدیث نبوی سے واقف نہیں وہ تو آسمان پہ بیٹھے ہیں اس لئے الحادی للفتاویٰ میں علامہ سیوطی نے دوسری جلد میں اس کو بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے فرماتے ہیں عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نازل ہوگا۔ میری قبر پہ آئے گا اور مجھ سے بات چیت کرے گا۔ جو مسئلہ جو سوال وہ پیش کرے گا۔ میں اس کا جواب دیا کروں گا۔ بعض کہتے ہیں نہیں الہامی یا القائی طور پر آسمان پر سکھا دیا جائے گا اور سیکھ کر آسمان سے زمین پر آئے گا۔ یہ دو اقوال ملتے ہیں حیات الانبیاء میں جو مسئلہ دیوبندی نے پیش کیا ہے۔ یہ حدیث پیش کرتے ہیں۔ یہ نہیں تو عیسیٰ السلام کا ظاہری پہلو نبوت کا ختم ہو جائے گا۔ لیکن باطنی پہلو بدستور رہے گا۔ اس طریقے سے ہمارے چار سلسلوں نے باطنی پہلو نبوت کا جو نور نبوت ہے اس کو انہوں نے حاصل کر لیا اور ظاہری پہلو کو آقائے نامدار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور قرآن کو علماء ظواہر کے چاروں مذہبوں نے اس کو حاصل کر لیا۔ یہ سب مرکب ہو کر اس کو کہتے ہیں اہل سنت والجماعت۔ شاہ عبدالعزیزؒ صاحب تحفہ میں لکھتے ہیں۔

شیعوں کے مقابلے میں جب بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں اہل سنت والجماعت کہتے ہی اس کو ہیں جو نبوت کے دونوں پہلو سنبھال لیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے تفہیمات الٰہیہ میں لکھا ہے اس پہ بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اسلام ایک درخت ہے شجر ہے جس کا تنا بھی ہے جڑیں بھی ہیں۔ اس کی شاخیں بھی ہیں اس پر پھل بھی لگتا ہے فرماتے ہیں تنا اور جڑیں جو ہیں یہ عقائد ہیں اور اس کی شاخیں پتے خار کانٹے وغیرہ یہ شرعی مسائل ہیں۔ اس پر جو پھل لگتا ہے اس کو تصوّف کہتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ہمارے علمائے متکلمین نے اصولی مسائل سے بحث کر کے ہمیں مستغنی کر دیا ہے جس قدر بھی اصولی مسائل تھے وہ سب اُن پر بحث کر کے ان کو مکمل کر دیا ہے۔ حقیقت بھی یہ ہے۔ کہ خیر القرون کے دور میں یہ چیزیں قلمبند ہو چکیں۔ عقائد بھی معاملات بھی عبادات بھی سارے خرق عادات سارے کے سارے تین سو بیس سال میں یہ مکمل ہو چکے ہیں۔ اس لئے شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ کا یہ خیال ہے کہ اپنی تحقیق کو کوئی شخص متقدمین سے آگے نہ بڑھائے اُن کے ذہن صاف تھے۔ زمانہ حضور کا بہت قریب تھا۔ ہم بہت دُور ہو چکے ہیں۔ اندھیرے میں پڑ چکے ہیں ہمارے تحقیق کے لئے وہ دماغ ہم نہیں رکھتے جو متقدمین کا تھا۔ سلف صالحین سے آگے نہ بڑھائے اپنی تحقیق کو وہ فرماتے ہیں کہ فقہاء نے فروعی مسائل سے بحث کر کے ہمیں مستغنی کر دیا ہے اور پھل جو درخت پر لگا ہے جس کو قرآن کریم خلوص سے بیان کرتا ہے۔ حدیث جبرئیلؑ میں احسان سے اس کو تعبیر کیا گیا ہے اور اُس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایمان کی تعبیر بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جبرئیلؑ نے سُن کر دریافت کی کہ ایمان کیا چیز ہے ما الایمان۔ آپ نے بیان کیا۔ اس کے بعد اسلام کے متعلق اس نے سوال کیا۔ آپ نے بتایا اسلام اس چیز کو کہتے ہیں۔ پھر احسان کے متعلق پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ احسان یہ ہے تعبد ربک کانک تراہ فا لم تکن تراہ فانہ یراک۔ صوفیا اور محدثین کرام نے احسان کو تصوف سے تعبیر کیا ہے۔ حدیث ہرقل میں اس کو بشاشت قلوب سے تعبیر کیا ہے اور اس حدیث میں احسان کے ساتھ اور قرآن کریم خلوص سے اس کو بیان کرتا ہے۔

آقائے نامدار محمد رسول اللہ نے جس وقت فاروق اعظم سے دریافت کیا کہ آپ کو پتہ ہے کون آدمی تھا یہ سائل جس نے سوال کیا فرمایا اللہ ورسولہ اعلم میں اس کو نہیں جانتا فرمایا اللہ و رسول اس کو بہتر جانتے ہیں فرمایا جاء جبرئیل یعلمکم دینکم یہ جبرئیل تھا۔ تمہیں دین سکھانے کے لئے تمہارے پاس آیا تھا۔ تقریباً یقیناً تو نہیں، دس بارہ دن آپ کی مرض موت سے پہلے یہ واقعہ پیش آیا۔ دس بارہ دن پہلے جبرئیلؑ آئے انہوں نے آکر سوال کیا تو اس وقت پتہ چلا کہ تصوف جو ہے یہ بھی دین کی جزو ہے بلکہ یہ روح ہے اسلام کا۔ اس لئے جو میں نے آیت پڑھی ہے اس میں اس کی تعیین ہوتی ہے نبوت کے فرائض سے اور آپ کے وظائف سے تین وظیفے اللہ تعالیٰ نے بیان کئے ہیں اس جگہ قرآن کریم کی اس آیت میں تلاوت، تعلیم حکمت اور تعلیم کتاب اللہ اور اس کے بعد فرمایا ویزکیھم تزکیۂ نفس، یہاں آخر یہ بیان کیا ہے۔ دوسری آیتوں میں اول میں بیان کیا ہے تلاوت کے بعد تزکیۂ نفس کو بیان کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ ابتدا و انتہا میں یہی چیز مقصود ہے۔ تلاوت کتاب اپنے مقام پر بہت اہم چیز ہے۔ بہت بڑی چیز ہے لیکن یہ تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت کے لئے دیباچہ اور مقدمہ بنتی ہے۔ اساس اور مقدمہ بنتی ہے اور تعلیم وہ بھی تمہید ہے تزکیہ نفس کی۔ یہ تینوں وظائف آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دور میں خود سنبھال لئے تھے تلاوت تعلیم کتاب، تعلیم حکمت۔ یعنی کتاب اللہ کے معنی سکھانا تفسیر بیان کرنا۔ حدیث کے معنی اس کی شرح بیان کرنا اور تزکیہ نفس آپ کی صحبت سے حاصل ہو جاتا تھا تینوں وظائف آپ کی زندگی میں خود آپ نے سنبھالے ہیں تمام شعبے جس قدر دین کے تھے سارے کے سارے آپ نے سنبھالے ہیں۔ آپ میں اللہ تعالیٰ نے وہ تمام کمالات رکھے فتح الباری میں علامہ ابن حجر عسقلانی تیرہویں جلد میں نقل کرتے ہیں۔ حضور کو اللہ نے جس قدر انسانی کمالات تھے تمام کے تمام عطا کر دیئے اس کے بعد وہ خلفائے راشدین تک آئے عمر بن عبد العزیز تک پہنچے ہیں بعض علماء نے امام شافعیؒ کو بھی اس میں شامل کیا ہے بعض نے نکالا ہے اور کہا ہے کہ ان کو حکومت نہیں ملی۔ باقی کمالات ان میں موجود تھے لیکن حکومت سے مبرا تھے کیونکہ آپ کی تعلیم جو تھی اس میں جج بھی پیدا ہوئے مجسٹریٹ بھی پیدا ہوئے۔ تحصیلدار بھی پیدا ہوئے۔ اسی تعلیم سے سپاہی بھی پیدا ہوئے۔ خالدؓ بن ولید جیسے ابو عبیدہ ابن جراحؓ جیسے حضرت قعقاعؓ سعد بن ابی وقاصؓ جیسے۔ عکرمہؓ بن ابو جہل کی طرح جرنیل بھی اسی تعلیم سے پیدا ہوئے ہیں۔ اور عادل بادشاہ عادل حاکم جو زمین نے دیکھے نہیں اور آسمان کی آنکھ نے صدیقؓ، فاروقؓ، عثمانؓ علیؓ دیکھے جو اسی تعلیم سے پیدا ہوئے ہیں تعلیم ایک ہوتی تھی وہ چٹائیوں پہ بیٹھے ہیں سارے۔ تعلیم ایک ہو رہی ہے اسی میں قاری بھی پیدا ہو رہے ہیں۔ حافظ بھی پیدا ہو رہے ہیں عالم بھی پیدا ہو رہے ہیں۔ مفتی بھی اور مدرس بھی پیدا ہو رہے ہیں۔ مبلغ بھی پیدا ہو رہے ہیں۔ خلفائے راشدین کا دور گزرا ہے۔ یہ امانت امت کے کندھوں پر رکھ دی گئی۔ اس امانت کے امین امت محمدیہ کے علماء پھر ہم نے دیکھا ہے بعض بزرگان دین ایسے گزرے ہیں جنہوں نے تینوں شعبوں کو سنبھال رکھا تھا۔ تلاوت اور تفسیر قرآن بھی اور شرح حدیث بھی اور تزکیہ نفس بھی۔ لیکن جوں جوں زمانہ گزرتا گیا تو اس میں ہر شعبہ کو علیحدہ علیحدہ، پھر قاری علیحدہ علیحدہ ہو گئے۔ انہوں نے قرأت کو سنبھال لیا۔ مفسر علیحدہ ہو گئے محدث علیحدہ ہو گئے۔ صوفیاء کی جماعت علیحدہ ہو گئی ابن خلدون لکھتا ہے کہ جس وقت تصنیف کا دور آیا ہے تو ہر ایک نے قلم اٹھائی اپنے اپنے فن پر تحریروں نے نحو کو قلم بند کیا۔ صرفیوں نے صرف کو، منطقی شروع ہو گئے محدث بھی پیدا ہو گئے انہوں نے علیحدہ اپنے فن کو مدون کیا فقہا پیدا ہوئے اسی طرح صوفیوں نے بھی علیحدہ اپنے فن کو قلمبند کیا ہے انہوں نے بھی کتابیں لکھی ہیں۔ پھر لکھتا ہے ان کی جو کتاب ہوتی ہے ان کی کوئی شرح کرنے لگے صوفی کے علاوہ، تو اس کی شرح وہ نہ کر سکے گا کیونکہ اس کی سمجھ میں نہ آئے گی میں نے دیکھا ہے مثنوی کی شرح لکھی ہے کسی عالم نے لیکن اتنی غلطیاں کی ہیں جس کی حد نہیں کیونکہ وہ تصوف سے واقف نہیں یہ فن ہی علیحدہ ہے۔

انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ فیض الباری میں لکھتے ہیں لکُلّ فن رجال کے لئے مرد ہوتے ہیں یہ مسئلہ انہیں سے سیکھے جیسے فن معلوم ہے تو صوفیاء کرام نے اپنی جگہ بیٹھ کر محدثین کرام نے اپنی جگہ بیٹھ کر اور مفسرین نے اپنی جگہ بیٹھ کر فقہاء نے اپنی جگہ بیٹھ کر اُمت محمدیہ کی رہنمائی فرمائی صوفیاء نے خاموشی سے بیٹھ کر۔ فرق صرف اتنا ہے کہ علماء ظواہر جو ہیں وہ ظاہری اعضاء پر حملہ کرتے ہیں نماز شروع کرائی روزہ چھوڑ دیا۔ نماز پڑھی ہے، حج زکوٰۃ چھوڑ دی۔ اور جرم کیا صوفیاء کا سیدھا حملہ دل پر ہوتا ہے جس وقت، اس کی اصلاح ہو جائے۔ سارا بدن ٹھیک ہو جائے گا۔ سینہ کو صدر کیوں کہتے ہیں اس لئے کہ یہ صدر مقام ہے۔ یہ قلب جو ہے یہ خون کا لوتھڑا مراد نہیں ہے قرآن کریم حدیث نبوی میں جہاں جہاں بھی اس کا ذکر آیا ہے۔ ذکر قلب کا ہوتا ہے احکام روح کے بیان ہوتے ہیں یہ لوتھڑا کتے کا بھی ہے بلی اور چوہے کا بھی ہے یہ درندے پرندے کا بھی ہے اس کے ساتھ چونکہ روح کا تعلق زیادہ ہوتا ہے اس سے ذکر جب قلب کا ہوتا ہے احکام روح کے ہوتے ہیں اس کی اصلاح ہو جائے یہ ٹھیک ہو جائے تو سارا بدن ٹھیک ہو جاتا ہے اور اگر اس میں خرابی پیدا ہو جائے تو پھر عقائد میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔ اعمال میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر باطن صاف نہ ہو۔ یہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں۔ کہ دین کے تینوں ارکان حدیث جبرئیل سے ثابت ہوتے ہیں یہاں بھی اگر تصوف کو نکال دیا جائے تو اُمت محمدیہ عہدہ برآ نہیں ہو سکتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس امانت کے امین بنا کر گئے ہیں مولانا ادریسؒ نے بخاری کی جو مشکلات لکھی ہیں اُن میں لکھتے ہیں کہ مغرب کی نماز کی تین رکعت ہیں اور وتروں کی بھی تین رکعت ہیں۔ اگر ایک رکعت انسان چھوڑ دے تو نماز نہ ہوگی۔ اسی طرح تصوف بھی چھوڑ دیں تو دین ناقص ہو جائے گا یہ روح اسلام ہے۔ دین کا روح ہے مذہب کا روح ہے اسلام کا روح ہے اس لئے کہ تین رکعت سے اگر ایک چھوٹ جائے تو نماز ناقص ہو جاتی ہے چہ جائیکہ انکار ہی کر دیا جائے اس تصوف سے، مرض اس وقت بڑھتی ہے جس وقت انکار ہو جائے۔ حکیم نہ رہے۔ ڈاکٹر ختم ہو جائے کوئی بھی نہ رہے تو پھر اس وقت مرض بھی بڑھ جاتی ہے یقیناً بات ہے کہ جس وقت یہ مراقبہ خانے خالی ہو گئے اللہ والے اللہ اللہ کرنے والے رات کے وقت اُٹھ گئے تو تصوف اجنبی چیز معلوم ہونے لگی۔

آج آپ دیہاتوں میں جا کر دیکھیں عشاء کی نماز کے وقت ایک آدمی نہیں ملتا مسجد میں سحری کے وقت کوئی بندہ نہیں ملتا جو مسجد میں آکر تہجد پڑھے۔ پھر خاص کر جائے اور ریڈیو نے تو حد کر دی۔ صبح کی نماز کے بعد ہم دیکھتے ننھے چھوٹے چھوٹے ہوتے تھے کھجوروں کی گٹھلیاں لے کر ان پر درود شریف پڑھا کرتے تھے۔ اب بس سلام پھیرا۔ چلو جی چلئے۔ ریڈیو (بغل میں) قرآن کریم سینوں سے گیا بغلوں سے گیا۔ ریڈیو گانا بجانا ان کی جگہ آگیا۔

اس لئے صوفیاء کرام نے نہایت خاموشی سے بیٹھ کر مخلوق کی رہنمائی کی۔ مخلوق کو جو اللہ سے دُور ہو چکی ہے اس کو واصل کیا اللہ والا بنایا اور اللہ سے روشناس کرایا چونکہ اصل مقصد ہی یہ ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں سورۃ فاتحہ میں لکھتے ہیں کہ قرآن کریم سے پہلے جو کتابیں اُتری ہیں مثال کے طور پر ایک سو چار کتابیں ہیں۔ سو کتابوں کا جس قدر بھی خلاصہ تھا وہ تورات، زبور، انجیل میں آگیا۔ تورات، زبور، انجیل کا خلاصہ سورۃ البقرہ میں آگیا ہے۔ کیونکہ علماء پڑھاتے ہیں اڑھائی پارے؟ بیضاوی کے اڑھائی پارے رکھے ہیں اگر کوئی پڑھانے والا ہو صحیح ہو تو سورۃ بقرہ پڑھنے کے بعد سارا قرآن کریم حاصل ہو جاتا ہے سورۃ البقرہ کا خلاصہ سارے کا سارا سورۃ الفاتحہ میں آجاتا ہے سورۃ الفاتحہ کا خلاصہ فرماتے ہیں کہ بسم اللہ میں آجاتا ہے اور بسم اللہ کا خلاصہ اس ب میں ہے جو ب تلبس کی ہے۔ غرض کیا ہے انبیاء کے بھیجنے کی؟ کتابوں کے نازل کرنے کی؟ علماء کو پیدا کر کے اُن کو علم دے کے اُن کی تبلیغ کا خلاصہ کیا ہے کہ اللہ والے بن جائیں۔ خدا سے چمٹ جائیں ب تلبس کی۔ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہے مجھے یاد آتا ہے۔ مثنوی میں مولانا روم نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کسی وقت پانی پہ اُترے تھے دیکھا ایک آدمی بھیڑ بکریاں چُرا رہا ہے وہ اپنی حالت مستی میں کہہ رہا ہے۔ ربّا! آپ کی بیوی کوئی نہیں۔ بچے کوئی نہیں ماں کوئی نہیں۔ آپ کا سر میلا ہو گیا ہوگا، بال میلے اور جکڑے گئے ہوں

گے۔ آپ کے پاؤں پر میل چڑھ گیا ہوگا۔ آج اگر آپ آجاتا جاتے تو میں بھیڑ بکریوں کے دودھ سے آپ کا سر دھوتا آپ کے پاؤں سے میل اتارتا۔ اسی حالت میں لگا ہوا ہے۔ یہ الفاظ خدا کی شان میں بظاہر کفریہ ہیں لیکن وہ چونکہ سُکر کی حالت میں تھا۔ معذور تھا مستی میں تھا جس طرح حضرت مجددؒ الف ثانی نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے کہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں محمود غزنوی جس وقت پہنچا تھا اس وقت وہ ہندوستان پر حملہ آور ہونا چاہتا تھا خاص کر کے سومنات پر ابوالحسن خرقانی کی خدمت میں پہنچا خرقان کے علاقہ میں اس وقت وہ بالکل تن تنہا تھے جھونپڑی میں بیٹھے تھے شہر سے باہر خندق یعنی کچھ گڑھا کھود کے اس پر جھونپڑی تھی اُس میں انہوں نے ڈیرہ لگایا ہُوا تھا۔ انہوں نے وزیر اعظم کو بھیجا اُس نے جا کر سلام کیا لیکن شیخ نے نہ دیکھا اور نہ ہی سلام کا جواب دیا یہ سُن کر محمود نے کہا ہمارے دل میں جو چیز ہے وہ غلط ثابت ہوئی۔ یعنی دنیا کا کوئی شائبہ ہوتا تو وہ آ جاتا۔ پھر کہا اب دوبارہ پھر جاؤ اور اس کے سامنے کھڑا ہو کر اسلام علیکم کہنا اور پھر یہ پڑھنا یا ایہا الذین امنوا الخ جس وقت انہوں نے اس آیت کو پڑھا تو وہ مراقبے کی حالت میں تھے۔ انہوں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو اُن کو فرمایا میں نے اللہ تعالیٰ کی تابعداری کی ہے ابھی رسول تک نہیں پہنچا اولوالامر کا تیسرا درجہ ہے فرماتے ہیں یہ کفریہ کلمات ہیں لیکن چونکہ وہ سُکر کی حالت تھے، معذور تھے جس طرح ایک صحابی کے منہ سے نکلا تھا اللھم انت عبدی وانا ربک یہ حالت کی ہے اے اللہ تو میرا بندہ ہے۔ میں تیرا خدا ہوں۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے اُس سے کہا تُو تو کافر ہو چکا ہے خدا کے اعضار ثابت کر رہا ہے سہ

وحی آمد سوئے موسیٰ از اللہ
بندۂ ما راز ما کردی جُدا

فوراً وحی آئی اے موسیٰ علیہ السلام میرا بندہ میرے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔ تُو نے مجھ سے جُدا کر دیا سہ

تو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی

میں نے تو آپ کو اس لئے بھیجا ہے کہ جو مجھ سے کٹ چکے ہیں اُن کو میرے ساتھ جوڑ دو۔ یہ نہیں کہ جو جُڑے ہوئے ہیں اُن کو کاٹ کر (علیحدہ) کر دو سہ

ہر کسے را اصطلاح رادہ ایم
میں نے ہر ایک آدمی کو اپنی اپنی زبان دی ہے
سندھیاں را اصطلاح سندھ بداں
ہندھیاں را اصطلاح ہند بداں۔

سندھی اپنی زبان میں مجھے یاد کرتے ہیں اور ہندی اپنی زبان میں مجھے یاد کرتے ہیں یہ اپنی زبان میں لگا ہُوا ہے تو خلاصہ کیا ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں یوں لکھا ہے۔ سارے انبیاء کے آنے کا مطلب اور کتابوں کے نازل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مخلوق جو خدا سے کٹ چکی ہے اُسے خدا سے جوڑ دیں۔ اور یہ نہیں ہوتا جب تک تزکیہ نفس نہ ہو جائے۔ قلب کی اصلاح نہ ہو جائے۔ حدیث میں آیا ہے۔ الا ان فی الجسد ... الا وھی القلب بدن میں ایک ٹکڑا ہے اگر اس کی اصلاح ہو جائے تو سارا بدن ٹھیک ٹھاک ہو جاتا ہے اور وہ فاسد ہو جائے تو سارا بدن برباد ہو جاتا ہے۔ خبردار وہ قلب ہے، دل ہے اس کی اصلاح کر لو۔ میں تقریر کو ختم کرنا چاہتا ہوں میری طبیعت خراب ہے خلاصہ یہ ہے کہ اہلِ سنّت والجماعت کا مذہب کس کو کہتے ہیں جس نے نبوت کے دونوں پہلوؤں کو سنبھال لیا ہے۔ اب ذرا دیکھ لو اس کو حدیث کا موضوع کیا ہے۔ حدیث سے غرض کیا ہے۔ حدیث کی تعریف کیا ہے۔

موضوع حدیث ہے ذات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من حیث رسالت و نبوت۔ حدیث سے غرض کیا ہے۔ غرض حدیث سے سعادت دارین کہ دونوں جہان ٹھیک ہو جائیں۔ تعریف حدیث کی ہے۔ اضیف الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اقوال

حدیث معراج کو دیکھو کیا مشکوٰۃ میں یہ حدیث موجود نہیں۔ فرمایا اپنی اُمت کو میرا سلام پہنچا دینا اُن کو کہنا جنت چٹیل میدان ہے اس میں کوئی درخت نہیں کوئی حوریں نہیں کوئی نہریں نہیں کوئی درخت نہیں۔ آپ کے عمل ہی حوریں ہیں۔ حوریں بھی عمل ہیں درخت بھی یہاں سے

عمل ہیں۔

یہ میرا پیغام پہنچا دینا بات چیت ہوئی۔ موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی واپسی پر وہاں بھی دیکھے اوپر بھی دیکھے۔ کیا یہ مشہور تواتر تک یہ بات پہنچی ہوئی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے بار بار حضور کو لوٹایا کہ میں تجربہ کر چکا ہوں۔ دیکھ چکا ہوں، آپ کی اُمت بہت کمزور ہے یہ پچاس نمازیں برداشت نہیں کریں گے۔ اللہ سے تخفیف کا جا کر سوال کریں بار بار جاتے رہے اسی کو استفادہ کہتے ہیں۔ یہ کلام ہوتی گئی یہ جو کچھ ہوا ہے کیا اس کے ہم مکلف نہیں یہ حضور کی حدیث نہیں یہ فعل یہ قول حضور کا جو کچھ آپ نے کیا ہے دیکھا ہے حتیٰ کہ پھر واپسی پر آئے تو قریش کے سامنے جس وقت بات ہوئی۔ وہ چڑ گئے۔ پھر ابوجہل نے اس بات کو اُٹھایا دیکھو یہ کہتا ہے رات کو گیا ہوں۔ عشاء تک تو یہاں موجود تھا اور صبح بھی یہاں موجود ہے کہتا ہے میں بیت المقدس میں گیا ہوں بیت المقدس دیکھ آیا ہوں آسمانوں پر گیا ہوں کیا صدیق اکبرؓ کو نہیں بلایا تھا کہ یہ آپ کا صاحب کیا کہتا ہے فرمایا جو کچھ کہتا ہے ٹھیک کہتا ہے سچ ہے۔ آسمانوں کی خبریں پہلے دیتے ہیں ہم تصدیق کرتے ہیں تو یہ بات کوئی بعید ہے۔ انہوں نے سوال کیا کہ بیت المقدس کا نقشہ بیان کریں فرمایا۔ میں نے رات کو دیکھی تھی میں بیت المقدس کا نقشہ دیکھ رہا تھا۔ میں مصروف تھا انبیاء کرامؑ کے ساتھ اذان ہوئی جماعت کھڑی ہوگئی۔ اس انتظار میں کہ آگے امام کون بنے گا۔ جبرئیلؑ نے میرا بازو پکڑ کے آگے کھڑا کر دیا سکندر نامے میں مولانا نظامیؒ نے لکھا ہے۔ ؎

• درآں شب آں امام الانبیاء شد
ہمہ پیشنیاں را پیشوا شد

فرماتے ہیں کہ میں اتنا کبھی پریشان نہیں ہوا جس وقت مجھ پر یہ سوال پیش ہوا تھا میں بڑا پریشان ہوا۔ میں نے تو بیت المقدس رات کو دیکھی تھی، میں کس طرح بیان کر سکتا ہوں بیت المقدس کو اٹھا کر میرے سامنے رکھ دیا گیا جو چیز وہ پوچھتے تھے میں گن گن کر وہ سناتا تھا ذرا ذرا ایک ایک پتھر گن گن کر اُن کو سنا دیا۔ فلانی چیز۔ فلانی چیز۔ یاد رکھو ایسے لوگ دُنیا سے نابود ہو چکے ہیں۔ شیخ اور

مرید کی آپس میں مناسبت نہ ہو تو اُسے فیض نہیں ہو سکتا انبیاء معصوم اس لئے قرار دے دیا گیا ہے جبرئیل فرشتہ معصوم۔ ظاہراً و باطناً۔ یہ آپس میں نسبت ہے کہ وہ اس سے فیض لیں۔ یہ ہے کشف تام، انبیاءؑ کا کشف تام ہوتا ہے اس میں غلطی نہیں ہوتی۔ صوفی کا کشف تام نہیں ہوتا۔ ناقص ہوتا ہے اس میں غلطی لگتی ہے نبیؐ کے سامنے حقیقت کھل جاتی ہے کشف سے جبرئیلؑ ہے کلام کون کر رہا ہے میرے ساتھ جبرئیل ہے اور اس کی پہچان اس طرح ہو جاتی ہے کسی شیطان کا کلام ہو کسی جن بھوت کا کلام ہو خوف پیدا ہو جاتا ہے بال کھڑے ہو جاتے ہیں بدن انسانی پہ اندر بیٹھا ہے انسان صوفی ہے اللہ اللہ کر رہا ہے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ملائکہ آ جائیں خوشی اور فرحت پیدا ہو جاتی ہے نبی کے پاس جبرئیلؑ علیہ السلام آپ کے دل پر القا کرتا تھا وانہ' لتنزیل" من رب العالمین نزل بہ الروح الامین علیٰ قلبک لتکون من المنذرین۔ بلسان عربی" مبین قرآن کو ہم نے اتارا ہے اور جبرئیلؑ لے کے آپ کے دل پر آکر اتارا ہے۔ یہ کان نہیں سنتے ان آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے۔ اُترتے وقت دوسری طرف آرڈر آ گیا ہے لا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ نہیں پڑھ سکتے آپ لا تعجل بالقرآن ... وحیہ جب تک وحی پورا نہیں ہو جاتا اس وقت تک زبان سے نہ پڑھو۔ پتہ چلا کہ کوئی چیز ہے جو قرآن کریم کو پڑھ رہی ہے وہ کیا ہے روح ہے وہی قلب ہے احکام روح کے اور ذکر قلب کا ہو رہا ہے بعض اوقات اس طرح ہوتا ہے تلقی کی شکل میں القا کرتا ہے فرشتہ کرسی نہیں چھوڑتا جبرئیلؑ لٹک کر القا کرتا ہے یہ ہے کشفاً"۔ یہ معلوم ہوتا ہے جبرئیل کا دیکھنا یا فرشتوں کا دیکھنا۔ جن کا دیکھنا۔ شیطان کا نظر آنا، یا کشف قبور کا ہونا یہ نور نبوت سے حاصل ہوتا ہے۔ حدیثیں بھری پڑی ہیں۔ یہ حدیثیں ہو چکی ہیں۔ سنت مردہ کو زندہ کرنے والا سو شہیدوں کے ثواب کا مستحق ہے۔ کشف قبور یا یہ چیزیں جو ہیں اگر کسی کو زیادہ ضرورت ہو تفہیمات الٰہیہ فیوض الحرمین شاہ ولی اللہؒ

آج ہم تمام علماء اکٹھے ہو کر ایک پلڑے پر اپنے اپنے علم رکھ دیں لیکن شاہ ولی اللہ رح کا علم پھر بھی بھاری ہو گا ان کو علم لدنی تھا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ میرا والد آیت من آیات اللہ (معجزۃ الانبیاء یعنی وہ ایک اللہ کی نشانیوں سے ایک نشانی (معجزہ من معجزہ الانبیاءؑ یعنی وہ ایک اللہ کی نشانیوں سے ایک نشانی تھا اور انبیاء کے معجزات سے ایک معجزہ تھا تفہیمات الٰہیہ کو دیکھیں تفہیمات میں لکھتے ہیں کہ میرے والد نے جلد ہی میری شادی کرا دی میں نہ سمجھا کہ کیوں کرائی لیکن شادی کے بعد جلدی فوت ہو گئے اٹھارہ سال کا تھا کہ میں نے مسند تدریس کو سنبھال لیا اٹھائیس سال کی عمر میں حرمین میں گیا والد سے میں نے تصوف حاصل کیا میں ریاض الجنۃ میں نفل الضحیٰ پڑھ رہا تھا میں نہیں دیکھتا کہ میری یہ آنکھیں دیکھ رہی ہیں یا روح کی آنکھیں دیکھ رہی ہیں۔ میں نے دیکھا کہ میں انوار میں غرق کھڑا ہوں۔ اس کے بعد میں حضور کی طرف متوجہ ہوا دیکھا کہ آپ مراقبے کی حالت میں ہیں۔ میں خاموشی سے جا کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ نے چہرہ مبارک اٹھایا اور میری طرف ہاتھ بڑھائے دونوں ہاتھوں سے میں نے بیعت کی (تفہیمات الٰہیہ الانبیاہ فی سلاسل اولیاء اللہ) اور فیوض الحرمین الفوذ الکبیر میں بھی لکھتے ہیں۔ کہ میں پہلا اویسی ہوں قرآن کریم میں نے حضور سے پڑھا ہے ان کو دیکھیں۔ تذکرۃ الرشید، امداد السلوک۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کیا فرماتے ہیں۔ میں گرمیوں کی ابتداء میں کبیروالے مدرسے کے جلسے میں گیا مجھے شیخ الحدیث لے گئے تھے میں اُن کے گھر ہی ٹھہرا دو گھنٹے تو میرے ساتھ ہی شیعوں کے متعلق گفتگو کی میں نے اُن سے کہا یہاں یہ جو چار سو طالب علم بیٹھا ہے۔ یہ جس وقت پڑھ کے نکلیں گے اس وقت ان کو یہ علم نہ ہو گا کہ ہمارا عقیدہ کیا ہے شیعوں کا کیا ہے۔ قادیانیوں کا ہے غیر مقلدوں کا کیا ہے، خارجیوں کا کیا ہے ان کو کوئی عقیدہ کا پتہ نہیں ہوتا پڑھ کے نکلتے ہیں اور عقیدے کی خبر نہیں ہوتی۔ ان کو کیوں نہیں سکھاتے میں نے کہا کہ میں نے کتاب لکھی ہے "تحذیر المسلمین" وہی پڑھاؤ۔ اس کے تصوف پہ بات چل نکلی انہوں نے کہا کشف جو ہے یہ الہام ہے میں نے کہا الہام سے تو قرآن بھرا ہوا ہے اس کا انکار غلط ہے کشف پہ بات کرو۔ کہا کہ صوفیائے کرام لکھتے ہیں کہ فیض الرجال ہے میں نے کہا ٹھیک ہے مردوں کے بچے جو ہوتے ہیں یعنی صوفی ابتدائی دور میں جو ذکر کرتے ہیں اُن کی تربیت کی جاتی ہے اور کشف مقصودی چیز نہیں یہ غیر مقصوم ہے جس کو دربارِ نبوی میں حاضری ہو جائے فنا فی الرسول۔ فنا الرسول کا مطلب ایک مراقبہ ہے جو دربارِ نبویؐ بغیر اُس کے کہ جب تک وہ حاصل نہ ہو۔ ترقی ہوتی ہی نہیں تو آقائے نامدار محمد رسول اللہ علیہ وسلم کے صحابی جو ہیں حضورؐ کو حالت ایمان میں جس شخص نے دیکھا ہے وہ صحابی ہے اگر اس نے نہیں دیکھا حضورؐ نے دیکھ لیا تب بھی صحابی۔ اندھا آدمی ہے زندگی میں ہے حیات میں ہے اگر دنیا میں تبی رخصت ہو چکا۔ کسی نے چہرہ دیکھا ہے۔ تو وہ صحابی نہ بنے گا کیونکہ آپ اب برزخ میں آچکے قدم آپ کا برزخ میں ہے اس طریقہ سے تعبد ربک کانک تراہ ..... یعنی اگر عبادت رب کی اس طرح کی کہ اللہ کو دیکھ رہا ہے یہ کشفی حالت ہے اگر آپ نہیں دیکھ سکتے تو اللہ تو دیکھ رہا ہے۔ یہ ہے استغراقی کشف کی صورتیں میں نے اُن سے کہا کشف مقصودی چیز نہیں اور نہ ہم اس کو مقصودی چیز سمجھتے ہیں۔ یہ اللہ کا انعام ہے جس پہ ہو جائے اور شرعی دلائل جو ہیں یہ بھی صرف چار ہی قسم کے ہیں۔ کتاب اللہ سنت رسول۔ اجماع امت اور قیاس۔ کشف الہام شرعی دلائل میں داخل نہیں ہاں اُن سے رموز اور اسرار شریعت حاصل ہوتے ہیں۔

میں ایک دفعہ چکوال میں بیٹھا ہُوا تھا ایک مولوی صاحب نے مجھ پہ اعتراض کیا کہ موسیٰ علیہ السلام طور پہاڑی پر جس وقت کھڑے تھے۔ یہ آرزو کر رہے تھے کہ ربّا! مجھے اپنا دیدار کرا دے۔ تو اللہ نے فرمایا تم نہیں دیکھ سکتے۔ پہاڑی سخت ہے آپ نرم ہیں باری تعالیٰ کی تجلی پہاڑی پر پڑی اور وہ ریزہ ریزہ ہو گئی موسیٰ علیہ السلام صرف بے ہوش ہوئے یہ کیوں نہیں مرے جبکہ پتھر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر سُرمہ بن گیا اور موسیٰ علیہ السلام ٹھیک ٹھاک کھڑے رہے اس کی کیا وجہ ہے؟

میں نے کہا مجھے یاد تو نہیں، مفسرین نے کیا لکھا ہے لیکن اب دیکھ لیتے ہیں۔ جب دیکھا تو ان دونوں پہاڑیوں

کے درمیان وادی ہے اس پہاڑی پر موسیٰؑ کھڑے ہیں
تجلی اُس پہاڑ پر پڑی ہے۔ میں نے کہا کشف اور الہام سے
اسرار رموزِ شریعت حاصل ہوتے ہیں۔ اختلاف رفع ہو جاتا
ہے پتہ چل جاتا ہے باقی رہا شرعی دلائل اس کا کوئی دخل نہیں
ہاں انبیاء علیہ السلام کا کشف تام ہوتا ہے وہ جو کچھ حاصل
کرتے ہیں اُس کو آگے چل کر سوچو جبرئیلؑ نے قرآن کریم اللہ تعالیٰ
کے سامنے رکھ کر پڑھا تھا؟ اور پھر وہ آکر نبی کریمؐ کو بتلاتے
تھے؟ وہ بھی تلقی روحانی سے لیا گیا ہے

اے اول تو ورائے اول
حیراں زہے تو انبیاء رسل

اللہ کی ابتداء میں ہی انبیاء رسول حیران ہو کر رہ گئے
ہیں۔ ابتداء معلوم نہیں وہ تو ماوریٰ الوریٰ ذات ہے تو
جبرائیلؑ قرآن کی تعلیم کیسے حاصل کر سکتے ہیں اُس میں دو ہی
قول نقل کئے ہیں تفسیر اتقان میں ایک جگہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ
نے لوح محفوظ پر ان حروف کو ایجاد کیا ہے موٹے موٹے
ایجاد ہیں دوسرا قلبی، روحانی قول صحیح ہے اور تلقی روحانی
سے ہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے حاصل کیا
ہے دل پڑھتا ہے دل سنتا ہے۔

یہ ہمارے گناہ اس کو اندھا کر دیتے ہیں اُس کو بہرہ
کر دیتے ہیں یہ سب کچھ ہماری وجہ سے ہے اور دنیا میں
مکلف بالذات بدن ہے بالتبع روح ہے موت کے بعد
بالذات روح بالتبع بدن۔ یہ سلوک اور تصوف جو ہے یہ
روح کا چونکہ کام ہے۔ اُس کا تعلق عالم بالا کے ساتھ ہے زمین
کے ساتھ نہیں۔ اور اُس وقت یہ روح کا اپنا فعل ہے اس
لئے یہ بڑی سہولت ہے عالم برزخ میں جو عزت اس کی ہے
اتنی کسی کی نہیں۔ ہاں سوائے نیک ہونے کے پہلی چیز اس کی
شرائط میں سے ہے اور اس کے ارکان میں سے اتباع شریعت
سب سے بڑھ کر بڑا رکن ہے اس اتباع کے بغیر کوئی چیز
نہیں۔ جتنے مناصب ہیں۔ نقباء ہوں اوتاد ہوں، ابدال
ہوں قطب ہوں فرد ہوں قطب وحدت ہوں۔ صدیق ہو یہ
میرے آقا کی جوتیوں کی خاک سے ملتے ہیں اتباع سے ملتے ہیں
بغیر اتباع سے ملتے ہیں بغیر اتباع حضور انور صلی اللہ علیہ
وسلم کوئی چیز نہیں ملتی۔ کوئی شخص ہوا میں اڑتا آئے پانی میں
چل کر آئے دریا کو عبور کرلے بالوں سے گھی اور دودھ نکال لے
لیکن قول و فعل سنت کے خلاف ہے ہم اُسے شیطان کہیں
گے۔ ہم اس کو کسی قسم کا درجہ دینے کے لئے تیار نہیں جب
تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری اتباع نہ کرے۔ اس
میں ترقی نہیں ہوتی۔ یہ چیز حاصل نہیں ہوتی۔ بدکاروں کو یہ چیز
نہیں ملتی۔ شائد کوشش کر کے لے جائے لیکن کچھ دن کے
بعد وہ لوٹ کر اپنی جگہ پر آجائے گا۔ تو بہر حال حدیث بے شمار
ہیں۔ کتاب اللہ میں موجود ہے یہ سب کچھ اور تصوف جو
ہے یہ روح اسلام کی ہے جس طرح نبی کریمؐ فرماتے ہیں کہ
روزہ غیبت سے ٹوٹ جاتا ہے۔ حالانکہ ٹوٹتا تو نہیں یعنی اس
کی رُوح نکلی جاتی ہے فرمایا زانی جب اس فعل میں مشغول
ہوتا ہے ایمان نکل جاتا ہے چور چوری کرتا ہے تو ایمان
نکل جاتا ہے یعنی روحِ ایمانی نکل جاتی ہے۔ ابُت رہ
جاتا ہے۔ ڈھانچہ رہ جاتا ہے گوشت پوست کا۔

باقی رہا لسانی ذکر اُس کے لئے کسی شیخ کی ضرورت
نہیں اس کی زبان تو گنگ نہیں خود پڑھ سکتا ہے شیخ کی ضرورت
ہوتی ہے ماوریٰ الوریٰ معاملات کے شروع ہونے سے سلوک
کا تعلق آسمانوں سے اُوپر ہے عرش معلیٰ کے ساتھ ہے۔ یہ
سارے عالم رہ جاتے ہیں۔ اور سالک سمجھتا ہے کہ میں چھوڑ کر
اُوپر آ گیا ہوں۔ جس کا جی چاہے اس میدان میں اس وادی
میں قدم رکھ کے گھومے اس کے بعد پتہ لگے گا۔ زبانی زبانی بیان
کرنے سے قطعاً پتہ نہیں چلتا۔ ؎

لباسِ فہم برلائے اُو تنگ
سمندِ عقل در صحرائے او لنگ

لباس سمجھ والا پھٹ جاتا ہے اس میدان میں بڑا تیز رو
گھوڑا بھی لنگڑا ہو کر گر جاتا ہے۔ یہ سمجھ نہیں آتی جب تک
یہ حاصل نہ ہو۔ یہ پیالہ نوش نہ کریں گے تب تک سمجھ نہ آئے
گی فرشتے سے کوئی پوچھے کہ گڑ کتنا میٹھا ہے وہ نہیں بتا سکتا
چار سال کے بچے سے شادی کا لطف پوچھو وہ نہیں بتا سکتا۔
اسی طریقے سے کوئی مولوی ہو، عالم ہو، فاضل ہو وہ تصوف کو
نہیں سمجھ سکتا جب تک وہ اس میدان میں قدم نہ رکھے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

کوئٹہ میں تقریر

صوبیدار سرور

ملٹری ڈیری فارم کوئٹہ کی مسجد کے خطیب قاری یار محمد صاحب اپنی پرکشش شخصیت اور سوز کی وجہ سے مرجع خلائق ہیں ان کی مسجد میں خاصا ہجوم رہتا ہے لیکن آج تو کہیں زیادہ ہی رش ہے کیونکہ پنجاب سے آئے ہوئے کوئی بزرگ جو حضرت قاری صاحب کے شیخ ہیں آج نماز جمعہ کے لیے تشریف لا رہے ہیں

قاری صاحب نے مختصر تعارف کے بعد اپنے شیخ حضرت مولانا اللہ یار خاںؒ سے کچھ فرمانے کی درخواست کی تو سادہ لباس میں ملبوس ایک اللہ والے کی سادہ مگر پر اثر الفاظ نے مجمع کو محو کر دیا۔ امت محمدیہ کو بڑے پرسوز لہجے میں چند نصیحتیں کیں ۱۹۷۷ء میں ریکارڈ کی ہوئی کیسٹ سے یہ تقریر قارئین کی اصلاح کے لیے انہی الفاظ میں پیش کر رہا ہوں۔ اللہ ہم سب کو عمل میں خلوص پیدا کرنے کی توفیق بخشے (صوبیدار سرور)

خطبہ مسنونہ کے بعد ارشاد ہوا۔

گاہ گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را تازہ خواہی داشتن داغ ہائے سینہ را

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما اے طبیب جملہ علت ہائے ما

اے دوائے نخوت و ناموس ما اے کہ افلاطون و جالینوس ما

قرآن کریم کی پہلی آیت جو میں نے پڑھی ہے اس میں رب العالمین نے عقل والے وہ لوگ بیان فرمائے ہیں جو مجھے یاد کرتے ہیں:

لُب کہتے ہیں ساری چھانی ہوئی چیز مطلب دودھ سے مکھن نکلا ہوا، مکھن سے گھی باداموں کی گلیاں ان سے آگے جا کر کے جب روغن نکلتا ہے اس کو لب کہتے ہیں، خالص عقل والے وہی لوگ ہیں جو یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ۔ بیٹھے کھڑے ہوئے مجھے یاد کرتے ہیں بیٹھ کر بھی یاد کرتے ہیں لیٹے ہوئے بھی مجھے یاد کرتے ہیں اور میرے آسمان اور زمین میں سوچ اور غور و فکر کرتے ہیں ذات باری میں نہیں! ذات باری میں سوچ اور غور و فکر کی ضرورت

کہ بدن ایک سواری ہے مانند گھوڑے کے، روح اس پر سوار ہے صوفیاء نے اولیاءُ اللہ نے عارفین نے سالکین نے یہی کچھ سوچا ہے کہ وہ آدمی کتنا بے وقوف ہے مہمان اس کے گھر گیا گھوڑے پر سوار تھا مہمان اس کے گھر پہنچا گھوڑے کے لیے اس نے اچھی جگہ بنائی اسے دانہ بھی دیا گھاس بھی دی بھوسہ بھی دیا ہر چیز اس کو دی پانی بھی دیا اس کی جگہ کو صاف رکھا اور گھوڑے کو بھی صاف رکھا لیکن گھوڑے پر جو سوار تھا اس کی کوئی پرواہ نہ کی اس کو نہ چارپائی دی نہ روٹی دی نہ پانی دیا اسکو کون عقلمند کہے گا۔

نہیں ورنہ آدمی دور نکل جاتا ہے۔

دنیا میں ہر طرف یہی ہوا دکھائی دیتی ہے کہ مسلمان ذلیل و خوار ہیں اس کی وجہ کیا ہے؟ مسلمانوں میں اسلامی روح نہیں ہے بلندی ہمیشہ حاصل ہوتی ہے روح کے ساتھ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ہ سب دنیا پہ بلند اور غالب رہو گے جب تک پورے مسلمان رہو گے حقیقت ہے روح اسلامی مسلمان سے نکل چکی ہے اور ڈرانے والی اور خوفزدہ کرنے والی اگر کوئی چیز دنیا میں ہے تو وہ روح ہے جس وقت روح نکل جائے خوف اٹھ جاتا ہے مثال کے طور پر آپ دیکھ لیں یہ ہم مشاہدہ کے طور پر دیکھتے ہیں روز مرہ کا مشاہدہ ہے ہم دیکھتے ہیں کوئی انسان دس دن اگر جنگل میں سویا رہے کوئی جانور اس کے قریب نہیں آئے گا وہ سویا ہوا ہے حالانکہ بلند بھی ایک موت ہی ہے لیکن اس جنگل میں پڑا ہے کیڑا نہ کھائے گا کوئی کوا نہ نوچے گا کوئی چیل آکر نہ نوچے گی کوئی درندہ اس کو نہ نوچے گا تو اس کو ڈرانے والی چیز کونسی ہے؟ روح ہے جس وقت روح نکل جائے یقیناً کیڑے پڑ جائیں گے بدبودار ہو جائے گا اور پھول جائے گا پھٹ جائے گا۔ درندے اور پرندے آکر اس کو نوچ نوچ کر اسے کھانے لگیں گے اب پتہ چلتا ہے اصل ڈرانے والی اور خوفزدہ کرنے والی چیز جو ہے وہ روح ہے تو جب مسلمان کی روح نکل چکی ہے اسلامی روح ختم ہو چکی ہے تو پھر اس سے ڈر ہوگا نہ خوف ہوگا۔

گھوڑے اور گدھے کی تو خدمت کر رہا ہے اس کو تو دانہ بھی دے رہا ہے چارہ بھی دے رہا ہے پانی بھی دے رہا اور اس کی سواری جو ہے جو اس پر سوار تھا وہ انسان اصل جو انسان ہے وہ سوار تھا اس کو پوچھتا نہیں کہ چارپائی آپ نے لینی ہے سونا ہے یا روٹی ہے یا پانی ہے یا بستر ہے کون کہے گا اسکو عقلمند انسان کا وجود جو کہ گدھا اور گھوڑا ہے اس کی تو خدمت کرتا ہے اسے تو غذا اچھی دیتا ہے لباس بھی اچھا دیتا ہے۔ چارپائی ہے بستر ہے اور ہر چیز ہے، روح اسکو پوچھتا ہی نہیں جس پر سب حالات گذرنے ہیں۔ موت کے بعد واقعات جس قدر پیش آنے ہیں روح پر آنے ہیں زندگی میں بندہ مکلف ہے بالذات روح بالتباع ہے لیکن موت کے بعد جو معاملات بھی گذرنے ہیں سب روح پر گذرنے ہیں بالذات روح پر ہوں گے اس کے تابع ہو کر بدن تک پہنچیں گے صوفیوں نے خوب سمجھا کہ اس گھوڑے کی خدمت سے اس انسان کی خدمت ضروری ہے جو گھوڑے پر سوار ہے روح کی خدمت کرو ذکر روحانی انہوں نے شروع کرا دیا آسمان اور زمین کی روح یہی ہیں روح جب نکل جاتی ہے تو روزی ختم ہو جاتی ہے آپ گیند کو لیں فٹ بال کو لے لیں اس میں روح ہے ہوا بھری ہوتی ہے آپ زمین میں دے ماریں وہ اوپر جائے گا ہوا اس میں موجود ہے جو اس کو بلندی کی طرف لے جاتا چاہتی ہے۔ ہوا اس سے نکال دیں بلندی کی طرف پھینکیں زمین پر گرے گا روح نکل گئی ہم کیوں گر گئے ذلیل کیوں ہو گئے۔ وہ روح ہم سے نکل چکی ہے

ابو داؤد میں آتا ہے حدیث کی کتاب ہے۔ حضورؐ فرماتے ہیں کہ "یذہ الصالحون الطالبون ویبقی کحفالۃ کحف

فرمایا "میری مصنوعات میں سوچ کرتے ہیں فکر کرتے ہیں غور کرو، یہ سوچ لو ہر چیز میں روح ہوتی ہے جس نوع کی چیز ہو جس قسم کی چیز ہوتی ہے اسی قسم کی اس میں روح ہوتی ہے اس چیز کی زندگی اور اس کی بقا اس کی روح پر ہوتی ہے جب روح نکل جائے وہ چیز ختم ہو جاتی ہے آسمان اور زمین کی روح جو ہے یہ ذکر عین ہے آسمان اور زمین اس وقت تک قائم رہیں گے کھڑے رہیں گے جس وقت تک کوئی ذکر کرنے والے اللہ کو یاد کرنے والے اس دنیا میں موجود ہیں جس وقت یہ لوگ ختم ہو جائیں گے اس وقت نہ زمین رہے گی نہ آسمان رہے گا۔

کفالتہ شہید لا یبادی ھم اللہ بالۃ نیک نیک صالحین چلے جائیں گے دنیا سے یہ چلے جائیں گے مر جائیں گے فوت ہو جائیں گے عالم برزخ میں چلے جائیں گے باقی ایک بھوسی رہ جائے گی اور وہ بھی جو کی جس کو ہم چھان کہتے ہیں چھانی میں چھاننے کے بعد جو کوڑا کرکٹ رہ جاتا ہے وہ رہ جائے گا "لا یبادی ھم اللہ بالۃ" خدا کو ان کی پرواہ نہیں جس وادی میں ہلاک ہوں۔ اب ہم وہی ہیں ہم کیوں ذلیل و خوار ہوئے اس کی وجہ ہے ہم میں روح نہیں، روح نکل چکی ہے غفلت میں ہیں۔ قرآن کریم نے یہ بتایا ہے کہ غفلت جو ہے حقیقتاً کفر کی ابتدا ہے غفلت سے آگے کام چلتا ہے

غفلت کیا ہے؟ ان کا قصور کیا ہے

مخلوق ہے خدا یا آپ کی؟ فرمایا

"ہم نے ان کو دل دیئے سوچنے کے لیے۔ سمجھیں سوچیں میں نے ان کو پیدا کیا ہے بے فائدہ نہیں پیدا کیا کم از کم ان کو میں نے دل دیئے ہیں یہ سوچتے غور کرتے سمجھتے کہ ہم دنیا میں کیوں آئے لیکن انہوں نے دلوں سے سوچا نہیں سمجھا کچھ نہیں حیوانوں کی طرح رہے، اچھا چلو دلوں سے نہیں سوچا تو آنکھیں دیں تھیں دیکھ تو لیتے۔ دنیا میں پھرتے دیکھتے میری مصنوعات کو سمجھتے۔

مجھے یاد آتا ہے امام غزالیؒ لکھتے ہیں مدرسہ نظامیہ بغداد میں بہت بڑا مدرسہ تھا جس کے ہزاروں روپے روز کا خرچ تھا۔ ہزاروں کی تعداد میں طالب علم پڑھتے سینکڑوں کی تعداد میں استاد تھے اس وقت مسلمان انگریزوں کے پیچھے نہیں لگے تھے اب تو سارے اسی طرف لگ گئے ہیں انگریز کی خوب چلتی ہے۔ علم دین ختم ہو گیا ہے۔ صحیح علم بالکل نابود ہو چکا ہے میں دعوے سے کہتا ہوں یہ بوڑھے بوڑھے علماء مر گئے تو آپ کو مسئلہ کوئی نہیں بتائے گا نماز کا مسئلہ ہی کوئی نہیں بتلائے گا ہمارے علاقہ میں چھوٹا سا مسئلہ پیش ہوا سارے مولویوں سے پھر پھرا کے آخر میرے پاس مسئلہ لائے میں نے کہا یہ بات ہی کوئی نہیں ہے لڑکی اور لڑکا نابالغ بچے ہیں ان کا نکاح ہو گیا لڑکی والے کہیں نئے علاقے میں چلے گئے اس کے بعد دوسری ملاقات نہیں ہوئی میل جول نہیں ہوا لڑکا فوت ہو گیا بلوغت کے بعد لڑکی کا فوری نکاح کر دیا انہوں نے جس وقت ان کو معلوم ہوا کہ وہ فوت ہو گیا اس سے دوسرے دن اس کا نکاح کر دیا آیا یہ نکاح ہوا کہ نہیں؟ انہوں نے سمجھا کہ خلوت لمبی پڑ گئی ہے پھر پھرا کے چھوٹا سا مسئلہ ہے عصر کی نماز کے بعد میرے پاس آئے کہ یہ معاملہ ہے میں نے کہا میاں اس پر عدت ہے نکاح جو تم نے کیا ہے غلط کیا ہے؟ وہ دوسری عدت جو ہوتی ہے وہ دو چار ہفتے وہ تو برائت رحم کے لیے ہے یہ تو سوگ کے لیے ہے کہ خاوند مر گیا غم کے لیے عدت گزرنے کی ہے یہ آپ نے کیا کیا ہے؟ فوری اسکو دور کرو عدت گزرنے کے بعد اس کا نکاح کرو۔ تو میں نے کہا یہ بوڑھے جس وقت مر گئے تو اس وقت کوئی آپ کو حلال حرام کا بتانے والا نہ ہو گا؟ چھوٹی چھوٹی چیزیں ہیں لڑکی کے ساتھ نکاح ہوا نکاح کے بعد اس کی والدہ کو اغوا کر کے لے گئے داماد اس کا اس کو لے کر چلا گیا اس بات پر کیا ہوا کہ لڑکی کو یہ طلاق دے دیں اور اس عورت کا خاوند جو اس کی ساس ہے اس کو طلاق دیتا ہے تاکہ اس کے ساتھ نکاح کر لے۔ ساس کے ساتھ آیا جائز ہے کہ ناجائز کسی نے بتایا ہاں ٹھیک ہے جب نکاح ٹوٹ گیا، تو نکاح کا یہ مسئلہ کہ میرے پاس آئے میں نے کہا جس وقت لڑکی کے ساتھ نکاح ہو گیا اس وقت وہ عورت اس کی ماں بن گئی فقہ کا مشہور مسئلہ ہے نکاح البنات یحرم الامہات لڑکی کا نکاح ماں کو حرام سمجھتا ہے وطی الامہات یحرم البنات ماں کے ساتھ جب تک وطی نہ ہو گی لڑکی حرام نہ ہو گی

تو مسئلہ بیان کرنا چاہتا تھا کہ حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں مدرسہ نظامیہ میں ہزاروں طالب علم ہوتے تھے بادشاہ وقت ایک دن بوسیدہ کپڑے پہن کر بری حالت بنا کر پھٹے پرانے کپڑے پہن کر آ گیا طالب علم ٹولیوں میں بیٹھے ہوئے تھے کوئی یہاں بیٹھا تھا کوئی وہاں ایک کے پاس جا کر بیٹھ کے کہنے لگا کیا بات ہے کوئی کاروبار کرو ملازمت کرو اس تعلیم سے کیا غرض ہے؟ کوئی کہتا ہے کہ میرا ابا جج ہے چاہتا ہوں کہ کل اس کی ڈیوٹی میں سنبھال لوں کسی نے کہا میرا باپ مجسٹریٹ ہے کسی نے کہا میرا باپ قاضی ہے کسی نے کہا میرا والد چیف جسٹس ہے کسی نے کچھ کسی نے کچھ سوچنے لگا یہ تو سب کتے پال رہے ہیں کسی نے یہ نہیں کہا کہ مجھے اللہ کی رضا چاہیے امام غزالی فرماتے ہیں میرے پاس آیا آپ کی

یہ حالت ہے یہ کپڑے یہ آپ اس سے کیا حاصل؟ کیا بنا رکھا ہے؟ چھوڑ دو کوئی کاروبار کرو کھیتی باڑی کرو میں نے کتاب ٹھپ دی میں اس کی طرف متوجہ ہوا میں نے کہا یہ زمین اور آسمان جس نے پیدا کئے ہیں یہ سورج اور چاند ستارے جس نے پیدا کئے ہوا پیدا کی آپ کو مجھے پیدا کیا۔ میں چاہتا ہوں اس کی رضا کو تلاش کروں جس نے ہم پر یہ احسان کیا ہے کہ ہم نہیں تھے تو ہمیں بنایا ہمارا وجود نہیں تھا ہم نابود تھے اور نیست و نابود تھے اور ہست کی طرف ہم کو وجود بخشا صحت بخشی آنکھیں بخشیں کان بخشے ہر چیز عطا کی وہ ہم بھول گئے اس کے انعام کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے اس کی رضا کو تلاش کرنا چاہیئے وہ کس بات پر راضی ہے اور کس بات پر ناراض ہے میں اس کی رضا کو تلاش کرتا ہوں کہ وہ کس امر پر راضی ہے کس بات پر ناراض ہوتا ہے مجھے یہ ضرورت نہیں کہ دنیا ہو یا نہ ہو میں غریب ہوں یا امیر ہوں میں اس کی رضا کا متلاشی ہوں اور اس کی رضا کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ سے ملے گی وہ عربی پڑھنے کے بغیر نہیں ہوتی اس لیے میں عربی پڑھ رہا ہوں کہنے لگا شاباش میں اس مدرسے کو ختم کرنے کے لیے تیار تھا آپ کے لیے ایک آدمی کے لیے میں یہ مدرسہ قائم رکھونگا۔

زمین آسمان کی روح ذکر اللہ ہے اور قرآن کریم نے کیا کہا لَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا ان کو آنکھیں بھی ہم نے دی ہیں دیکھنے کی جنہوں نے حق کو نہیں دیکھا دلوں سے نہیں سوچا عقل سے نہیں سوچا آنکھوں سے بھی حق کو نہیں دیکھا اور ظالم سن تو لو کسی کی وَلَهُمْ آذان لا يسمعون بها ہم نے انکو کان دیے یہ تو کسی کی سنتے بھی نہ تھے وقالوا لو كنا نسمع او نعقل ما كنا في اصحب السعير ہم اگر سوچتے سوچنے کا مطلب ہے کہ خود علم کو سمجھے سوچے علم حاصل کرے۔ او نسمع اگر یہ نہیں تو کسی کی سن تو لے انہوں نے سنا بھی نہیں نہ کسی کے پاس گئے اچھا بتائیے! کسی موچی کے پاس آدمی نہ جائے تو جوتی مرمت سیکھ سکتے ہیں درزی کے پاس نہ جائے تو درزی بن سکتا ہے کسی مولوی کے پاس نہ جائے پڑھے نہیں تو وہ عالم بن سکتا ہے، جنتی کو دیکھ کر جنتی بن سکتا ہے۔ میاں جب دینداروں کے پاس نہ جائے تو دین کس طرح حاصل ہو سکتا ہے دین تو نہیں حاصل ہوگا دین تو دینداروں کے پاس ملتا ہے۔ اگر دین ہی ملے گا تو انہوں نے سنی ہی نہیں باتیں فرمایا اولٰئک کالانعام۔

یہ چارپائے ہیں انسان نہیں جن کو ہم نے عقل بھی دی کان بھی دیئے آنکھیں بھی دیں اور انہوں نے کچھ نہیں سوچا اس کو باطل کیا اور فرمایا بَلْ هُمْ أَضَلُّ بلکہ چوپائیوں سے بھی برے ہیں۔ چوپایا ملک کے گھر کو سمجھتا ہے اس کو کہیں چھوڑو وہ سیدھا مالک کے در پر آئے گا سبزی اور خشکی کو دیکھتے ہیں لیکن اولٰئک هُمُ الغافلون

غفلت : ابتدا کی چیز ہے ابتدا سوچنے کی چیز ہے انسان کو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات پیدا کیا ہے اس کو ملائکہ سے بھی تشبیہ ہے حیوانوں سے بھی تشبیہ ہے ملائکہ میں عقل ہے نفس کوئی نہیں، کھاتے کوئی نہیں، پیتے کوئی نہیں، بیوی کوئی نہیں بچے کوئی نہیں، نیند نہیں آتی سوتے نہیں ہر ایک کا اپنا مقام ہے جس مقام پہ اللہ نے رکوع میں رکھا ہے رکوع میں ہیں قیام میں رکھا ہے قیام میں ہیں۔ سجدے میں رکھا ہے سجدے میں ہیں جس ذکر پہ لگا کے وہاں جو ڈیوٹی لگائی اسکو لا يعصون الله۔ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے حیوانوں میں نفس ہے عقل نہیں جس قدر حیوان ہیں ان میں کوئی عقل نہیں روح ہے۔ عقل اگر ہوتا حیوان مکلف ہوتے جس میں عقل ہے وہ مکلف ہے فرشتہ مکلف ہے۔ جن مکلف ہے، شیطان مکلف ہے انسان مکلف ہے شیطانوں سے نیکی کی توقع نہیں، فرشتوں سے بدی کی توقع نہیں جن اور انسان یہ مکلف ہیں دونوں کام کر سکتے ہیں۔ حیوانوں میں نفس ہے عقل نہیں حیوان کھاتا پیتا ہے۔ بیوی بچے ہیں مکان ہوتا ہے انسان میں تمام قوا ور رکھے ہیں عقل ہے فرشتوں کے ساتھ تشبیہ نفس ہے حیوانوں کے ساتھ تشبیہ ہے اگر عقل سے آپ نے کام لیا سوچا سمجھا عقل سے سوچا غور کیا میں دنیا میں کیوں آیا؟ آنے کا مقصد کیا ہے۔

"تم نے یہ گمان کر رکھا ہے ہم نے تم کو بے فائدہ پیدا کیا؟ باز پرس نہ ہوگی؟ ہمارے پاس نہ آؤ گے! میں ہر ہر بات کا قدم قدم کا سانس کا حساب لوں گا محاسبہ لوں گا۔" تو فرمایا ان کو عقل دیا انسانوں کو، اگر انہوں نے عقل کو استعمال کیا سمجھا تو اس طریقہ کا حساب تو فرشتوں کے ساتھ ان کی تشبیہ یہ مشابہ فرشتے تھے پھر انسان فرشتہ ہے اگر اس پر نفس غالب آجائے کھانا پینا غالب" کہتے ہیں کھاؤ پیو۔ ایہہ جہان مٹھا اگلا جہان کس نے ڈٹھا ایہہ کفر دے لفظ نے۔

اسلامی تصوّف و سلوک محض شجرہ خوانی، ٹوپی اوڑھنے، خرقہ پہننے، لمبی تسبیح ہاتھ میں رکھنے، عرس منانے، قوالی سننے، وجد و تواجد اور ناچنے کودنے سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس کے حصول کے لئے دوسری شرطیں ہیں جن میں سرفہرست اتباع شریعت ہے جس کا بنیادی تقاضا یہ ہے۔ توحید کا عقیدہ دل میں راسخ ہو۔ اور اتباع سنت نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس کامل درجہ کا ہو کہ اس میں بدعت کا مطلق دخل نہ ہو شرک و بدعت کی ہوا بھی مانع فیض ہے۔

اگر حیوانوں کے ساتھ کھانا پینا بیوی بچے یہی کام ہے تو بتائیے گدھے اور اس میں کیا فرق رہ گیا؟

یہ چوپائیوں سے برے ہیں جس نے عقل سے کام نہیں لیا آنکھوں سے کام نہیں لیا کانوں سے حق نہیں سنا فرمایا یہ چوپائیوں سے برے ہیں فرمایا بلکہ اس سے بھی گزر گئے یہ چوپائیوں سے بری کونسی چیز ہے اچھی کونسی ہے کتا اور سور برا ہے اس سے تو یہ پتہ چلا کہ جس نے یہی مشغلہ رکھا ہے دنیا میں آئے کھاؤ پیو لباس پہنو جو برائی جہاں کی شراب پیو کلب گھروں میں جاؤ بیٹھو سگریٹ پیو اور جو برائی کی جڑ ہے۔ بتائیے چوپائیوں سے برا ہوا۔ قرآن کریم کی آیت کے مطابق کہ نہیں ہر آدمی سوچے اپنے متعلق ذکر الٰہی تمام کائنات کا حل ہے لکھتے ہیں بعض کتابوں والے گدھا ذکر نہیں کرتا سور نہیں کرتا سفید لباس ذکر کرتا ہے جب تک میلا نہ ہو جائے اس کے بعد جب میلا ہو جائے اس پر موت وارد ہو جاتی ہے میلا لباس ہو جائے یقیناً بو پیدا ہو جائے گی پسینہ آتے سے اور وہ اس وقت پیدا ہوتی ہے جب موت وارد ہوتی ہے پانی تسبیح کہتا ہے بعض بعض لوگوں نے لکھا کھڑا پانی تسبیح نہیں کرتا جاری پانی چلتا ہے تسبیح کرتا ہے اللہ کا ذکر کرتا ہے ذکر جاری ہے کیوں اسی لیے پانی کھڑا ہو تو آخر بدبودار ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ جانتا ہے تو پتہ ایسے چلتا ہے کہ ساری کائنات نماز پڑھتی ہے لیکن نماز اس کی اس کے شان کے مطابق ہے اس کی نوعیت کے مطابق ہے وہ ساری نماز اسکو جمع کر کے انسانوں کو دے دی حضور اکرم ﷺ نے دیکھا فرشتوں کو کوئی رکوع میں کھڑا تھا کوئی قیام میں کوئی تشہد میں بیٹھا تھا کوئی سجدے میں پڑا تھا اسی طریقے سے درخت کھڑے ہیں قیام میں ہیں حیوان رکوع میں سانپ سجدے میں ہیں بہت سارے جانور ہیں جو سجدے میں چلتے ہیں بعض رکوع کی حالت میں تمام کائنات کی نماز کو اکٹھا کر کے مومن کو دے دی اور مسلمانوں کو دے دی یہ ساری کی ساری چیزیں اللہ کی تسبیح کرتی ہیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ پہاڑ ایک دوسرے سے صبح پوچھتا ہے کہ کیا آپ کے پاس سے کوئی ایسا آدمی گزرا ہے جس نے اللہ کی تسبیح کی اللہ کو یاد کیا ہے؟ ہاں ملا ہے تو وہ کہتا ہے آپ کو مبارک ہو۔ پہاڑی احد حدیث بخاری میں موجود ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں ھذا جبل اُحد یُحِبُّنَا وَ نُحِبُّہٗ یہ ہم کو محبوب سمجھتا ہے ہم اس کو محبوب سمجھتے ہیں درخت اسی طریقے سے ذکر الٰہی کرتے ہیں کتابوں والے لکھتے ہیں جو درخت اگر وہ رات کو تسبیح نہیں کہتا وہ یقیناً صبح کاٹا جائے گا موت آ جائے گی لیکن یہ تو عام مفسرین متکلمین محدثین وغیرہ سب قائل ہیں جو اپنی روحانی حالت میں ہے خشک لکڑی بھی تسبیح کہتی ہے پتھر بھی باتیں کرتے ہیں پانی بھی باتیں کرتا ہے تسبیح بھی کہتے ہیں سنی بھی جاتیں ہیں اور پتھر یا خشک لکڑیاں ہیں زمین ہے۔ زمین، قرآنِ کریم میں آتا ہے کہ میدان حشر میں جا کر کے یہ کہے گی کہ فلاں نے فلاں جرم کیا فلاں نے فلاں۔ مجھ پر فلاں نے نماز پڑھی ہے نیکی کی ہے اس قسم کا کام کیا ہے اللہ نے اس کی طرف وحی کی وہ کیا جنی وقت وہ میدان میں شہادت دے گی اسے علم تو ہے کہ مجھ پر نماز آدمی پڑھ رہا ہے یہ مجھ پر بیٹھ کر ذکر اللہ کا کر رہا ہے تو اس لیے تمام کائنات جس قدر بھی ہے یہ ساری کی ساری اللہ کی تسبیح میں مصروف ہے یہ نوعیت دوسری ہے اور نماز بھی اس کی یہی ہے ذکر بھی یہی ہے اسی طریقے سے وہ کرتی ہے تو بہر حال میرا مقصد جو بیان کرنا تھا کہ عقل والے جو لوگ ہیں یَذکُرُونَ اللہَ قِیَامًا وَّقُعُودًا وَّ علیٰ

جُنوبھمُ تین حالتیں بیان کیں یا کھڑا ہے یا بیٹھا ہے یا لیٹا ہے چوتھی حالت کوئی نہیں تین حالتیں ہیں چار حالتیں قرآن نے تینوں بیان کی ہیں عقل والے وہ لوگ ہیں تو بتایا اللہ کو جو یاد کرتے ہیں اصل عقل والے وہ ہیں اور جو اللہ کو یاد نہیں کرتے وہ عقل والے نہیں۔ قیاماً۔ کھڑا ہو کر مفسرین نے اسے تین مطلب بیان کئے ہیں نماز کی کھڑا ہونے کی طاقت ہے تو کھڑا ہو کر نماز پڑھے اور اگر کھڑا ہو کر نہیں پڑھ سکتا تو بیٹھ کر پڑھے بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتا تو لیٹ کر پڑھے نماز چھوڑے نہیں یہ یاد رکھو لو! سب سے زیادہ مشکل مسئلہ سب سے زیادہ تنگی کا وقت جس وقت عورت کا بچہ پیدا ہو رہا ہے سب سے زیادہ نازک درد کا وقت ہوتا ہے شریعت نے اسکو اجازت نہیں دی کہ بچہ پیدا ہونے تک خون نفاس کا شروع نہیں ہوا نماز نہیں چھوڑ سکتی بچے کا سر ماں کے پیٹ سے باہر آگیا ہے نماز کا وقت ضائع ہوتا ہے تیمم کر کے وہ اشارے سے نماز پڑھے نماز نہیں چھوڑ سکتی اس وقت بھی چونکہ خون نفاس کا شروع نہیں ہوا خون نفاس کا شروع ہو جائے تو معاف ہے اس سے بڑھ کر بتلائیے ہم کھاپی اچھی طرح لیتے ہیں سوتے ہیں چلتے ہیں پھرتے ہیں نماز کیوں نہیں پڑھتے

یاد رکھو لو نماز سب سے پہلے معاملات سے قبل پیش ہوگی بارگاہ الٰہی میں میدان حشر میں قاتل کی بو دیوں سے پکڑ کر مقتول کہے گا میرے ربا میری زندگی اسی نے ختم کی عبادات میں سے سب سے پہلے نماز پیش ہوگی نظر تو کیجئے؟ میرے بندے کی نماز پوری ہے فرائض پورے ہیں یا نہیں پورے سنتیں اور نفل کیوں رکھے گئے ہیں۔ فرائض میں جو کمی پیدا ہو جائے گی وہ سنت اور نفل سے پوری کی جائے گی چار سو رکعت نفل یا سنت کی ملا کر چار فرض نہیں گے اس کی کمی کو پورا کیا جائے گا اگر کمی پوری ہوگئی تو فبھا نہ ہوئی تو ایک رکعت کے بدلے ستر ہزار سال جہنم ملے گی مذاق تو نہیں میاں کافر کے دل میں تکذیب ہوتی ہے وہ نہیں مانتا اس کی زبان پر بھی تکذیب ہی ہوگی۔ منافق کے دل میں تکذیب ہوتی ہے زبان پر تصدیق ہوگی وہ کہتا ٹھیک ہے ہم رسول اللہ ﷺ کو رسولؐ مانتے ہیں خدا کو خدا مانتے ہیں نماز ٹھیک ہے بس ختم اور

دل میں تکذیب ہے فاسق جو ہے اس کے دل میں تکذیب ہم نہیں کہتے ہوتی ہے لیکن تصدیق کامل نہیں اس کے دل میں یقین پورا نہیں زبان پر تصدیق ہے دل میں تکذیب نہیں لیکن تصدیق بھی کامل نہیں اگر اس کو یقین ہو میں کہتا ہوں

اگر آپ کو آ کے کوئی بتائے کہ آپ کے مکان میں سانپ داخل ہو گیا آپ داخل نہ ہوں گے ڈریں گے پتہ کریں گے کہاں ہے؟ رات کو کبھی داخل نہ ہونگے اور رسول اکرمؐ اور قرآن کہے کہ جہنم ہے آگے اس بات کی یہ سزا ملے گی اس کی یہ سزا ملے گی اس پر تصدیق کامل ہو تو یقین کریں گے تصدیق کامل نہیں لیکن تکذیب بھی کوئی نہیں ہے ایک رکعت کے بدلے ستر ہزار سال جہنم ملیں گے اس بات کو سوچ لو فرائض جو ہیں یہ راس المال ہے کسی تاجر نے بیس ہزار روپیہ چھوڑا ہے تجارت شروع کی ہے سال کے بعد جب اس نے دیکھا ہے حساب کیا ہے وہ بیس ہی ہزار اس کی ساری محنت رائیگاں گئی رقم تو بچ گئی بیس ہزار پاس رہا لیکن محنت ساری مشقت ضائع منافع کوئی نہیں فرائض اصل بات ہے منافع نوافل میں ہے نفل کثرت سے پڑھیں اگر منافع حاصل کرنا ہے بیس ہزار کے ساتھ اگر چالیس مل گئے تو ساٹھ ہزار نوافل میں ترقی درجات ہے، نجات کا مدار عقائد صحیح پر ہے لیکن ترقی درجات جو ہے وہ اعمال پر ہے نجات ہو جائیگی باجرے کی روٹی مل جائے گی چنا کی روٹی مل جائے مکئی کی روٹی مل جائے! تو کیا ہوگا یہ نجات ہے ہوائی جہاز پر کاروں پر سوار ہو اور چائے اور بسکٹ ہو کیک اور خوراک ہو زردہ اور حلوہ ہو! میاں سوچ لو ہر مسلمان کا فرض ہے نماز پوری پابندی سے پڑھے ذکر بھی کیا کریں! اللہ اللہ کیا کریں وہ زمین آسمان کی روح ہے ہم لوگ ان لوگوں کو برا سمجھتے ہیں جو نیک ہیں ہمارے وجود کے قیام کیلئے آسمان اور زمین کے وجود کے قیام کیلئے نیکوں کا وجود ضروری ہے وہ دنیا سے چلے گئے تو پھر ہماری خدا کو بھی پرواہ نہیں ہم سے وہ روح نکل چکی ہے وہ ڈرانے والی چیز چلی گئی ہے آئیے خدا سے ڈریں نماز کی پوری پوری پابندی کریں حلال حرام کی تمیز کریں جھوٹ سے بچیں مکر و فریب سے بچیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

خواتن ، سے

ب

ے نہیں ہوئے تے سنتاں تے
ے ہاں ۱۰۰ رکعت نفلاں دی
۴۰۰ رکعت ملاکے ۱۲ بہشتی دے
3۰ ملاکے مغرب دی ۱۰۰ ملاکے
۔اینہاں نال کمی پوری ہوگئی تو
۰۷ ہزار سال جہنم دی سزا دیتی
تے جنہاں نے وضو کبھی نئیں کیتا
ل دی نجات دا کسی سبب ہزل
ڑی اینوں فانی سمجھنا۔ ایہہ منگی
ل ایہہ زندگی جیہڑی آ۔ اے امانت
ختیار کوئی نہ اپنے اختیار ہوندا تے
ہوندا۔ اس واسطے نہ ساڈے
انہ غریب نے امیر ہونا نہ سوہنا
ہونا ساڈے اختیار وچ کوئی نئیں
ختیار وچ کوئی نئیں۔ دعا منگیا کرو
اوے نماز دی پابندی کرنا لا الٰہ الا اللہ
شش کرنا۔ لا الٰہ الا اللہ۔ لا الٰہ الا اللہ
ود ہے جیہڑا دسیا نمازاں وچ پڑھی دا
یاں جدول لیٹے نہ لا الٰہ الا اللہ (۱۰) دہ واری
لا اللہ محمد الرسول اللہ ملا دیتا ایہہ بہت

نماز فرض اے فرض پورے ہوگئے بے نجات ضروری ہے نجات ہووسی یقیناً نجات ہووسی۔

Phone : 5:6734
Res: 448914

AL-BARKAAT ESTATES

Property Consultants/Advisors
Rent Purchase & Sales

Capt. (Retd.) Khurshid Ahmed

6, 13-C, 12th Commercial Street Opp. Highway Motors
Phase 2, Defence Housing Authority Karachi.

ٹیلیفون ۵۴۶۷۳۴
گھر: ۴۴۸۹۱۶

البرکات اسٹیٹس

مشیرانِ جائداد

مکان، بنگلہ، کوٹھی کرایہ پر حاصل کرنے، خریدنے یا فروخت
کرنے نیز قطعات اراضی کے لیے ہم سے مشورہ کریں۔

کیپٹن (ریٹائرڈ)
خورشید احمد

۶، ۱۳ سی، ۱۲ کمرشل سٹریٹ بالمقابل ہائی موٹرز،
فیز ۲۔ ڈیفنس ھاؤسنگ اتھارٹی کراچی،

became Taba Tabaien. This period (of meeting and drawing spiritual benefit extends over 325 years) is termed by the Holy Prophet (peace be upon him) as Khair al Quroon (the best of all times). Thereafter many a great personage was born in this ummah and indeed Allah blessed every period and all lands with His illustrious aulia. Yet in no period of history do we find a personage who would enkindle the hearts of all those who visited him. The pattern extending over 1400 years is that out of thousands of visitors, a few lucky ones would get initiated while the rest only received routine instructions and a conventional bait.

But as we look towards this ocean, this holder of the lofty Divine Office of Qurb-e-Abudiat, i.e. our reversed Shaikh, Hazhrat Maulana Allah Yar Khan, Rahmat Ullah Alaih, we find that everyone who came to him got initiated onto the Sublime Sufi Path, his lataif shining instantly in the first meeting. Everone would of course, get according to one's capacity, yet the count of those blessed with intrinsic obsenvtions and an access to the Holy Prophet's spiritual audience runs into thousands. Allah be praised!

These were the few words of introduction for the brotherhood to enable everyone to know the greatness of their Shaikh.

* * * * *

نیا خریدار / سالانہ چندہ / تبدیلیٔ پتہ

خریداری نمبر ______

نام ______

موجودہ پتہ ______

______

پرانا پتہ ______

______

منی آرڈر یا ڈرافٹ "ماھنامہ" المرشد" کے نام اِس پتہ پر بھیجیں۔

دفتر ماہنامہ" المرشد - الوھاب مارکیٹ۔ غزنی سٹریٹ، ۳۸ اُردو بازار لاہور۔

Elahi (His Nearness), Wisal-e-Elahi (His Union), Qurb-e-Rahmat (nearness of His Mercy), Bahr-e-Rahmat (ocean of His Mercy), Khazana-e-Rehmat (treasure of His Mercy) and Mamba-e-Rehmat (fountain of His Mercy). The real dimensions of these spheres are only known to Him. Hadhrat RA used to say that there ends about a quarter of the Path. You may like to marvel at the courage of those who claim having traversed the entire Salook (Path).

Beyond this are the Hijabat-e-Aloohiyat (Divine Veils), which defy any count or description. On 9th November 1966, Hadhrat RA had confided that he was in the Third Hijab. And it is not possible to determine stages in the Hijabat. The only point worthy of consideration is that Hadhrat RA passed away on 18th February 1984 and thus lived for 17 years 4 months and 9 days after the above statements. Allah alone knows how much he covered during those seventeen and a half years.

Now a word about Manasib (the Divine Offices) i.e. Qutb, Ghauth etc. Remember that there is only one Ghauth at a time in the entire world, who may sometimes be promoted Qayyum and onwards to Fard/Qutb-e-Wahdat. A Qutb-e-Wahdat may be promoted Siddiq. Please do not drag these words in the narrow grooves of dictionary. These are the Divince Offices bestowed on His friends, indicating their precedence. I would clarify once again that a prophet holds his office and stages in the path in his capacity as a prophet, a companion as a companion while a wali attains these as a servant. The common terminology should not be allowed to cause any confusion.

There is only one Divine Office between Siddiquait and the prophethood, known as Qurb-e-Abudiat (nearness of a slave), which was held by Hadhrat RA (may Allah shower billion of His blessings on him), at the time of his passing away. Allah be praised for His bounties on this noble soul.

Whatever has been said so fa pertains to the realm of subtl understanding which only a very selec group of people blessed with intrinsi observations can know at their own o you may appreciate it if you repose you trust in the narrator. However, I woul present a point, which may b understood by all those who would lik to understand it through intellect. I was the effect of the grace of the Hol Prophet's company that anyone wh took Shahadah and met him attaine companionship may be a male or female, a child or an elder a scholar o an unlettered, a city dweller or a bedui a white or a black. Notwithstanding th warrant of precedence amongst th Companions, the achievement of th distinction is beyond any dout Likewise, any one who found th company of the Companions, became Tabai and those who met the Tabai

(domain of the saints) starts the Wilayah-e-Anbia (domain of the prophets) which is bestowed on the prophets right from their birth. The follower of a prophet may have access to it merely because of his prophet, just like the servants going to and from in a royal places. After crossing the sixth Sphere, the seventh is Muqam-e-Radha (the place of His pleasure), at the end of which is the first deputy of the great Shaikh Abdul Qadir Jilani (may Allah bless them). From here onwards, the fifth Sphere is of Haqiqat-e-Risalat (the Reality of Prophethood). In its beginning Hadhrat Nazir Ali Shah (buried somewhere in Kashmir) expired and towards the end of this Sphere Shaikh Abdul Qadir Jilani passed away. May Allah shower billions of blessings on these pious souls. Amin! There must be many such personalities. The Prophet's ummah is following this sublime path, treaded by the Holy Prophet himself, for the past fourteen centuries. I have just dared to mention a few names.

Then onwards is the Sphere of Muqam-e-Afrad, occupied by most of the Companions (may Allah be pleased with them all). I must reiterate the sensitivity of this very delicate subject. When Hadhrat Mujaddid Alif Thani (may Allah bless him) had broached on it, he was blamed for considering himself superior to Hadhrat Abu Bakr Siddiq (may Allah be pleased with him). It is of utmost importance to understand the delicate and important difference. When a prophet crosses these places he does so as a prophet and so does a companion. However, when a wali treads this path, he does so as a mere servant. Otherwise, passing through these stages is far above the achievements of Wilayah. As far as the edicts are concerned, it is in the nature of the exoterics to issue them forth. Allah knows the real intentions. It is possible that they may be doing so out of sincerity without comprehending the real point and as such they are excusable. May Allah keep us on the track of the righteous. Amin!

Here onwards is the Sphere of Qutab-e-Wahdat. It will be proper to quote Hadhrat RA, who once said : "It is a very vast Sphere. It took me year and a half to cross it". If we imagine the power and the speed of the noble spirit of Hadhrat RA it will be easy to drive to the conclusion that the vastness of the Sphere defies all computations.

Then is the Daira-e-siddiquiat (Sphere of the Siddiq), followed by Qurb-e-Nubawah (nearness of the Prophets), Qurb-e-Risalat (nearness of the Messengers), Qurb-e-Ulul Azmi (nearness of the Exalted among the Messengers), Qurb-e-Mhummadi (nearness of Prophet Mhummad - peace be upon him), Wisal-e-Mhummadi (union with Prophet Mhummad - peace be upon him). Radha-e-Elahi (His Pleasure), Qurb-e-

AL MURSHAD

thousand stages. Each stage seems as far from the other as the farthest twinkling star from the earth. I leave it to your imagination to reflect on the whole internal expanse of the first Arsh. Human imagination flaters at each step. And there are nine Arsh.

The distance between the first and the second Arsh is greater than the vast expanse of the first. The expanse of second Arsh is greater than the first Arsh and this distance put together. It goes on like this successively until the last and the ninth Arsh. The farthest limit of the ninth Arsh is the beginning of Alam-e-Amar (the Realm of Command) also known as Alam-e-Hairat (the Realm of Wonder). From here the dwaer (spheres) start which are of such unimaginable vastness that the whole universe can be lost and in fact has been lost therein. For most of the seekers, Fana-o-Baqa has been the last station of the Path. Some lucky ones could get to Salik-e-Majzoobi while some others were lost in the vast expanse of the Arsh. This includes a few greats Sufis of this (Indo-Pakistan) sub-continent. I purposely refrain from naming them lest the uninitiated clamour that I consider myself superior to them which is not the case. I am a mere particle of the dust of their noble feet. They have achieved their bliss whereas I am still lost in the whirlpool of this turbulent world. May Allah afford us the opportunity to reach them safely. Amin!

The dwaer (Spheres) are thirty six. Their vast expanse is beyond imagination. The first one is the Sphere of Muqam-e-Taqarrab (the station of nearness). Its expanse can be reflected from the simile that all the nine Arsh, this universe etc are like a small ring in a vast desert. It was in this Sphere that Hadhrat Ali Hajwairi and Hadhrat Mujaddid Alif Thani (may Allah bless them) had died. Certain other Spheres have been described by the latter, but that was a matter of his splendid spiritual observation. The fourth Sphere is Muqam-e-Tasleem (station of complete submission), which is the climax of Wilayah-e-Aulia. In this Sphere we find a great person who lies buried in Bhera. A Ghauth of his times, he was tyrannically martyred. He lies beneath a number of hutments. I had a chance of spiritual conversation with him during my visit to Bhera for some personal matter. He complained of the dwellers of those hutments that their women indulged in fornication. I requested that if the exact place of his burial is indicated, it may be possible to get the premises vacated. He said "I do not allow every one blessed with Kashf even to see my place lest it is indicated somehow and all the sinners of the world flock around, just like the sanctuaries of other known saints. I prefer the lesser evil".

Pardon me for this little digression. Coming back to the subject, from the climax of Wilayah-e-Aulia

Perfect Sufi Master

《Maulana Mohammad Akram》

Before coming to the subject, it would be appropriate to introduce Hadhrat RA as an accomplished Shaikh and a perfect Sufi Master. Let it be known at the very outset that justice cannot be done to his introduction without dilating in very broad outline, on the Stages of the Sublime Sufi Path, the very field of his perfection.

Stages of the Path

Take note that Fana-o-Baqa (passing away from self into the consciousness of survival in Allah) is the very prelude or the ABC of this Sublime Path. Anyone who has attained this will be in a position to tread on it. Then is the first stage of Salik-e-Majoozbi, which again has seven substages and having 125 thousand Divine Light certains, to be passed through by a seeker. Thereafter is the River of Mercy and across this commence the stages of the first Arsh (empyrean). The first Arsh again has about 125 thousand stages and I must say that it is not a sure count. The estimate is based on the statement of Hadhrat RA that he had counted 16000 stages of the first Arsh covered by him in one year and it had taken him another three years to cover the entire first Arsh. It must be remembered that the Ruh (spirit) acquires greater strength as well as speed as it covers more and more distance. Thus there can be no mathematical formulae in computation of this subject. You may like to trust the humble writer who had sat in the feet of Hadhrat RA and computed it, keeping various considerations, and could arrive at this figures of approximately 125

Now under the spiritual leadership of Hazrat Maulana Mohammad Akram, the living Shaikh of the brotherhood, over seas mission has been expanded to a large mumber of countries, like *United States* of America, *Canada, U.K.* a number of *European* countries, a mumber of *Arab* Countries, *Bangla Daish, Thailand* and a few *Afirican* countries.

Every year, the Shaikh along with a number of other competent evangelists, tour over seas, meet seekers, educate them in salook and provide them spiritual guidance and help them to organize their local group ZIKR circles. In a number of over seas citities, regular centres have been acquired, Majazeen have been appointed.

Calls are being received from new seekers from for away places. This mission of the *Hazrat ji* is marching on. Allah is with us, we have the blessings of the Holy Prophet (peace be upon him). This silent revolution started by *Hazrat ji* will take over the whole world. Insha Allah.

* * * * * *

تَوَجّہ فَرمائیے

★ حضرت جیؒ نمبر کی تیاری اور ترسیل پر کئی گُنا زیادہ خرچ آگیا ہے۔ سالانہ خریدار اور تاحیات ممبر کو اُسی قیمت میں دیا جارہا ہے۔
جو ساتھی اس زیادہ خرچ میں بخوشی حصّہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ منی آرڈر یا ڈرافٹ کے ذریعے "المرشد" کے نام بھیجیں۔

★ جن حضرات کا سالانہ چندہ اب تک نہیں پہنچا اُنکو اسی ماہ سے "المرشد" کی ترسیل بند کردی گئی ہے۔

★ "المرشد" ہر ماہ کی ۵ تاریخ کو روانہ کیا جاتا ہے۔

★ اگلا شمارہ اپریل کا ہوگا۔

ایڈیٹر
ماہنامہ "المرشد" الوہاب مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، ۳۸ اُردو بازار۔ لاہور

3. SUPREME COUNCIL: A policy making body of the organization, consists of the following 6 members:
   - (i) *Col. Matloob Hussain (Chief Executive)*
   - (ii) *Prof. Hafiz Abdur Razaq*
   - (iii) *Amanulah Luk*
   - (iv) *Haji Altaf Hussain*
   - (v) *Ali Ahmed.*
   - (vi) *Col. Bashir Qureshi*

4 General Council:

This body cousists of:

- (i) *The members of the supreme council;*
- (ii) *Members of the Advisory council;*
- (iii) *Majazeen (Spiritual Deputies)*
- (iv) *District Heads*

ADVISORY COUNCIL:

There are 10 members, each for 3 year tenure, with specialized qualification in certain field.

MAJZEEN (*Spiritual Deputies*):

This is purly a spiritual position. The Shaikh can appoint a person whome he consider to be able to educate, train and lead a seeker. The Majaz is not authorized to take Baiat.

DISTRICT HEADS (*Zila-e-Umara*)

This is an administerative position. Appointments are made by the Chief Executive:

IDARA NAQSHBANDIAH AWAISIAH

(Registered under No: RP/173/01-1984 - 85)

This organization was established to run the Publishing House, A-Murshad Magazine, and to maintain and preserve the personal library of *Hazrat ji*

THE SIQARAH ACADEMIES:

It is a sub-Organization to plan, establish and run Educational Institutions. The first High School is in Darul Irfan. The Degree level college is under Construction in the Awaisia Society Lahore.

HOUSING SOCIETY:

To provide better housing at reasonalbe cost to memebers. The first project is in Lahore, with completed facilities. There are a mumber of houses that are already completed and occupied and many others are under construction. The building for Siqarah Academy (College) and Masjid are located in this project.

OVER SEAS MISSIONS:

The Dawa't of Islam is not confined to a specific community, race or country. It is for all the human beings. Being Muslims, it is our duty to carry the name of "Allah" to every corner of this earth *Hazrat ji* in his life promoted it, and carried it to a few countries.

AL-MURSHAD

method of getting a little nourishment was through glocose drips. Dr. Azmat and Ahmed Nawaz served him 24 hours. But things did not improve and he was taken to combined military Hospitl, Rawalpindi where he was kept in the extensive care unit. Top specialists attended him. He remained in coma for 3 days. At the end of the tird day, he came out of coma, opened his eyes. On the fourth day he improved very quickly and was moved out of the extensive care unit.

Crowd of followers were waiting for good news and when they learnt that *Hazrat ji* is alive and improved, every one in the crowd was happy. In a few days he recovered so well that on February 11th, he was back to Islamabad among the crowd of his happy followers. That was Friday.

On Wednesday all the test were repeated and result showed that all the organs in the body were functioning normal. Col. Motloob Hussain stayed there most of the time, while Hazrat Maulana Mohammad Akram kept visiting him.

It was February 18, 1984, His condition suddenly changed. The call came to say good by to this mortal world. Along with the sun set of that evening, this radiant and glowing sun was disapeasing behind the clouds. At 6.45 pm. he took his last breath and departed. The same night at 12 O' clock he was given ghusal (ritual bath) by major Baig, Zahid and Baba Qadir Bukhsh. At 3 in the morning his body was carried to Darul Irfan and then from there to Chakrala, his home town. After the zuher prayer, the Namaz-e-Jinaza (Funereal Prayer) led by Hazrat Maulana Mohammad Akram. Participants in the janaza were exeeding the number of a hundered thousand. Every brother was deeply moved, sad and depressed. This was a moment of heavy trial for the followers since they had lost their leader.

Hazrat Maulana Mohammad Akram gave final touches to his grave and lowered down the blessed body into the grave with the help of Ahsan Beg, Zahid and Col. Sultan. They covered the grave and shaped it.

It was an emotional scene. It looked as all the sheep lost their shepherd and they do not know what to do and where to go.

THE WILL:

On August 18, 1982, *Hazrat ji* dictated his will with comprehensive instructions for running the Organization. These instructions serve as constitution for the Brotherhood. In compliance with the Will, the following action were taken:

1. Maulana Mohammad Akran took over as the first succeeding Shaikh of the SILSILAH AWAISIAH.

2. Col. Matloob Hussain as the Nazim-e-Ala (Chief Executive)

AL-MURSHAD

books of International fame such as Dalail-u-Salook and Israrul Tanzeel (3 Vol.) Another book "Ghubar-e-Rah" by Mualana Mohammad Akram will be in the market soon. Translations into various languages are also sponsored by this house.

AL-MURSHAD *(Monthly Magazine)*

Publishing Declaration was awarded on the 7th October 1979. And first issue was out in December 1979.

Professor Abdur Razaq was the first chief Editor and the following were honorary editors, Maulana Mohammad Akram, Bunyad Hussain Naqvi and Bagh Hussain Kamal.

Providing knowkedge on Tasawaf and training in self purification is the purpose of the magazine.

Bai-at (Oath of allegiance and initiation) was permited 1979-80. It was a declaration that every seeker would be permitted in the SILSILA, and would be allowed to avail the facilities of educating, training in ZIKR, maraqibat and self purification with beheficance from the Shaikh and await the opportunity of the company of the Shaikh.

Brother from all walks of life were coming into the Brotherhood of this sufi order. The Brotherhood kept on growing, the number increased.

At the convention at Langar Makhdom in October 1983, *Hazrat ji* delivered his last speech before a large audience of followers. He spoke on the realty of death and life in barzkh, gave instructions to brothers of unity and love, of leading examplary life and not to forget that life here is temporary, that every brother should prepare himself for the eternal life.

This speech was a clear indication that *Hazrat ji* was prepared for the journey to the world beyond. That he had served his mission and had trained and educated those who had the ability to lead the mission, further expand it with the guidance of all mighty Allah and with the blessings of the Holy Prophet (Peace be upon him).

All the brothers and followers present at the convention understood the message. They felt it, they wept and they cried.

At the end of january 1984, his health deteriorated and illness turned serious. He was shifted to Islamabad. He had developed some reaction to certain medecine that he took. Interior of his month, throat and tongue were badly infected. It became hard for him to talk. He could communicate only by writing on a piece of paper.

He stayed at the House of Fazal Karim Butt. Dr. Azmat stayed with him as personal physician while other competent doctors and specialists were there to diagnose and recommend treatment. But his condition got worse. He could nto eat or drink. The only

AL-MURSHAD

ZIKR circles were orgonized. Col. Matloob fully put to use his army management skill. Construction of a convention centre was planned. The land was donated by Maulana Mohammad Akram. That open stoney top of the hill became the centre for this mission. Foundation of the Building was laid during the annual convention of 1979. The place was named Darul-Irfan. Completion of this massive building took about a year. The annual convention of 1980 started in august in the Munara school building and moved in september to Darul-Irfan. All brother of the SILSILA took active part in the construction of the building irrespective of their ranks and status.

Now there was a permanent central base. All the activities of the mission originated from here. People started pouring in. There was enough room for ever 1500 people to sleep in, make their prayers, and do ZIKR. Langar (Free Mess) was established. Seekers kept coming every day to join in Group ZIKR, for self purification and for the company of their Shaikh. Teaching and training programm were made available to all seekers. 3 day monthly seminar became a regular feature at Darul-Irfan.

Hazrat ji was a great reader. He had developed a regular habit of reading and writing. After the morning prayer, used to come home from masjid and attend to domestic activities, after ashraq prayers was the time to go out to farm and then returened for chast prayer. This was his time to go into his personal library and kept himself busy in studing books, and writing. Used to rest for a while till Zuher prayer. In between Zuher and Asar prayer he used to spend that time again in the library, answering all the letters from seekers. He used to have his dinner early before Maghrib prayer. In between maghrib and Isha prayer, he used that time for ZIKR and meditation, in the masjid. His get up time was very early. After Tahajud prayer, ZIKR and maraqabat were his habit.

As mentioned before he had an extensive library, had a large collection of books, worth about a million rupees. He bought each and every book with his own money. There are thousands of books in it. This is to be the largest personal library in the country. The most intersting thing is, that he had read each and every book, put down his comments evaluation or notes on the book that he read. There are books in Urdu, persian, arabic and a few in sansikrat. These books are printed in countries like Egypt, Iraq, Iran and India. A publishing house was established to carry on publishing, printing, sales and distribution of the literature of the SILSILA. It has sales and distribution branches at urdu bazar Lahore., Awaisia Socitety Lahore and at Darul-Irfan. It has published more than 70 books, so far, and other 10 books are in the printing process. It has published

Mohammad Akram devoted his life to serve Allah Allmighty, and the Holy Prophet (Peace be upon Him) under the spiritual leadership of *Hazrat ji*.

Hazrat Maulana Mohammad Akram joined *Hazrat ji* in his evangelical tours. These tours became more organised.

Maulana Mohammad Akram is a gifted speaker, the mission expanded. They travelled from town to town, they hitch hiked, travelled by buses, by tongas, buy rail or by any mode of transportation that was available. More and more seekers joined them. Since 1960, *Hazrat ji* nad Maulana Mohammad Akram became a team. From this time it was not possible to write about one, alone. This team of two was strong, Allah helped them, their progress was real. The mission took an upward turn. Educated people strated joining in the march. The town of chakwal was the first place where brothers started regular sessions of group ZIKR.

Permission for open invitation to public (Dawa't Aam) was granted from the court of the Holy Prophet (Peace be upon Him). Circles for Group ZIKR were formed at different places. The first gathering was held at the mud farm-house of Maulana Mohammad Adram.

During 1961-62 a few prominent personalities joined the mission. They were Professor Abdur Razaq and Hafiz Ghulam Jilani.

The first Seminar was held in the same mud house in 1962. The seminar last for 12 days with 15 brothers who attended. These seminars were held there at different intervals. The number of brothers kept growing. It was decided to hold annual convention every summer. The first annual summer convention was held in august 1968 at Noorpur at the residance of Maulana Mohammed Akram The second Annual Convention was held at the village Munara at the residance of Malik Khuda Bukhsh. The attendance had grown and no residance had enough accomodation, therefore the Munara School Building was acquired on temporary basis. There was no electricity in the building, no water arrangement were there. Inspite of all these difficulties, brothers from all over the country and over-seas, kept coming to these conventions. Brothers were quite happy about this facility. They considerd it a blessing that they had enough space to get to gether, had ZIKR and plenty of floor to sleep on.

Col. Matloob Hussain came in the mission in 1972. His entry further strenghten the team. He played a vital role in administration and management. He started pre-planning all evangelical tours. Thus *Hazrat ji*, Maulana Mohammad Akram and Col. Matloob Hussain ttravelled from Gilgit at extrem north, to Karachi, the last southern city. Mostly in every large city of the country,

old man replied, " Yes Son, they do. Would you like to know? *Hazrat ji* got interest in having this experience. That was another turning point in his life.

That oldman was Hazrat Maulana Abdur Rahim. *Hazrat ji* became his Student in sufism. He learnt Zikr and meditation from maulana Abdur Rahim and the place where *Hazrat ji* spent his next 16 years of life in solitude, was the shrine of Hazrat Allah Din Madni. He felt nothing un usual for sixteen years. It was at the end of sixteenth year that things opened up to him. The sould of that Holy personality made contact and communicated with *Hazrat ji*. There is 400 years time-gap between these two personalities, one, the Shaikh was in Barzkh (celestial) and the other, the desciple in this world. *Hazrat ji* received spiritual beneficanse, was awarded willayat and Khilafat (succession) from his Shaikh , Sultan-ul-Arifeen Hazrat Allah Din Madni (R.A) *Hazrat ji* was instructed by his Shaikh that the time of seclusion was over, he should go out, mingle with the public, guide them, and distribute the blessings of the Holy Prophet (Peace be upon him) to seekers. When *Hazrat ji* came out of the isolation, he was a competent walli (saint), capable and fully equipped with the knowledge and power of inner purification and giving away spiritual blessings.

When *Hazrat ji* came-back to his. home town chakrala, he had to face a number of satanic movements. He fought them single handed. Shiat were dominent in the area. Another perverted cult known as chakralvi were busy spreading their cult. *Hazrat ji* held a number of debates with Shiat scholars. *Hazrat ji* was too strong for them, and most of the time they quit the scene without facing him. He spoke against the chakralvi cult and was successful in destroying their influence in the area. From 1948 to 1958 he became a reputed debator and scholar.

Hazrat ji disclosed himself to Qazi Sana ullah, for the first time in 1952, and offered to lead him in Zikre, and meditation. Qazi was glad to find the man, he was looking for. He became Hazrat's ji first disciple. *Hazrat ji* was in his forties while Qazi was old enough and had white hair and white beard. He is still alive and is over 120. Haji Mohammad Khan and Imam Masjid of Dhali-wal were the second disciples.

Maulana Mohammed Akram met *Hazrat ji* in 1958, when *Hazrat ji* was in the area for a debate with a shiat secholar. Maulana was surprised and could not believe to find a debator and scholar of scuh fame, so simple and humable. Later when he discovered that *Hazrat ji* was not only a scholar but was gifted by almighty Allah with the power of a wali, and he could have personal audience with the Holy Prophet (Peace be upon him) and also had the power to take a seeker to the presence of the Holy Prophet (Peace be upon Him). Maulana

remote semi-desert town of chakrala (Mianwali District). He grew through his childhood as a farm child and shepherd to his father's goats. His life was not different from other childern of the area. He passed through his teenage life without any education and nothing special is known of that period of his life except that he kept himself away from smoking, stealing or trouble making like other teenagers. He was much inclined toward religion.

He had two brothers, on died in his youth, the other named Bahadur is still alive but he is blind now. He had a son and a daughter, both married and live their independent life. His wife is still alive.

When he was eighteen, he joined mianwali police force, but did not like this job and quit. His second job was in Jail security in the city of Peshawar. The Jail warden was a Hindu and corrupt man. This was against his nature to work with a man of corrupt character. He had a fight with the wardon, beat his up and as a result lost this job.

It was during this period that he became interested in learning. He was intellegent and quick learner, so he completed the elementary level course in short time and became able to read Books. He read books on Islam that diverted his life.

Now he was twenty and decided to leave home and go out for Islamic education. He was married by his parents when he was quite young as was the custom there. Since he was leaving home probably for long period, he relieved his wife of marriage responsibilities so that she could decide and live a life of her choice and not remained tied to a man who would be absent from home for an indefinite period of time.

There were no regular institutions for Islamic learning in the area. He studied at different mosqs, the basics as grammer, Logic, philosophy, Islamic history, arabic, persian etc. For hadith education, he went to Dehli and enrolled in Madrasa Aminia, run by Mufti Kifayat ullah. He could not attend the famous school of Islamic learning at Dave Band, Because it was closed due to the arrest of Muslim Scholars and teachers for taking part in Reshmi-Romal Movement.

He was good at tracking down thieves. It was in 1936, he was studying in chak No. 10, of Sargodha. His teacher's bull got Stolen. In tracking down the thief, he arrived at the town of Langar Makhdoom. A group of locals were sitting in a chopal. He joined them. They were discussing celestial life and communication with dead people. Hazrat was non-believer of such things. But when an old man said "Well: I can not make you believe this, but I do have audience with them". This statement startled him. He became inquestitive and asked, "Do they talk to you?" The

THAT MAN FROM THE TWILIGHT ZONE

(TAJ RAHIM)

He was just like a common man, of normal height, strong physical strature, with a face of graceful brown colour, bright eyes, and thick white beard. He lived simple life, ate simple food. He did not attend any formal school or College, had no formal diploma or degree. BUT HE WAS EXTRA ORDINARY.

He initiated a silent revolution in the hearts of millions of people. he converted criminals to peace loving, sinners to piety, materialist to God-loving and non-believers to sufis. He was himself a great sufi, renownd scholar, reputed debator, powerful speaker, a competent wali, and an accomplished Shaikh. He was humable in manners, soft spoken but had forceful and resonant voice. He was always clear in his thoughts with excellent language and effective speach, and with pleasing mianwali accent. His tilawat-e-Quran (recitation) was so dynamic and melodious that would attract even the most inattentive listner.

He always dressed modestly in Kurta (Shirt), Shalwar or Dhothi and a plain green cloth as turban. He used to wear mianwali chappals for shoes. He did not like and never did wear the hooded cloak and robe, a traditional dress of the traditional peers (saints). He had developed a slight unnoticeable lameness in his right leg, caused by an injury that he received by falling down from a tree, in his teeage life. In his seventies he used a stick for support. He lived an active graceful life of 80 years.

He was born in 1904 to a farmer named Zulfiqar of Awan tribe, in the